کلیاتِ ایمآن

شیر محمد خاں ایمآن کے کلیات کی تدوین

○

:- مرتبہ :-

سیّدہ ہاشمی مجیب

ترمیم و اضافہ

ڈاکٹر محمد علی اثر

اشاعت : ۱۹۸۷ء

طباعت : خورشید پریس چھتہ بازار حیدرآباد-۲

کتابت : محمد اقبال

قیمت : مجلد پچاس روپے غیر مجلد چالیس روپے

ناشر : سیّدہ ہاشمی مجیب

تقسیم کار : الیاس ٹریڈرس شاہ علی بنڈہ روڈ حیدرآباد-۲

میری پیاری بہن صفیہ کے نام

جو اپنی تمام تر محرومیوں اور مجبوریوں کے باوجود صبر و شکر کا پیکر بنی سب کے لیے فکر مند رہتی ہیں

سیدہ ہاشمی

فہرست

تعارف

شیر محمد خاں ایمانؔ اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں حیدرآباد کے استاد سخن تھے۔ ۱۷۷۰ء میں آصف جاہ ثانی نظام علی خاں کے عہد میں، سلطنت آصفیہ کا دارالحکومت اورنگ آباد سے، قطب شاہوں کے تاریخی پایۂ تخت، حیدرآباد کو منتقل ہوا تھا۔ ارسطو جاہ سلطنت کے وزیر اعلیٰ تھے، جن کے تدبر و فراست، علم دوستی اور ادب نوازی، اور داد و دہش کی داستانیں، حیدرآباد کی تاریخ کا جز بن چکی ہیں۔ ایمانؔ کو ارسطو جاہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ ایمانؔ اپنے زمانے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی تھے۔ وقائع نگاری کی خدمت پر مامور تھے، اور اپنی تہذیب و شائستگی اور مجلسی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی میں مغلیہ حکومت تیزی سے زوال کے مراحل طے کر رہی تھی۔ دہلی پر پے در پے تباہیاں نازل ہو رہی تھیں۔ سوداؔ، میر حسنؔ اور میر انشاؔ اجڑے دیار کو خیرباد کہہ کر لکھنؤ میں آ بسے تھے۔ لسانی اعتبار سے وہ دور ختم ہو چکا تھا جب کہ شعرائے دہلی، دکنی اردو کو معیاری زبان تسلیم

کرتے تھے، اور اسی میں شعر کہتے تھے۔ مرزا مظہر کی تحریک کے زیر اثر، دہلی کی بولی، معیاری اُردو قرار پا چکی تھی، اور اہل دکن نے بھی تدریجی طور پر، دہلی کی زبان کو معیار کے طور پر قبول کر لیا تھا۔ ایمانؔ، دلّی کی معیاری اُردو میں شعر کہنے والے، اولین شعراے حیدرآباد میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے زمانے میں وہ استادِ وقت سمجھے جاتے تھے۔ ان کی شخصیت اور شاعرانہ مرتبہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حیدرآباد میں مشاعروں کا اس وقت تک آغاز نہ ہوتا، جب تک کہ ایمانؔ تشریف نہ لے آتے۔ مشہور ریختی گو شاعر قیسؔ، ماہ لقا بائی چنداؔ اور ملک الشعرا شیخ حفیظ دہلوی، ایمانؔ کے شاگردوں میں شامل تھے۔

ایمانؔ کے ضخیم دیوان میں ایسے اشعار خاصی تعداد میں مل جاتے ہیں، جن میں زبان و بیان کی سادگی، احساس کی تازگی اور جذبہ کی حرارت ملتی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے گویا ایمانؔ، حسرتؔ اور جگرؔ کے پیش رو ہیں۔ لیکن ان کا عام رنگِ سخن کچھ مختلف ہے۔ مشکل زمینوں میں شعر کہنا اور رواں اشعار نکالنا، زبان و بیان پر قدرت کا اظہار، معنی آفرینی، اور احساس کے مقابلے میں الفاظ پر زور، وہ خصوصیات ہیں جو بہ حیثیت مجموعی ان کے اسلوب میں نمایاں ہیں۔ یہی اسلوب آگے شاہ نصیرؔ اور ناسخؔ کا امتیازی رنگ قرار پایا۔

دیوان ایمانؔ کے متعدد نسخے حیدرآباد کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ لیکن یہ دیوان اب تک منظرِ عام پر نہیں آیا تھا۔ عرصہ پہلے ایک مختصر انتخاب "ایمانِ سخن" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ بارہ چودہ سال قبل شعبہ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی کی ایک طالبہ سیدہ ہاشمی نے "کلیات ایمان کی تدوین" کا موضوع، اپنے ایم۔فل کے مقالے کے لیے انتخاب کیا تھا۔ انھوں نے بڑی محنت سے دیوان ایمانؔ کے مختلف مخطوطوں کا مطالعہ کیا، کلیات ایمانؔ کی تدوین کی، اور مقدمہ لکھا۔ لیکن اپنا مقالہ داخل کرنے کے بعد وہ اپنے رفیقِ حیات کے ساتھ باہر چلی گئیں۔ پھر خلیجی ملکوں کی تیل کی دولت نے، ہاشمی صاحبہ کو یونیورسٹی کی ڈگریوں سے بے نیاز کر دیا۔ لیکن اپنے کام کے

سلسلے میں جو مشقت انہوں نے اُٹھائی تھی، اسے ٹھکانے لگانے کا خیال شاید ان کے ذہن میں موجود تھا۔ سیدہ ہاشمی ام۔ اے میں، ڈاکٹر محمد علی اثرؔ اور مسز راحت اثرؔ کی ہم جماعت تھیں۔ انہوں نے ایک اچھا کام یہ کیا کہ ضروری ترمیم و اضافہ کے ساتھ، اس مقالے کی اشاعت کی ذمہ داری اثرؔ صاحب کو سونپ دی۔ اثرؔ ایک آزمودہ محقق ہیں۔ ان کی متعدد تحقیقی تصانیف منظرِ عام پر آچکی ہیں، اور پسندیدگی اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہیں۔ ڈاکٹر اثرؔ نے عادت کے مطابق، بڑی توجہ اور لگن کے ساتھ اس مقالے کی نظرِ ثانی کی، ضروری ترمیم اور اضافے کیے، اور اٹھارویں صدی کے اس ممتاز شاعر کے متن کی تدوین کا حق ادا کیا، اور اب یہ مقالہ ایک وقیع تحقیقی کوشش کی حیثیت سے منظرِ عام پر آرہا ہے

کلیاتِ ایمانؔ کی اشاعت، اٹھارویں صدی میں، حیدرآباد کے شعر و ادب کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ ہے۔ میں کلیاتِ ایمانؔ کی اشاعت پر سیدہ ہاشمی صاحبہ اور ڈاکٹر محمد علی اثرؔ دونوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔

سمن زار۔ اکبر باغ
حیدرآباد ۳۶ ... ۵
۴؍ دسمبر ۱۹۸۷ء

پروفیسر غلام عمر خاں
سابق صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی
و آندھرا پردیش اوپن یونی ورسٹی

پیش لفظ

اُردو کی تاریخ میں دکنی اَدب کی تحقیق کی وجہ سے تین سو سال کا اضافہ ہوا ۔ دکن میں اُردو اَدب کا اتنا اور ایسا سرمایہ موجود ہے کہ ابھی سالہا سال تک اس پر تحقیق ہوسکتی ہے ۔ اس تحقیق سے اردو ادب کا دامن اور وسیع ہو سکتا ہے اُردو کے محققین مسلسل اس پر کام کر رہے ہیں اور ادبی اور شعری کارناموں کو منظرِ عام پر لا رہے ہیں۔ ان کی یہ تحقیقی کد و کاوش ادب کے کسی نہ کسی تاریک گوشہ کو منوّر کرتی ہے۔ شیر محمد خان ایمانؔ بھی دکن کے ایسے شاعر تھے جن کے شعری کارنامے بڑی حد تک پردۂ خفا میں تھے۔ حالانکہ وہ عہدِ آصفی کے شاعر تھے اور میرؔ و سوداؔ کے ہم عصر تھے ۔ لیکن اس کے باوجود ان کے کلیات کی ترتیب و تدوین اب تک نہیں ہوئی تھی ۔ حالانکہ کیفیت و کمیت کے لحاظ سے ان کے شعری کارنامے اردو ادب میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سیدہ ہاشمی قابلِ مبارک باد ہیں جنھوں نے ایمانؔ کے کلیات کو مرتب کیا ہے۔

سیدہ ہاشمی کا یہ تحقیقی کام قابلِ قدر ہے۔ اس کی اشاعت کی ضرورت تھی ۔ ڈاکٹر محمد علی اثر نے ترمیم اور اضافے کے ساتھ اس تحقیقی کام کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے جو لائقِ تحسین ہے۔ اس بات کی بھی بڑی ضرورت ہے کہ معیاری تحقیقی کاموں کو زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جائے ورنہ

ہوتا یہ ہے کہ ایک مخطوطے پر تحقیقی کام اگر شائع نہ ہو تو دوسرے مخطوطے کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور غیر مطبوعہ ادبی خزانہ میں دفن ہو کر رہ جاتا ہے۔ میرے خیال میں مختلف ادارے جیسے اردو اکاڈیمیاں اس بات کی بھی کوشش کریں کہ جو تحقیقی مقالے قابل اشاعت ہیں اور مدت سے مختلف جامعات میں پڑے ہوئے ہیں، نئے مقالوں کے ساتھ ساتھ ایسے قدیم تحقیقی مقالات کی اشاعت کا بندوبست کریں۔

ایمان کے کلیات کی اشاعت کا اہتمام کر کے ڈاکٹر محمد علی اثر نے نہ صرف سیدہ ہاشمی کی تحقیقی کدو کاوش کو ضائع ہونے سے بچایا ہے بلکہ دکنی ادب کے ایک اہم شاعر کے شعری کارنامے کو تمام و کمال سامنے لانے کی ایسی کوشش کی ہے جو ادبی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ میں سیدہ ہاشمی کو ایک بار پھر مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایک ایسے موضوع پر کام کیا ہے جو اردو ادب میں ایک اہم اضافے کا موجب ہو گا۔

پروفیسر یوسف سرمست
صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد

بنجارا ہلز
حیدرآباد
۵ر دسمبر ۱۹۸۷ء

○

ارتسامات

۱۔ ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر، ریڈر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

کوئی شاخ سرسبز اسی وقت تک ہو سکتی ہے، جب تک اس کا تعلق جڑ سے قائم ہے۔ جڑ سے الگ ہونے کے بعد نہ وہ شاداب رہ سکتی ہے اور نہ اس میں نمو ممکن ہے۔ زبانوں کی ترقی، وسعت اور فروغ کا انحصار بھی ماضی کے سرمایے پر ہے۔ اس سرمایے کو نظر انداز کر دینا بڑی محرومی کی بات ہے لیکن ماضی کو محض یاد کرتے رہنا ہرگز کافی نہیں ہے۔ زندہ قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں کی نہ صرف حفاظت کرتی ہیں بلکہ ان عوامل اور محرکات کا بھی جائزہ لیتی ہیں جو ان کارناموں کے وجود میں لائے جانے کا باعث ہوئے تھے، ان کو اپنے حال پر منطبق کر کے خامیوں اور خوبیوں کو معلوم کرتی ہیں اور پھر ایسے علم کی روشنی میں اپنے مستقبل کی تعمیر کرتی ہیں۔

مولوی عبدالحق اور ان کے ہم عصروں نے علم و ادب سے دلچسپی کی جو روایت قائم کی تھی، خوشی کی بات ہے کہ حیدرآباد کی نئی نسل نے اس کو جاری رکھا ہے بلکہ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اس شوق نے مسابقت کے جذبے کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اردو ادب کے مورخین عام طور سے جنوبی ہند کے شاعروں کے ذکر کو ولی اور سراج پر ختم کر دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سودا اور میر بلکہ ذوق اور غالب کے وقت میں بھی حیدرآباد میں ایسے باکمال موجود تھے جن کا علمی مرتبہ شمالی ہند کے بعض شاعروں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ ان کی علمی فتوحات کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ خاص حیدرآباد والوں نے شمال سے وہاں پہنچنے والے صاحب کمالوں سے اثرات کس طور پر قبول کیے تھے۔

سیدہ ہاشمی جامعہ عثمانیہ کی فارغ التحصیل ہیں انہوں نے ڈاکٹر حمید تسلاری، ڈاکٹر حفیظ قتیل، پروفیسر غلام عمر خاں، پروفیسر رفیعہ سلطانہ، پروفیسر مغنی تبسم وغیرہ استادوں سے فیض پایا ہے اور نتیجے کے طور پر ادبیاتِ قدیم سے عمدہ شغف پیدا کیا ہے۔ انہوں نے ایم۔ فل کی ڈگری کے لیے اپنا تحقیقی مقالہ "کلیاتِ ایمان کی تنقیدی تدوین" کے نام سے مرتب کیا تھا جسے اب ضروری حذف

اور اضافے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

شیر محمد خاں ایمانؔ کا شمار اپنے وقت کے استادوں میں ہوتا تھا وہ میرؔ اور جرأتؔ کا معاصر تھا البتہ اس کا امتیاز یہ تھا کہ اس نے شاعری کی تقریباً سبھی مروجہ اصناف میں طبع آزمائی کی تھی بلکہ خیال کیا گیا ہے کہ نثر میں بھی کچھ لکھا ہو۔ اسکا کلیات یقیناً اس لائق تھا کہ اس کی طرف توجہ کی جاتی۔

ڈاکٹر محمد علی اثرؔ عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں ریڈر ہیں۔ دکنیات سے انہیں غیر معمولی دلچسپی ہے۔ اب تک ان کی دس کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ان میں "دکنی غزل" "دبستان گولکنڈہ" "دکنی و دکنیات" اور غواصی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سیدہ ہاشمی صاحبہ نے "کلیات ایمانؔ" کا جو متن تیار کیا تھا، اس میں ترقی اور اصلاح کی گنجائش تھی۔ یہ سیدہ ہاشمی کی خوبی ہے کہ انھوں نے اس کو محسوس کیا اور ڈاکٹر محمد علی اثرؔ کو اس پر نظر ثانی کے لیے آمادہ کر لیا۔ ڈاکٹر اثرؔ نے بعض نئے مخطوطات کا پتا لگایا اور ان کی مدد سے نہ صرف متن کو بہتر طور پر درست کرنے کی کوشش کی بلکہ مقدمہ میں بھی قابل لحاظ ترمیم و اضافے کیے۔

"کلیات ایمانؔ" کا شائع کیا جانا ایک مفید کام ہے اور اس کے لیے سیدہ ہاشمی اور ڈاکٹر اثرؔ دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔

○

۲

ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ ۔ ریڈر شعبہ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی ۔ حیدرآباد

شیر محمد خان ایمانؔ، میرؔ اور سوداؔ کے معاصر حیدرآبادی شاعر ہیں۔ وہ محمد عاقل خاں کے بیٹے تھے جو سرکار نظام کے ملازم تھے۔ ایمانؔ اپنی قادر الکلامی اور شاعرانہ فن کاری کی وجہ سے اپنے عہد کے قدآور شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ ایمانؔ نے دکنی روز مرہ اور محاورہ کو ترک کر کے دلّی کی معیاری اُردو زبان میں

شعر گوئی کی بنیاد ڈالی۔ ان کی شہرت صرف حیدرآباد ہی میں نہیں تھی بلکہ اُن کی شاعری کے چرچے شمالی ہند میں بھی ہونے لگے تھے۔ ایمانؔ کو شعر گوئی کے علاوہ تاریخ گوئی اور وقائع نگاری میں بڑی مہارت تھی۔ اس دور کے تمام شعرا اور امرا ایمانؔ کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے اور اُستادی کے قائل تھے۔ اس زمانے کے شاعروں کا تصور ایمانؔ کی موجودگی کے بغیر ناممکن تھا۔

ایمانؔ کے ہم عصر شعرا میں مرزا علی لطفؔ دہلوی بھی تھے ایمانؔ، لطفؔ کی حیدرآباد میں آمد پر ملاقات کے لیے آئے تھے۔ عبدالجبار ملکاپوری لکھتے ہیں: "بندگان عالی آصف جاہ ثانی کے زمانے میں حیدرآباد دکن آئے شہرہوا آپ کی (لطفؔ) شہرت ہوتی اس وقت کے شعرا مثلاً شیر محمد خان ایمانؔ آپ سے (لطفؔ) ملنے کو آتے آپ (لطفؔ) نہایت خوش اخلاقی سے ملے اور اپنا کلام سنایا سب خوش ہوئے"

(محبوب الزمن حصہ دوم حیدرآباد دکن ۱۸۱۱ء ص ۹۷۱)

ایمانؔ، شاہ تجلی علی تجلی کے شاگرد تھے۔ لطفؔ کے معاصر شعرا ایمانؔ کا بہت احترام کرتے تھے ایمانؔ کے شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ماہ لقا بائی چنداؔ، محمد صدیق قیسؔ اور شیخ حفیظ دہلوی ان کے اہم تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ایمانؔ ایک قادرالکلام اور خوش گو شاعر تھے۔ ان کے ضخیم کلیات میں غزل، قصیدہ اور مثنوی جیسی مقبول اصناف سخن کے علاوہ مثلث، رباعی، قطعہ، مخمس اور مسدس بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ بحیثیت مجموعی وہ ایک غزل گو شاعر تھے لیکن قصیدہ نگاری میں، رباعی گوئی اور مثنوی نگاری میں بھی انھوں نے شاعرانہ فن کاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ "کلیات ایمان" کے مخطوطے مختلف کتب خانوں میں کسمپرسی کے عالم میں بکھرے پڑے تھے۔ "دیوان ایمانؔ" کو مرتب و مدون کرنے کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ دور افتادہ سیدہ ہاشمی صاحبہ نے "دیوان ایمانؔ" کی تدوین کے موضوع پر ۷۷ ۱۹ء میں ایم فل کا مقالہ تحریر کیا تھا جسے اب میرے رفیق کار برادرم ڈاکٹر محمد علی اثر صاحب ریڈر اردو، پی۔جی کالج عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد کے ترمیم و اضافے کے ساتھ کتابی صورت میں منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔ میں سیدہ ہاشمی صاحبہ کو ان کی پہلی تصنیف کی اشاعت پر مبارکباد دیتا ہوں۔

حیدرگوڑہ۔ حیدرآباد
المرقوم ۵ ردسمبر ۱۹۸۷ء

ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ
ریڈر اردو، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

حرفِ آغاز

استادالشعراء شیر محمد خاں ایمانؔ بارھویں صدی ہجری کے مشہور شاعر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شخصیت اور فن پر ہنوز کوئی خاطر خواہ تحقیقی کام نہیں ہوا۔ مولوی سید محمد مرحوم نے "ایمان سخن" کے نام سے ایک کتابچہ ۱۹۳۷ء میں ادارۂ ادبیات اردو سے شائع کیا تھا، جس میں ایمانؔ کا کچھ منتخب کلام بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ مجلہ کتبہ میں عمر یافعی صاحب نے ایمانؔ کا کچھ کلام شائع کیا تھا مگر ایمانؔ جیسے قادر شاعر پر یہ تحقیقی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلیے راقمہ نے اپنے ایم فل کے تحقیقی مقالہ کے لیے اس موضوع کا انتخاب کیا۔ یوں بھی مخطوطات کا تقابلی مطالعہ کرکے کسی قدیم شاعر کے کلام کو صحت مند انداز میں مرتب کرنا ایک ایم۔فل کے طالب علم کے لیے جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ اس سلسلہ میں راقمہ کو اپنی کوتاہیوں کا پوری طرح احساس ہے۔ "دیوان ایمان" کے مختلف مخطوطات کے کاتبوں کی انتہائی بے پروائی اور سہل انگاری نے ایمانؔ کے کلام کو مرتب و مدوّن کرنے والوں کے لیے مزید رکاوٹیں پیدا کردیں۔ شاید اسی لیے ایمانؔ جیسے دبستانِ شاعر کی حیات، شخصیت اور شاعری کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام ہوا ہے اور نہ "دیوان ایمان" کو مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تدوین متن کے قطع نظر "کلیات ایمان" کے مقدمہ کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں اس سیاسی، سماجی اور ادبی پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے جس میں ایمانؔ کی شاعری نے نشوونما پائی۔ دوسرا باب ایمانؔ کے حالاتِ زندگی سے متعلق ہے۔ تیسرے باب میں ایمانؔ کے ہم عصر شعرا اور تلامذہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چوتھا باب ایمانؔ کے فکر و فن سے متعلق ہے۔ اس باب میں ایمانؔ کی غزل گوئی، قصیدہ نگاری، رباعی گوئی اور مثنوی نگاری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ایمانؔ کی دیگر تصانیف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ پانچویں باب میں "دیوان ایمان" کے قلمی نسخوں کی توضیح کی گئی ہے۔

میں اثر بھائی (ڈاکٹر محمد علی اثر) ریڈر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی بطور خاص ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف اس کتاب کے تمام ابواب پر نظر ثانی کی ایمان کی دو درجن سے زاید ایسی منظومات دریافت کیں جو میرے مقالے میں شامل نہیں تھیں بلکہ "ایمان کی دیگر تصانیف" "ایمان کی رباعی نگاری" اور "دیوان کے قلمی نسخے" کے عنوان سے تین نئے ابواب تحریر کر کے اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا۔

میں استاد محترم پروفیسر غلام عمر خاں صاحب سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی و آندھرا پردیش اوپن یونی ورسٹی کی منت گذار ہوں جنہوں نے اپنی گو ناگوں علمی مصروفیات کے باوجود اس کتاب کا تعارف لکھنے کی زحمت گوارا کی۔

پروفیسر یوسف سرمست صاحب صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی نے از راہ عنایت اس کتاب کا پیش لفظ تحریر فرمایا ہے جس کے لیے میں موصوف کی تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

میں ڈاکٹر جمیل جالبی صدر نشین مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر ریڈر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ ریڈر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی بھی سپاس گذار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔

ڈاکٹر سید حمید شطاری صاحب اور ڈاکٹر حفیظ قتیل صاحب نے مقالہ کی ترتیب و تدوین میں میری رہنمائی فرمائی تھی۔ اردو کے یہ دونوں خدمت گذار اب ہمارے درمیان سے اٹھ چکے ہیں میں اپنے مرحوم اساتذہ کی مغفرت کے لیے دست بہ دعا ہوں۔

ڈاکٹر رحمت علی صاحب (کتب خانہ سالار جنگ) جناب وقار خلیل صاحب، خواجہ محمد سرور صاحب (ادارہ ادبیات اردو) اور جناب کرامت علی صاحب (اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری) نے "دیوان ایمان" کے قلمی نسخوں سے استفادہ کرنے میں میرے ساتھ تعاون کیا ہے جس کیلئے میں ان حضرات کی ممنون ہوں۔

اثر بھائی کے عزیز شاگرد جناب سید عباس متقی اور محمد نسیم الدین نسیم بھی تشکر کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ اور کتابت و طباعت کے مختلف مراحل میں تعاون کیا۔

سیدہ ہاشمی

سیاسی سماجی اور ادبی پس منظر

سلطنت آصفیہ کا قیام ایسے دور میں عمل میں آیا جب کہ ہندوستان سیاسی اور تمدنی اعتبار سے انتشار کا شکار تھا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے وقت سلطنت اتنی وسیع ہوچکی تھی کہ اسکا انتظام اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں سے ممکن نہ تھا۔
اورنگ زیب کے بعد جو سیاسی بھونچال ہندوستان میں آیا اس میں مرہٹے۔ راجپوت۔ جاٹ۔ سکھ اور روہیلے سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ملک کے مختلف حصوں میں اپنا اپنا اقتدار قایم کرنے میں منہمک تھے۔ مختلف طاقتیں جو عہد اورنگ زیب کے بعد سے سلطنت مغلیہ کی بیخ کنی میں مصروف تھیں ان میں مرہٹوں کا زیادہ حصہ تھا۔ فرخ سیر کے زمانے میں دکن پر ان کا اچھا خاصا اقتدار قائم ہو گیا بادشاہ نے روک تھام کی فکر کی تو سید برادران نے ساتھ نہ دیا۔ فرخ سیر کے بعد کئی شہزادے تخت پر بیٹھے لیکن ان کی حکومت برائے نام تھی حقیقت میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ بالآخر محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ مگر یہ بھی اورنگ زیب کے بعد کے دوسرے بادشاہوں کی طرح آرام طلب، امور سلطنت سے لاپرواہ اور عیش و عشرت کا رسیا تھا۔ اس کے بہی خواہوں نے انتظام سلطنت کو درست کرنے کی بہت کوشش کی مگر آپس کے اختلافات نے وزیروں کو متفق نہ ہونے دیا۔
فرخ سیر کے زمانے میں نظام الملک آصفجاہ اولؒ دکن کے صوبہ دار مقرر ہوئے

کچھ عرصے کے بعد محمد شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے آصفجاہ کو سنبھل اور مراد آباد پر منتقل کر دیا اور دکن کی صوبہ داری پر حسین علیخان کو مقرر کیا گیا۔ اس وقت مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ بادشاہ چند امیروں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ آئے دن کی بد انتظامی سے تنگ آکر نظام الملک مستعفی ہو جانا چاہتے تھے مگر محمد شاہ نے نظام الملک کو دکن سے طلب کر کے قلمدان وزارت ان کے سپرد کیا۔ اس اثنا میں نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کی حالت مزید ابتر ہو گئی تھی۔ نظام الملک نے سلطنت کی بگڑی ہوئی حالت کو بہتر بنانے کی بہت کوشش کی لیکن محمد شاہ کو لوگوں نے ان سے بددل کر دیا تھا۔ نظام الملک کو ان باتوں کا علم تھا۔ اس لیے وہ بادشاہ سے اجازت لے کر دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ بادشاہ کو ان کے جانے سے کچھ شک پیدا ہوا۔ اس لئے خفیہ طور پر حیدرآباد کے صوبہ دار مبارز خان کو حکم بھیجا کہ نظام الملک آصفجاہ کو صوبہ دار دکن کے عہدہ سے معزول کر کے خود صوبہ دار بن جائے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب آصفجاہ پہنچے تو شکر کھیڑہ کے مقام پر اس کے سپہ سالار عالم علیخان سے مقابلہ ہوا۔ آصفجاہ نے فتح پائی اور بادشاہ سے قطع تعلق کر کے ایک آزاد اور خود مختار ریاست کی بنیاد ڈالی۔

نظام الملک کے دادا خواجہ میر عابد شاہجہاں کے دور حکومت میں ہندوستان اور دکن کی تمام مہمات میں وہ اور ان کے فرزند شہاب الدین خان اورنگ زیب کے ساتھ رہے۔ خواجہ عابد کے والد شیخ عالم اپنے دور کے جید عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ اورنگ زیب نے خواجہ میر عابد کی غیر معمولی انتظامی قابلیت اور نمایاں قومی خدمات کے صلہ میں انہیں قلیج خان کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ اورنگ زیب کے عہد کی تمام لڑائیاں اہمیت رکھتی ہیں لیکن گولکنڈہ کا محاصرہ اور اس کی تسخیر میں

خواجہ میر عابد اور شہاب الدین نے نمایاں حصہ لیا۔ اس سلسلے میں عبدالمجید صدیقی صاحب لکھتے ہیں کہ۔

"بیجاپور کے محاصرہ میں شہاب الدین خاں نے ایسے آڑے وقت رسد پہنچائی تھی جبکہ سارا کام اسی رسد پر منحصر تھا۔ ورنہ شہزادہ آعظم کی تمام فوج ہلاک ہوجاتی اور مغل سلطنت بہت رسوا ہوتی۔ نہ صرف شہزادہ آعظم خود شہنشاہ نے انکی دل کھول کے داد دی" ۱؎

خواجہ عابد گولکنڈہ کے محاصرہ میں کام آگئے۔ ان کے فرزند شہاب الدین خاں نے اورنگ زیب کے عہد حکومت میں نمایاں کارنامے انجام دیئے یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان لوگوں کی اکثر خدمات دکن کے لیے وقف رہیں۔ گولکنڈہ کے محاصرہ میں جب خواجہ عابد شہید ہوئے تو اورنگ زیب نے ان کو غازی الدین خاں فیروز جنگ کا خطاب عطا کیا۔ اورنگ زیب کو شہاب الدین خاں کے کارہائے نمایاں سے اتنی خوشی ہوئی کہ انہیں "فرزند ارجمند" کے خطاب سے بھی سرفراز کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں کی فتح میں انہوں نے انتھک کوشش کی اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

شہاب الدین خاں کے فرزند قمرالدین خاں ۱۶۷۱ع میں پیدا ہوئے۔ اورنگ زیب ہی نے ان کا نام قمرالدین رکھا ۲؎۔ قمرالدین خاں نے ابتدائی تعلیم دکن ہی میں حاصل کی۔ قمرالدین خاں بچپن ہی سے غیر معمولی ذہین تھے۔ اسی لیئے اورنگ زیب نے کہا تھا کہ ——

۱؎ جشن عثمانی ۔ صفحہ (۱؍۴) جشن عثمانی مرتبہ محمد فاضل صفحہ ۱؍۴

۲؎ ۔ مقالہ سید علی محسن دکن میں تعلیم کے چند پہلو

"آثار رشد و سعادت بر جبین فرزند
فیروز جنگ یافتہ میشود" ؎۱

قمرالدین خاں کو بچپن سے علمی ذوق و شوق تھا۔ انہوں نے اپنے آبا و اجداد کے علمی معیار کو برقرار رکھا۔ ان کے نانا سعد اللہ خاں نے اپنی علمی قابلیت اور ذہانت و دیانت کے باعث ترقی کرتے ہوئے شاہ جہاں کے دور میں وزیر اعظم کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آصفجاہ اول نے نہ صرف ددھیال بلکہ ننھیال سے بھی علم و فضل کو ورثہ میں پایا تھا۔ سترہویں صدی میں ہندوستان کے امیروں اور رئیسوں کو کتابی علم کے ساتھ ساتھ فوجی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ آصفجاہ اول کی تعلیم و تربیت بھی اسی معیار کے مطابق ہوئی اور انہوں نے بہت جلد درسی تعلیم اور فوجی لیاقت میں مہارت حاصل کرلی۔ آصفجاہ اول اردو۔ عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی زبان بھی جانتے تھے۔

آصفجاہ اول نے اورنگ زیب کے دربار میں باپ کے ذریعہ باریابی حاصل کی اور ان کی زندگی ہی میں مختلف لڑائیوں میں شریک ہونے لگے تھے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں لکھتے ہیں کہ ۔

"تیرہ سال کی عمر سے آپ کی علمی فوجی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا" ؎۲

آصفجاہ اول نے نہ صرف عملی طور پر لڑائیوں میں حصہ لینا شروع کیا بلکہ میدان جنگ میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ شہنشاہ نے منصب و خلعت کے ساتھ ساتھ چین قلیچ

؎۱ ۔ حدیقۃ العالم ۔ جلد دوم ۔ صفحہ (۹۴)

؎۲ ۔ نظام الملک آصفجاہ اول (انگریزی) ڈاکٹر یوسف حسین خاں صفحہ ۲۴

کا خطاب بھی عطا کیا۔

آصفجاہ اول نے فوجی مہمات میں اپنی صلاحیت اور اولوالعزمی سے نہ صرف اورنگ زیب کے دل میں جگہ بنالی بلکہ انہیں اورنگ زیب کا مکمل اعتماد بھی حاصل ہو گیا تھا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے وقت تک انھوں نے پنج ہزاری کے منصب تک ترقی کرلی تھی۔ بیجاپور کے گورنر بھی بنے۔ فرخ سیر کے عہد میں انکو "نظام الملک فتح جنگ" کا خطاب ملا اور ہفت ہزار منصب سے سرفراز کیے گئے۔ انھوں نے اپنے تدبر سے حسین علیوں جیسے مقتدر کو شکست دیکر اپنا اقتدار قائم کیا۔

آصفجاہ اول کے بعد ان کے فرزند نواب ناصر جنگ تخت نشین ہوئے مگر آصفجاہ اول کے بھانجے مظفر جنگ ہدایت محی الدین خاں نے فرانسیسیوں کی مدد سے ناصر جنگ سے مقابلہ کیا۔ تجلی علی لکھتے ہیں ؎

"ناصر جنگ باپ کی جگہ مسند نشین حکومت دکن ہو چکے تھے مگر ان کے بھانجے ہدایت محی الدین خاں نے حکومت کا دعوی کیا ناصر جنگ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ہدایت محی الدین خاں نے فرانسیسیوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔" [۱]

اس وقت جنوبی ہندوستان میں یورپ کی دو رقیب طاقتوں یعنی انگریز اور فرنچ میں حکومت و اقتدار کے لیے رسہ کشی چل رہی تھی یہ دونوں طاقتیں ہندوستان میں اپنی عملداری قائم کرنا چاہتی تھیں۔ انگریزوں نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا۔ اور فرانسیسیوں نے مظفر جنگ کی مدد کی۔ فرانسیسی فوج تھوڑے ہی عرصہ بعد میدان جنگ سے

---

۱) تزک آصفیہ ۔ صفحہ ۵۳ ۔ ۵۴ ۔ ۵۵

ہٹ گئی اور مظفر جنگ مغلوب ہوکر ناصر جنگ کی قید میں پھنس گئے۔ ناصر جنگ کو خود ان ہی کے ملازمین نے قتل کر دیا اور ان کی جگہ مظفر جنگ صوبہ دار دکن مقرر ہوئے۔ لیکن انہوں نے کل اختیارات ریاست فرانسیسی کمانڈر موسیو ڈوپلی کے سپرد کر دیے۔ ان کی اس کارروائی سے پٹھانوں کو سخت مایوسی ہوئی اور آپس میں سازش کر کے انہیں بھی قتل کر دیا۔ شیخ چاند رقمطراز ہیں کہ ـــــ

"اس طرح مغربی قواعد دان فوج بھی ان کے ہمراہ تھی جب ناصر جنگ شہید ہو گئے اور فرانسیسیوں کے سرپرست ہدایت محی الدین خاں کو دکن کی حکومت مل گئی تو فرانسیسیوں کا عروج شروع ہو گیا۔ مگر راستہ میں ہدایت محی الدین خاں بھی مارے گئے"۔[1]

اسکے بعد آصفجاہ اول کے تیسرے فرزند نواب صلابت جنگ ۱۷۶۴ھ میں مسند نشین ہوئے۔ ان کا عہد حکومت حوادث سے بھرپور رہا۔ فرانسیسیوں نے عروج حاصل کر لیا۔ مرہٹوں نے زور پکڑا اور ملک کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہو گئے۔ امن و امان مفقود ہو گیا۔ امراء میں سازشیں ہونے لگیں۔

نواب صلابت جنگ کے عہد میں جب سیاسی انتشار بڑھنے لگا تو انہوں نے حکومت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان کے چھوٹے بھائی نظام علیخان آصفجاہ ثانی مسند نشین ہوئے۔

آصفجاہ ثانی کی تخت نشینی کے وقت تمام ہندوستان میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ مغلیہ حکومت زوال آمادہ ہو گئی اکبری شوکت عالمگیری سطوت رخصت ہو چکی تھی۔ مغل شہنشاہیت برائے نام باقی رہ گئی تھی اور مرہٹوں کی قوت تمام ہندوستان میں

۱۔ مجلہ عثمانیہ ۔ صفحہ (۱۰۲) ۱۹۴۱ء

محسوس کی جارہی تھی ۔ ابتداً فرانسیسیوں سے آصفجاہ ثانی کا اتحاد رہا۔ لیکن آگے چل کر انگریزوں سے دوستی پیدا کرلی ۔ اور نہایت تدبر سے سیاسی مسائل کو حل کر کے امن و امان کی فضا پیدا کی ۔ نئے قوانین مرتب کر کے ملک کے نظم و نسق کو درست کیا۔ آصفجاہ ثانی بڑے مردم شناس تھے۔ انہوں نے دو ایسے وزراء کو منتخب کیا جو اپنی فہم و فراست سے تاریخ دکن میں مشہور ہیں۔ نواب رکن الدین موسیٰ خان اور نواب ارسطو جاہ دونوں نے اپنے زمانے میں ملک کی پرخلوص خدمت کی ۔

آصفجاہ ثانی نے ملک کے سیاسی انتشار پر قابو پانے کے بعد صنعت و حرفت تجارت و زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی اور ملک کی معاشی حالت کو درست کیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملک کی تعلیمی حالت بہتر بنانے کی کوشش کی ۔ انہیں کے دور حکومت میں پایہ تخت کی تبدیلی عمل میں آئی یعنی پایہ تخت اورنگ آباد سے حیدرآباد منتقل ہوا ۔

آصفجاہ ثانی نے اپنی علمی سرپرستی اور قدر افزائی سے دکن میں ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ جس کے اثر سے حیدرآباد کے امرا بھی علمی سرپرستی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھنے لگے تھے ۔ چنانچہ شمس الامرائ اور اعظم الامرائ ارسطو جاہ علم و فضل کے بڑے قدر دان گذرے ہیں ۔

آصفجاہی سلطنت بشمول حیدرآباد چند دکنی صوبوں پر مشتمل تھی۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں یہ حکمراں جو معیار قائم کر دیتے تھے انہیں کی تقلید رعایا کرتی تھی ۔ آصفجاہی حکمرانوں نے اپنے آپ کو اہل دکن کی زندگی کے نشیب و فراز اور ان کے رنج و غم اور ان کی خواہشوں اور تمناؤں سے پوری طرح وابستہ رکھا۔ یہ حکمران علم و فضل سے خاص شغف رکھتے تھے اور اہل کمال کے دل سے قدردان تھے ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ نظم و نسق کے فرائض کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

لیکن ساتھ ہی علم وادب سے خاص دلچسپی کے باعث وہ علمائ وفضلا اور شعرا کی نہ صرف صحبت سے استفادہ کرتے اور ان کی سرپرستی و قدرافزائی کرتے بلکہ انہیں انعام واکرام سے بھی سرفراز کرتے تھے۔

شمالی ہند کے شعرا کی آمد:

۱۱۳۶ھ میں سلطنت آصفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۱۳۶ھ سے ۱۲۲۰ھ تک کا دور سرزمین دکن پر آصفجاہ اول اور آصفجاہ ثانی کی حکمرانی کا دور ہے۔

اس زمانے میں اورنگ آباد ہی علم وفضل کا مرکز تھا اور یہاں بیجاپور وگولکنڈہ کے اہل کمال کے ساتھ دہلی کے اہل کمال بھی موجود تھے۔ آصفجاہ ثانی کے زمانے میں جب حیدرآباد سلطنت آصفیہ کا دارالحکومت قرار پایا تو دکن کے اہل فن حیدرآباد میں جمع ہونے لگے اور کچھ ہی عرصہ میں حیدرآباد نے اورنگ آباد کی جگہ لے لی۔ اس دور کے شاعر نہ صرف اورنگ آبادی ہیں بلکہ برہان پور۔ دہلی حیدرآباد اور دوسرے شہروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔

سلطنت آصفیہ میں دکنی شاعروں اور انشاپردازوں کے علاوہ بیرون ملک کے شعرا۔ علما۔ فضلا اور اہل کمال بھی آصفجاہ اول اور آصفجاہ ثانی کے سایہ عاطفت میں داخل ہونے لگے۔ آصفجاہی حکمرانوں نے ان کے فن وکمال کی قدرومنزلت کی اور انہیں دریادلی کے ساتھ نوازا۔ بقول ہاشمی صاحب

> "اکثر علمائ مشائخ۔ عرب وماوراالنہر وخراسان وعراق واطراف ہندوستان سے دکن کو آئے اور حسب حوصلہ لیاقت آپ کی بارگاہ سے سرفراز ہوئے"[۱]

۱۔ یورپ میں دکنی مخطوطات۔ نصیرالدین ہاشمی صفحہ ۴۷۸

علمی سرپرستیوں کے ضمن میں آصفجاہوں کی یہ داد و دہش صرف دکن کی حد تک محدود نہیں تھی بلکہ شمالی ہند کے شعرا کو بھی انہوں نے نوازا ہے چنانچہ آصفجاہ اول نے فضل علیخان کو صرف ایک رباعی کے صلہ میں ایک ہزار روپے انعام اور خلعت واسپ سے سرفراز کیا۔ شمالی ہند کے شاعر موسوی خان فطرت بھی آصفجاہی سلطنت کے فیض یافتگان میں سے ہیں۔ فطرت شاعر کی حیثیت سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ فطرت کو آصفجاہ اول نے اپنے دارالانشاء کی محافظی پر مامور کیا تھا۔ آصفجاہ اول ان کو اپنے دور کا ابوالفضل کہا کرتے تھے۔ فطرت کی قابلیت سے یہ اتنے متاثر تھے کہ ساٹھ روپے ماہوار سے دو ہزاری منصب تک ترقی دے دی۔ قزلباش خاں امید اور مرزا خان رسا بھی آصفجاہ اول کی عنایات و سرپرستی کے مرہون منت ہیں۔

آصفجاہ اول کے بعد آصفجاہ ثانی نے اپنی علمی قدر دانیوں سے دکن میں ایک ایسی فضا بنائی تھی جس کے اثر سے حیدرآباد کے امرا بھی علمی سرپرستیوں کو اپنے لئے باعث عز و شرف سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ شمس الامراء اور ارسطو جاہ علم و فضل کے بڑے قدر دان گذرے ہیں۔

اس دور کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس زمانے کے حیدرآباد کے شعرا شمالی ہند کے شعرا کی تحریک سے متاثر ہو کر اپنی قدیم زبان ترک کرنے لگے تھے۔ اس زمانے میں دہلی کے کئی نامور شاعر و عالم حیدرآباد آچکے تھے۔ اور یہاں ان کی بڑی قدر افزائی کی گئی۔ اور حیدرآباد کے شعرا نے شمالی ہند کے اردو شاعروں کی پیروی شروع کی۔

مرزا علی لطف دہلوی اسی دور میں حیدرآباد آئے تھے۔ ارسطو جاہ نے ان کی بہت عزت افزائی کی اور دربار شاہی میں پیش کر کے چار سو روپے ماہانہ

اور پالکی سے سرفراز کروایا۔ لطف نے آصفجاہ ثانی اور ارسطو جاہ دونوں کی مدح میں قصیدے لکھے اور انعام و اکرام سے بھی نوازے گئے۔

لطف کی طرح اس دور میں دہلی کے مشہور شاعر میر قمرالدین منّت بھی حیدرآباد آئے تھے اور آصفجاہ ثانی کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ بقول ڈاکٹر زور قصیدے پر دس ہزار روپیے نقد اور دوسو روپیے ماہانہ کا منصب عطا کیا گیا۔ شمالی ہند کا ایک اور شاعر ہدایت بھی اس دور میں حیدرآباد آیا تھا اور اسے نواب شمس الامرا کی سرپرستی حاصل تھی۔

شمالی ہند سے آنے والوں میں شاہ نصیر دہلوی بھی ہیں۔ شاہ نصیر کو چندو لال شادان کے یہاں پانچ روپیہ یومیہ مقرر ہوا۔ جو اس زمانے میں ایک شاعر کے لیے اچھی رقم تھی۔ اس لیے شاہ نصیر نے اپنے شاگرد ذوق سے کہا تھا کہ

"میاں ذوق حیدرآباد جنت ہے جنت تم بھی وہیں چلو" ۔۔۔ ۱

مگر ذوق نے دلی کی گلیاں نہ چھوڑیں ۲۔ یہاں اس وقت شیر محمد خاں ایمان استاد الشعرا مانے جاتے تھے۔ وہ ارسطو جاہ کے مصاحب تھے۔ ان کے شاگردوں میں محمد صدیق قیس اور ماہ لقا چندا نے کافی شہرت حاصل کی۔

اس دور میں شمالی ہند کی زبان کے اثر سے عہد قطب شاہی و عادل شاہی کے کئی ایک لفظ متروک ہو گئے۔ مثلاً

۱۔ مرقع سخن ۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور

۲۔ گرچہ ہے ملک دکن میں آجکل قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

بن	بجائے	بغیر
کنے	”	پاس، نزدیک
کبھو	”	تئیں کبھی
توں	”	تو
ہور	”	اور
کوں	”	کو
نت	”	ہمیشہ
سیں	”	سے
اپس	”	اپنا
کسو	”	کسی
ہمن	”	ہمارا، ہماری

بھوت	بجائے	بہت
بیتے، بیتی	”	بسے
ادھر	”	ہونٹ، لب
ادِک	”	زیادہ
سار	”	مانند
سور	”	سورج
کسونت	”	لباس
لئی	”	زیادہ
جیو	”	جان، دل
پیو	”	صنم، محبوب

اردو شاعری کا پہلا دور خانوادہ آصفی کے پہلے تین حکمرانوں آصفجاہ اول، ناصر جنگ شہید اور صلابت جنگ کی علمی سرپرستیوں سے فیض یاب ہوا۔ اس عہد کے پچاس سے زائد شعرا کا پتہ چلتا ہے۔ جن میں سے اکثر اورنگ آبادی ہیں۔ مثلاً مرزا داود۔ سید سراج الدین سراج۔ عارف الدین خاں عاجز۔ خواجہ علی خاں موزوں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی وغیرہ ہیں۔

جب حیدرآباد سلطنت آصفیہ کا دارالسلطنت قرار پایا تو سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ علمی و ادبی سرگرمیاں بھی یہیں منتقل ہوگئیں۔ آصفجاہ ثانی نے طویل عرصہ تک حکومت کی لیکن ان کا زیادہ وقت سلطنت کے استحکام و بقا کے لیے جدوجہد میں گزر گیا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے علما، شعرا، ادیبوں اور اہل کمال کو سرپرستی کے ذریعہ

دکن میں سرگرمیوں کے فروغ دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور اپنی علم دوستی سے ملک کی بہت کچھ علمی خدمت انجام دی۔

آصفجاہ ثانی نے اپنے پیش رو حکمرانوں کی طرح شعرا اور ادیبوں کی قدر افزائی کی اور ان کی امداد و سرپرستی میں دریا دلی کا ثبوت دیا۔ جن علما شعرا اور ادیبوں کو ان کی سرپرستی نصیب ہوئی ان میں سے چند یہ ہیں۔

میر عبدالولی عزلت (سورت سے اورنگ آباد پہنچے اور پھر وہاں سے حیدرآباد آئے)

اسد علیخان تمنا (اورنگ آبادی)

شاہ تجلی علی تجلی (حیدرآبادی)

لچھمی نارائن شفیق (اورنگ آبادی)

نوازش علیخان شیدا

خواجہ عنایت اللہ مفتوں

حالات زندگی

جس وقت شمالی ہند کی فضاؤں میں، میر، درد اور سودا کے نغمے گونج رہے تھے، اسی زمانے میں، حیدرآباد دکن میں ایمان کا طوطی بول رہا تھا۔ بحیثیت شاعر ایمان میر اور سودا کے مرتبے کو نہیں پہنچتے، لیکن وہ اٹھارویں صدی کے نصفِ آخر کے سب سے بڑے حیدرآبادی شاعر تھے۔ اس وقت دکن میں، ان کے پایہ کا کوئی شاعر نہیں تھا۔[1]

ایمان اپنے وقت کے استاد العصر تھے لیکن اس کے باوجود ان کے واقعاتِ حیات پر تاریکی کا پردا پڑا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تاریخ پیدائش درمیانی زندگی کے حالات اور مدفن کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ البتہ معاصرین کے تذکروں اور دکنی ادب سے متعلق کتابوں میں ایمان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کچھ اچٹتے ہوئے اشارے ضرور مل جاتے ہیں۔

نام اور تخلص: عبدالغفور نساخ وہ واحد تذکرہ نگار ہے، جس نے "سخن الشعرا" میں، ایمان کی سیادت ظاہر کرتے ہوئے، ان کا نام سید شیر محمد خاں لکھا ہے۔ نساخ کے الفاظ یہ ہیں۔

"ایمان تخلص سید شیر محمد خاں حیدرآباد دکن کے شعرائے مشاہیر میں تھے۔"[2]

۱۔ عمدۂ منتخبہ: اعظم الدولہ سرور صفحہ ۸۴ اصل فارسی اقتباس یوں ہے۔
"بالفعل شاعرے مثلِ او در آں نواح نیست"

۲۔ "سخن الشعرا" ص ۵۹

اس کے برعکس عبدالجبار خاں صوفی[۲]، خواجہ غلام حسین خاں[۳]، عبداللہ خاں ضیغم[۴]،
میر قدرت اللہ قاسم[۵]، سعادت خاں ناصر[۶]، شاہ کمال[۷]، ابوالقاسم[۸]، ڈاکٹر زور، [۹]
پروفیسر سروری[۱۰]، مولوی سید محمد[۱۱]، جناب عمر یافعی[۱۲] اور سید اشفاق حسین[۱۳] نے ایمان
کا نام شیر محمد خاں لکھا ہے اور یہی نام "کلیات ایمان" (مخطوطہ ۴ مخزونہ ادارہ ادبیات
اردو حیدرآباد) اور "مجموعہ فصاحت" (مخطوطہ ۱۵۱۵ مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ)
میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔ اس لیے ایمان کے نام شیر محمد خاں کو تسلیم کر لیتے ہیں شک
و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایمان کے والد : ایمان کے والد کا نام محمد عاقل خاں تھا اور وہ نائک کے
لقب سے مشہور تھے۔ نائک حیدرآباد کے متوطن اور اخبار
گوئی یا وقائع نگاری کی خدمت پر مامور تھے[۱۴]۔ ایمان حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے
کسی تذکرے یا تاریخی تصنیف میں ایمان کی تاریخ پیدائش درج نہیں ہے۔

---

۲ محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن۔ (جلد اول)
ص ۲۴۸ ۔ ۳ تاریخ گلزار آصفیہ۔ ص ۸۴۸ ۔ ۴ یادگار ضیغم (قلمی) ادارہ ادبیات اردو
حیدرآباد۔ ص ۱۰۱ ۔ ۵ مجموعہ نغز (جلد اول) ص ۹۴ ۔ ۶ تذکرہ خوش معرکہ زیبا ص ۶۶۲ ۔
۷ مجموعۃ الانتخاب (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ ص ۹۹ ب ۔ ۸ بوستان سخن ابوالقاسم
ص ۸۱ ۔ ۹ داستان ادب حیدرآباد۔ ص ۱۳۱ ۔ ۱۰ فہرست مخطوطات جامعہ عثمانیہ
ص ۱۲۹ ۔ ۱۱ ایمان سخن۔ ص ۱۹ ۔ ۱۲ جلہ مکتبہ "بادۂ دکن" اپریل ۱۹۲۱ء ص ۵۲ ۔
۱۳ مرقع سخن (جلد اول) ص ۶۰ ۔ ۱۴ سید محمد۔ ایمان سخن ص ۱۹

تعلیم و تربیت : ایمان کے والد محمد عاقل خاں نے ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا تھا چنانچہ انھوں نے شہر کے مشہور و معروف علما و فضلا سے عربی و فارسی کے متداولہ علوم و فنون کی تعلیم دلوائی۔ ان کے ایک استاد شاہ تجلی (م ۱۸۰۰ء) مولف "تزکِ آصفیہ" بھی تھے جو اپنے زمانے کے ایک بلند پایہ عالم، مشہور مورخ اور خوش گو شاعر تھے۔ انھوں نے اپنے تذکرہ "تزک آصفیہ" میں ایمان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ تجلی کو اپنے اس شاگرد پر ناز تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں "شیر محمد خاں ایمان کہ گل سرسبد تلامذہ ایں مولف است"[۱] والد کے انتقال کے بعد ایمان بھی وقائع نگاری اور اخبار گوئی کی خدمت پر مامور ہو گئے اور اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور اعلیٰ کارکردگی کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کر کے تمام اخبار گویوں کے افسر اعلیٰ بن گئے۔[۲] صاحب گلزار آصفیہ نے ایمان کے علم و فضل، ذہانت اور قوت حافظہ کی بیحد ستائش کی ہے۔ ایمان کو دکن کے ہر قریے، قصبے اور دیہات کے واقعات پوری طرح حفظ تھے حیدرآباد کے مشہور دیوان، اعظم الامرا معین الدولہ مشیر الملک ارسطو جاہ ایمان کو ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے اور ان سے سرزمین دکن کے احوال و واقعات سنتے۔[۳]

ایمان ایک تعلیم یافتہ اور شریف خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سلیقہ، رکھ رکھاؤ اور وضع داری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ جس محفل میں شریک ہوتے اپنی بذلہ سنجی اور خوش گفتاری سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے۔ ایمان اپنے وقت کے استاد الشعرا تھے۔

۱۔ تزک آصفیہ۔ ص ۲۱۴ ۲۔ گلزار آصفیہ۔ غلام حسین خان ص ۲۷۴ ۳۔ تذکرہ شعرائے دکن ص ۲۴۶

اور سارے معاشرے میں قدر و منزلت اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے[1]
ایمان حیدرآباد دکن کے مشاعروں کی روحِ رواں تھے۔ ان کی سخن فہمی، سخن شناسی
اور استادی اس قدر مسلّم تھی کہ جب تک ایمان مشاعرہ گاہ میں تشریف نہیں لاتے
محفل سخن کا آغاز نہیں ہوتا۔ میر فریدالدین آفاق (۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء) امیر بخش
شہرت اور مرزا علی لطف جب دہلی سے حیدرآباد آئے اور طرحی مشاعروں کی بنا ڈالی
تو اہل محفل اس وقت تک مشاعرے کی کارروائی شروع نہیں کرتے جب تک کہ
استاد ایمان تشریف نہ لے آتے[2] صاحب "گلزار آصفیہ" کا بیان ہے کہ ایک دفعہ
۱۲۱۶ھ میں سہ شنبہ کے روز کمان ایلچی بیگ میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس
میں ہند و دکن کے اکثر سربرآوردہ شعرا شریک تھے۔ ایمان کے آنے میں تاخیر ہوئی لیکن
ان کے آنے تک مشاعرہ کا آغاز نہیں ہوا۔

آصف جاہ ثانی کے وزیر اعظم "اعظم الامرا" ارسطو جاہ ایمان کے مربّی خاص
تھے اپنے سفر و حضر میں انہیں وہ اپنے ساتھ رکھتے اور ان کی بذلہ سنجی، سخن شناسی
اور خوش گفتاری سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ارسطو جاہ کی مدح میں ایمان نے جو بلند پایہ
قصائد لکھے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان کو ان کی شخصیت اور دربار سے کس قدر
محبت تھی۔ ارسطو جاہ کی صاحبزادی جہاں پرور بیگم کی شادی کے موقع پر ایمان نے
ایک بے مثال قصیدہ لکھا تھا۔

ایمان کی تاریخ گوئی : ایمان کو تاریخ گوئی کے فن میں مہارت حاصل تھی
تمام تذکرہ نگاروں نے ان کی تاریخ گوئی کا بطور خاص

۱۔ تاریخ ادب اردو (جلد دوم) ڈاکٹر جمیل جالبی، ص ۹۷ ۲۔ تاریخ گلزار آصفیہ ص ۱۷۵

تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے فی البدیہہ قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں [1] ایمانؔ نے بڑے معرکتہ الآرا قطعاتِ تاریخی کہے ہیں خصوصاً نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی وفات پر انہوں نے جو قطعہ کہا، اُسے اسقدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ یہی قطعہ میر نظام علی خاں کے مزار کے دروازے پر مکہ مسجد میں کندہ کروایا گیا ہے۔ دیگر شاعروں نے بھی اس موقع پر تاریخیں کہیں مگر ایمانؔ کی کہی ہوئی تاریخ کو جو سند مقبولیت حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی اِس قطعہ تاریخ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے چوتھے مصرعے سے دو مادہ تاریخ برآمد ہوتے ہیں۔ قطعہ ملاحظہ کیجئے ؎

بروحِ پاک میر نظام علی مدام
زیں مصرعِ عجیب دو تاریخ در بخوال
خوانند با وضو ہمہ اشخاص فاتحہ
مستوجبِ بہشت بہ اخلاص فاتحہ

۱۲۱۸ھ

سنہ وفات ایمانؔ کے سنہ وفات کے سلسلہ میں مورخین اور تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری نے "تذکرہ شعرائے دکن" میں ایمانؔ کا سنہ وفات ۱۲۲۰ھ لکھا ہے [1] اسی بیان کی تقلید ڈاکٹر زور نے داستان ادب حیدرآباد [2] میں اور سید اشفاق حسین نے مرقع سخن جلد اول [3] میں کیا ہے۔ صاحب گلزار آصفیہ [4] عبداللہ خاں ضیغم [5] اور مولوی سید محمد [6] نے ایمانؔ کا سنہ وفات سے

---

[1] تذکرہ شعرائے دکن صفحہ ۲۴۹ [2] داستان ادب حیدرآباد۔ صفحہ ۱۴۲ [3] شیر محمد ال... (مرقع سخن) صفحہ ۱۔ [4] خواجہ غلام حسین خاں۔ صفحہ ۲۱۸ [5] یادگار ضیغم (قلمی) الوان ... حیدرآباد صفحہ ۱ [6] ایمان سخن صفحہ ۲۳

قرار دیا ہے مولوی عمر یافعی نے مکتبہ مجلہ میں لکھا ہے کہ ایمان نے ۱۲۲۱ھ کے بعد انتقال کیا ۱؎ مولوی نصیر الدین ہاشمی نے " دکن میں اردو " کے چھٹے ایڈیشن (۱۹۶۳ء) میں ایمان کے سنہ وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے ۱۲۲۵ھ کے بعد انتقال کیا

مورخین اور تذکرہ نگاروں کے متضاد بیانوں سے الجھن ضرور پیدا ہوتی ہے لیکن یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ ایمان نے ۱۲۲۰ھ کے بعد اس دار فانی سے رحلت کی۔ ۱۲۲۰ھ میں انہوں اپنی تصنیف " گلدستہ گفتار " قلمبند کی تھی۔ گلدستہ گفتار اس کتاب کا تاریخی نام ہے۔ مخطوطے کے آخر میں ایک رباعی کے چوتھے مصرعے " گلدستہ گفتار کہا بے کم و کالت " سے ۱۲۲۰ھ برآمد ہوتے ہیں۔ چوں کہ بیشتر اہم تذکروں میں ان کا سنہ وفات ۱۲۲۱ھ درج ہے اس لئے ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء ہی ان کا سنہ وفات مان لینے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے

ایمان آصف جاہی دور کے نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر تھے بلکہ انہیں نثر نگار اور وقائع نگار کی حیثیت سے بھی اہم مرتبہ حاصل تھا۔ عربی اور فارسی زبان پر انہیں عبور حاصل تھا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں انہوں نے شعر کہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود، ایمان کے تفصیلی حالات کسی تذکرہ میں نہیں ملتے۔ البتہ ان کے زمانے کی بعض تاریخی کتابوں میں جستہ جستہ حالات مل جاتے ہیں۔ ایمان کی بے پناہ علمی وادبی قابلیت، ان کی عادات واطوار، خوش اخلاقی کی توصیف، منکسر المزاجی اور بذلہ سنجی کا اجمالی ذکر تقریباً سبھی تذکروں میں ملتا ہے۔ لیکن عبدالجبار خاں صوفی نے اپنے تذکرہ میں ایمان کا ذکر دو صفحات میں کیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں سے ایمان کے دوستانہ مراسم بھی تھے مثلاً شاہ کمال نے اپنے تذکرہ میں ان سے دوستانہ تعلقات

۱؎ بادہ دکن ص۲ھ اپریل ۱۹۲۸ء

کا بھی ذکر کیا ہے۔ لطف سے ایمان کی ملاقات کا ذکر عبد الجبار خاں صوفی اپنے تذکرہ میں کیا ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ لطف نے اپنے تذکرہ "گلشن ہند" میں ایمان کو جگہ نہیں دی۔ درج ذیل کتابوں میں ایمان کے مختصر حالات ملتے ہیں۔

ایمان سخن	سید محمد
داستان ادب حیدرآباد	ڈاکٹر زور
دکن میں اردو	نصیر الدین ہاشمی
مرقع سخن (جلد اول)	سید اشفاق حسین
تاریخ ادب اردو (جلد دوم)	ڈاکٹر جمیل جالبی

ان کتابوں کے علاوہ متعدد تذکروں میں بھی ایمان کے واقعات حیات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ ایمان کی شخصیت اور شاعری کو سمجھنے کے لئے تذکرہ نگاروں کے تاثرات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ذیل میں ان تذکرہ نگاروں کے بیانات نقل کئے جاتے ہیں جنہوں نے ایمان کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔

ایمان تذکرہ نگاروں کی نظر میں

عبد الجبار خاں صوفی ملکاپوری نے "تذکرہ شعرائے دکن" میں ایمان کے بارے میں اس طرح معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

"ایمان تخلص شیر محمد خاں نام۔ محمد عاقل خاں نایک کا فرزند ہے۔ حیدرآبادی المولد ہے۔ آپ کے والد سرکار نظام میں وقائع نگاری کی خدمت پر مامور تھے اور اخبار گوئی کا بھی کام ان کے سپرد تھا ایمان نے نشوونما کے بعد شہر کے علما و فضلا کی خدمت میں کتب عربیہ و فارسیہ

تحصیل کیں۔ یگانہ روزگار رہا اور موروثی فن میں بھی بے نظیر۔ سرکاری تمام اخبار گویوں کا افسر تھا۔ دکن کے تمام واقعات اس کے حافظے کے خزانے میں محفوظ تھے۔ سرکار میں ممتاز و معزز تھا۔ اکثر اوقات سفر و حضر میں آعظم الامرا کا مصاحب رہا ہے۔ شعر گوئی و شعر فہمی میں بے مثل تاریخ دانی و وقائع نگاری میں بے بدل تھا۔ شعرا و حاضرین آپ کی استادی کے قائل تھے۔ ۱۲۱۶ھ میں حضور آصفجاہ ثانی کے زمانے میں محلہ کمان ایلچی بیگ میں ایک مشاعرہ قرار پایا تھا۔ تمام شعرا جمع ہوئے مگر آپ نہیں آئے تھے۔ سب آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ بعض کی رائے ہوئی کہ غزل خوانی شروع کی جائے۔ اکثر نے کہا جب تک استاد نہ ہوں کچھ مزہ و لطف نہ ہوگا۔ آخر آپ آئے وجہ تاخیر بیان کیے سب کا شکریہ ادا کر کے عذر خواہی کی۔ مشاعرہ بڑی عظمت و شان سے ہوا اس میں شعرائے ہند و دکن مجتمع تھے۔ آپ کا کلام سنجیدہ و پسندیدہ ہوتا ہے۔ صنائع و بدایع کے زیور سے آراستہ اور آرایش جگت و ضلع سے پیراستہ ہوتا ہے آپ اپنے کلام میں ایہام بھی استعمال کرتے ہیں۔ آپ صاحب دیوان ہیں آپ کا دیوان بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔ آپ تاریخ گوئی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ فی البدیہہ تاریخ کہتے تھے آپ نے حضور نظام آصفجاہ ثانی کی تاریخ میں ایک قطعہ لکھا۔ اس کے چوتھے مصرعے سے دو مادہ تاریخ برآمد ہوتے ہیں۔ مقبرہ کے دروازے پر مکہ مسجد میں یہی قطعہ کندہ ہے سو

بر روح پاک میر نظام علی مدام	زیں مصرع عجیب دو تاریخ را بجواں
خوانند با وضو ہمہ اشخاص فاتحہ	مستوجب بہشت در اخلاص فاتحہ

۱۲۱۸

اور دوسرے شعرانے بھی تاریخیں کہیں مگر آپ کی تاریخ مطبوع عام ہوئی اسی وجہ سے مقبرہ کے دروازہ پر کندہ کرائی گئی۔ آپ خوش خلق خوش سیرت تھے۔ پاکیزہ شمائل و حمیدہ فضائل تھے۔ عزیز خلائق مقبول خالق تھے۔ آخر ۱۲۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی تالیف سے رسالہ شطر بیخ و رسالہ عروض و قافیہ و دیوان مشہور ہے۔" ۱؎

شاہ کمال الدین نے اپنے تذکرہ "مجمع الانتخاب" میں ایمان کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"شیر محمد خاں صاحب ایمان تخلص، متوطن حیدرآباد و از رفقائے ناظم دکھن کہ در علم عروض و قوافی و تواریخ وغیرہ۔ رابطہ کمال دارد و بسیار خوش کمال و خوش فکر است و بہ جمیع صفت موصوف و در تمام شعرائے حیدرآباد ممتاز است و با فقیر ہم دوستی ولی دارد و آں چند شعرا بطریق یادگار قلم آمدہ از لیست" ۲؎ میر ابوالقاسم مولف "بوستان سخن" نے اپنی تصنیف میں ایمان پر یوں خامہ فرسائی کی ہے "شیر محمد خاں المتخلص بہ ایمان در فن شاعری و موری بزبان فارسی و ہندی علم یکتائے می افراز و طبل مجردی نوازد۔" ۳؎

مولوی غلام حسین مولف "گلزار آصفیہ" نے ایمان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے

۱؎ عبدالجبار خاں صوفی۔ تذکرہ شعرائے دکن۔ صفحہ ۲۴۹-۲۴۸

۲؎ شاہ کمال۔ مجموعۃ الانتخاب۔ (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

۳؎ میر ابوالقاسم۔ بوستان سخن ص۸

"ذکر شعرائے نامور سرکار معہ اشعار ایشان۔ شیر محمد خاں ایمان
پسر محمد عاقل کہ مشہور بہ نایک بود او در فن اخبار گوئی دکن دلیر بدیہی
یکتائے روزگار و سرخیل اخبار یان سرکار دولت مند ازلودہ احوال مملکت
دکن از جا بجا بر زبان خود داشت و حال مذکور در جمیع علوم فرد مل
روزگار کہ اکثر بفرد در خواص آعظم الامرا نشستہ احوال تماجی سرزمین دکن
بزبان خود بیان می کرد در عہد حضرت غفرآ غالب در سنہ یکہزار و دو
صد و شانزدہ و ہفتدہ ہجری شعرائے ہند و دکن مشاعرہ مقرر کردہ
بروز سہ شنبہ در مکان شہرت و آفاق شاعران ہند اندرون محلہ کمان
ایلچی بیگ ہمہ جا جمع مشیدند و غزل طرحی می خواند بدون آمدن خان
مسطور غزل خوانی نہ مینمودند و ہمہ شعراء استاد وقت مبدا نستند در عروض
و قوافیہ و دیگر صناعات فن شعر ممتاز زمانہ بود۔"[1]

میر قدرت اللہ قاسم اپنے "تذکرہ" مجموعہ نغز" میں رقم طراز
ہیں "ایمان تخلص، شیر محمد خاں حیدرآبادی است گو نمکردے
از عمدہ ہائے ممالک جنوبیہ و مرد سلیم الطبع سیر مشق خوش اختلاط
پسندیدہ صفات است"[2] صاحب "تذکرہ خوش معرکہ زیبا" لکھتے ہیں۔
"شیر محمد خاں، ایمان تخلص، ساکن حیدرآباد"[3]

١۔ گلزار آصفیہ۔ غلام حسین خاں ص ۲۴۴
٢۔ میر قدرت اللہ قاسم "مجموعہ نغز" مرتبہ محمود شیرانی۔ 1973ء۔ دہلی۔ صفحہ ۹۴
٣۔ "خوش معرکہ زیبا" صفحہ ۶۶۲۔

عبد الغفور نساخ نے "سخن الشعرا" میں لکھا ہے "ایمان تخلص، سید شیر محمد خاں حیدرآباد دکن کے شعرائے مشاہیر میں تھے۔"[1]

"ایمان تخلص، شیر محمد خاں، والد محمد عاقل خاں۔ آپ جمیع علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ آعظم الامرا جو حیدرآباد میں ایک معزز رئیس گذرے ہیں، ان کے پاس رہتے تھے۔ اخبار رسانی میں بڑا ملکہ تھا۔ آپ کی تصانیف سے مثنوی برسات اور رسالہ حکمت و ضلع مشہور ہیں ۱۲۱۲ھ میں آپ نے انتقال کیا۔"[2]

لالہ سری رام اپنے تذکرہ "خم خانہ جاوید" میں ایمان کے تعلق سے لکھتے ہیں۔

"ایمان۔ شیر محمد خاں خلف محمد عاقل نایک۔ نواب سکندر جاہ نظام الملک کے دوران حکومت میں حیدرآباد کے شعرائے مشاہیر میں شمار کیے جاتے تھے اخبار نویسان ریاست کے زمرہ سے تعلق تھا۔ سرزمین ملک دکن کے حالات سے واقفیت کامل حاصل تھی۔ عروض و قافیہ سے خوب ماہر تھے۔ اور اکثر اشعار میں ضلع جگت کی طرف طبیعت کی توجہ مبذول تھی۔ ایک رسالہ جگت اور مثنوی برسات ان کی یادگار ہے۔ شطرنج بھی خوب کھیلتے تھے۔ امیر الامرا وزیر اعظم کی مصاحبت میں اکثر رہتے تھے ۱۲۲۱ھ میں وہیں انتقال کیا۔"[3]

شاہ تجلی اپنے تذکرہ "تزک آصفیہ" میں ایمان کا ذکر اس طرح کیا ہے

۱۔ "سخن الشعرا"، صفحہ ۵۹ ۲۔ عبداللہ خاں ضیغم "یادگار ضیغم" (قلمی) ادارہ ادبیات اردو ۱۳۳۲ھ صفحہ ۱۰۱ ۳۔ خم خانہ جاوید۔ (جلد اول) صفحہ ۵۲۷

"شیر محمد خاں ایمان کہ گل سرسبد تلامذہ ایں مولف است" [۱]

متذکرہ بالا تذکروں سے جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں شاہ تجلی کے تذکرہ "تزک آصفیہ" کو تقدم حاصل ہے۔ لیکن شاہ تجلی نے ایمان کے بارے میں بہت اختصار سے لکھا ہے۔ اس کے برعکس "گلزار آصفیہ" کے مولف (غلام حسین خاں) نے ایمان کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے "گلزار آصفیہ" سے ہی استفادہ کیا ہے۔

○

ایمانؔ کے ہم عصر شعراء اور تلامذہ

ایمانؔ، آصف جاہی دور کے ایک ممتاز سخنور تھے۔ آصف جاہی سلاطین نے علم و ہنر اور شعر و ادب کی دل کھول کر سرپرستی کی۔ ایمانؔ سے پہلے آصف جاہی عہد میں جن شاعروں نے شہرت و مقبولیت حاصل کی ان میں سراجؔ اورنگ آبادی، درگاہ قلی خاں درگاہؔ، میر نوازش علی خاں شیداؔ، شاہ تجلی علی تجلیؔ، محمد ماہ محرمؔ، مرزا داود داودؔ، معتبر خاں عمرؔ، مرزا جمال اللہ عشقؔ، الفت خاں مبتلاؔ، شیخ ظہور الدین نادرؔ، لچھمی نارائن شفیقؔ، شاہ عنایت اللہ فتوتؔ اور اسد علی خاں تمناؔ کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر شاعر اورنگ آبادی تھے۔

شیر محمد خاں ایمانؔ کی شاعری کا نشو و نما نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی (۱۲۱۸ھ) اور نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث (۱۲۴۴ھ) کے عہد میں ہوا۔ اس دور میں علی الترتیب ارسطو جاہ (۱۲۱۹ھ) اور میر عالم (۱۲۲۳ھ) وزرائے سلطنت کے جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے، جنھوں نے حیدر آباد میں علوم و فنون اور شعر و سخن کی بطور خاص سرپرستی اور قدر افزائی کی۔ اس قدر و منزلت کا شہرہ سن کر شمالی ہندوستان کے درج ذیل شعراء حیدر آباد آ گئے تھے۔

۱۔ میر قمر الدین منتؔ (۱۲۰۸ھ) ۲۔ خواجہ احسن اللہ بیانؔ (۱۲۱۳ھ)
۳۔ مرزا علی لطفؔ ۴۔ حافظ تاج الدین مشتاقؔ ۵۔ میر دولت علی دولتؔ

خود حیدرآباد میں اس وقت متعدد مقامی شعرا دادِ سخنوری دے رہے تھے جن میں میر علی مردان خاں بیدلؔ، محمد علی نیازؔ، نیاز احمد خاں نیازؔ، میر ہاشم فقیرؔ، مرزا محمد خاں نثارؔ، میر نجف علی خاں ندرتؔ، مرزا داود ہنرؔ، میر حسن علی خاں ایماؔ، میر بہاالدین حسین خاں عروجؔ اور میر عباس علی خاں احسانؔ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ایمان کے ہم عصر شاعروں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ طوالت کے پیشِ نظر یہاں صرف چند مشہور اور اہم شاعروں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شاہ تجلی علی تجلی (۱۱۵۲ھ تا ۱۲۱۵ھ):

شاہ تجلی نہ صرف آصف جاہی عہد کے نامور شاعروں میں شمار ہوتے ہیں بلکہ انہیں ایمانؔ کے استاد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ وہ ایک نیک سیرت عالم، بزرگ صوفی اور ایک ممتاز شاعر اور مورخ بھی تھے۔ ان کا شمار اس دور کے ماہرِ فن خوش نویسوں اور مصوّروں میں بھی ہوتا ہے۔ وہ زرگری، آہنگری، اور نجاری سے بھی دل چسپی رکھتے تھے۔

" پروفیسر عبدالقادر سروری نے مختلف تذکروں کے حوالوں سے شاہ تجلی کی درویشانہ زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

" شاہ تجلی کا ذکر سب سے پہلے میر قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرہ مجموعہ نغز ۱۲۲۱ھ میں کیا ہے قاسم کے بعد یوں تو چند اور تذکرہ نویس مثلاً آج اور شیفتہ نے تجلی کے حالات پر اجمالی روشنی ڈالی ہے مگر وضاحتاً ان کے کچھ حالاتِ زندگی ملتے ہیں تو وہ " محبوب الزمن " ہی میں ملتے ہیں حیرت تو یہ ہے کہ ان کے حالات خود ان کی قلمبند کردہ تاریخ " تزک آصفیہ " میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ یہ ان کی درویشانہ طبیعت

اور نام و نمود سے نفرت کی دلیل ہے۔[۱]"

شاہ تجلی کی تاریخ "تزک آصفیہ" ان کی علمی قابلیت کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ تجلی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور جملہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے خصوصاً قصیدہ نگاری کے میدان میں انہیں اپنی شعری صلاحیتوں کے اظہار کا اچھا موقع ملا ہے۔

تجلی کے شاگردوں کا حلقہ وسیع ہے جس میں سے دو عزیز شاگردوں کا ذکر انہوں نے تاریخ "تزک آصفیہ" میں بر سبیل تذکرہ کیا ہے اور وہ ہیں محمد داود خاں ہنر اور شیر محمد خاں ایمان۔ ایمان کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ۔

"شیر محمد خاں ایمان گل سر سبد تلامذہ ایں مولف است" [۲]

تجلی کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی تھا کہ وہ عبد الولی عزلت کی طرح ایک بلند پایہ مصور اور خوش نویس بھی تھے۔ ڈاکٹر زور تجلی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "شاہ تجلی اپنے عہد کے مناظر اور اشخاص کی کئی تصویریں بنائی تھیں اور ۱۱۹۱ھ میں جشن نوروز کے موقع پر انہوں نے آصف جاہ ثانی کی ایک قد آدم تصویر اس خوبی سے کھینچی تھی کہ لباس زیور وغیرہ اصلی معلوم ہوتے تھے۔ اس کے صلہ میں ان کو پانچ ہزار روپے عطا کیے گئے تھے۔ شاہ تجلی نے متعدد قصیدے بھی لکھے تھے۔ وہ اردو کے اچھے شاعر تھے۔ ان کی زبان پر اورنگ آباد اور شمالی ہند کے شعرا کا اثر پڑ چکا تھا۔ ان کی زبان کے مقابلے میں نواز ش علی خاں شیدا کی زبان بہت ہی قدیم معلوم ہوتی ہے۔" [۳]

اسد علی خاں تمنا:

تمنا ۱۱۴۸ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے لیکن

۱۔ شاہ تجلی علی تجلی "مرقع سخن" ص ۵۲ ۲۔ تزک آصفیہ، صفحہ ۱۴۷

۳۔ داستان ادب حیدرآباد صفحہ نمبر ۱۷

لڑکپن ہی میں وہ حیدرآباد چلے آئے ۔ ان کے والد سید علی خاں فوج داری اور وقائع نگاری جیسے جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے ۔ تمنا حیدرآباد میں ارسطو جاہ کے دربار سے وابستہ تھے انہی کے توسط سے انہوں نے نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے دربار تک رسائی حاصل کی ۔ تمنا اپنے عہد کے باکمال غزل گو، قصیدہ نگار اور تذکرہ نویس تھے ۔ حیدرآباد میں ان کے متعدد شاگرد گزرے ہیں جن میں محمد علی شوقؔ مجاہد جنگ ارمانؔ اور محمد اکبر خاں شررؔ کے نام قابل ذکر ہیں ۔ کتب خانہ سالار جنگ اور اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری حیدرآباد میں ان کی غزلوں، قصیدوں و رباعیوں اور تاریخی قطعات پر مشتمل دو دواوین موجود ہیں ۔ تمنا نے "گل عجائب" کے نام سے ایک تذکرہ بھی مرتب کیا تھا ۔ تمنا کی شادی اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ امتیاز سے ۱۱۶۸ھ میں ہوئی تھی ۔ تمنا کی شاعری کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر خالدہ یوسف لکھتی ہیں ۔

> "تمنا ایک ایسے دور کے شاعر ہیں جب کہ انعام اللہ خاں یقین کے تتبع میں مضمون آفرینی کا رواج ہو چلا تھا، سنگلاخ اور مشکل زمینوں کی عارف الدین خاں عاجز نے بنیاد ڈالی تھی لیکن اس کے برخلاف تمنا کا کلام سادگی اور صفائی کے ساتھ چھوٹی چھوٹی اثر و کیف میں ڈوبی ہوئی بحروں میں جھلکتا ہے ۔ انکی غزلوں میں فلسفہ و تصوف نہیں ہے ۔ خیالات میں پیچیدگی اور مبالغہ نہیں ہے تشبیہوں اور استعاروں کا لطیف امتزاج ملتا ہے جس سے محاکاتی رنگ پیدا ہو گیا ہے ان میں ندرت بھی ہے اور جدت بھی ۔" ع۱

ع۱ ۔ مجلہ عثمانیہ حیدرآباد ادب نمبر ۱۹۶۵ صفحہ ۳۹

میر حسین علی خاں آیا : آیا آصف جاہ ثانی میر نظام علی خاں کے دور کے ایک مقبول قصیدہ نگار اور غزل گو شاعر تھے۔ وہ دراصل خراسان کے باشندے تھے لیکن بچپن ہی میں اپنے والد وفا خاں کے ہمراہ اورنگ آباد آئے اور بعد کو نقل مقام کر کے حیدرآباد چلے آئے۔ "تذکرہ شعرائے اردو" اور "مجمع الانتخاب" میں آیا کے مختصر حالات زندگی درج ہیں آخرالذکر تذکرہ کے مولف شاہ کمال آیا کی خوش مزاجی اور بلندی فکر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "بسیار خوش فکر و خوش مزاج چنانچہ خوبی ہائے ایشان از کلام ہویدا است" ۱؎ آیا نے غزل کے علاوہ قصیدہ کی صنف کو بھی اپنی طبع کا موضوع بنایا ہے جن کے مطالعہ سے ان کی قادرالکلامی اور پرگوئی کا اندازہ ہوتا ہے

ڈاکٹر لئیق صلاح نے اپنی کتاب "عہد ارسطو جاہ" میں لکھا ہے کہ "کتب خانہ سالار جنگ کی ایک بیاض میں ایک ہی زمین میں جولاں اور آیا کی غزلیں موجود ہیں ایک غزل کے چند شعر ایسے ہیں جن میں ایک ہی نوعیت کے موضوعات پر دونوں نے طبع آزمائی کی ہے مگر آیا کے پاس بلندی تخیل اور تفکر کا احساس زیادہ ہے۔

آیا	جولاں
کبھو حرم میں کبھو دیر میں مجھے پیارے	برنگ سایہ ترے ساتھ ساتھ کیوں پھرو
کہاں کہاں یہ لیے تیری چاہ پھرتی ہے	کہ میرے دل کو لیے تیری چاہ پھرتی ہے
کدھر سے ہے دیار اثر خدا جانے	بھٹکتی چرخ پہ سمجھو نہ آہ پھرتی ہے
بھٹکتی آج تلک میری آہ پھرتی ہے	کسو کے گیسو کے گرد جب سیاہ پھرتی ہے ۲؎

حالاں کہ میر حسین علی خاں آیا کے نام سے جو اشعار درج کیے گئے ہیں وہ

۱؎ مجمع الانتخاب (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

۲؎ عہد ارسطو جاہ۔ صفحہ ۱۹۷

شیر محمد خاں ایمان کے ہیں ۔ "کلیات ایمان" میں یہ غزل نو اشعار پر مشتمل ہے اس غزل کے مطلع اور مقطع کے علاوہ متذکرہ بالا دونوں اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں ؎

صنم کی جب کہ وہ چشم سیاہ پھرتی ہے ۔۔۔ جگر سے پار ہو پل میں نگاہ پھرتی ہے
کبھو حرم میں کبھو دیر میں مجھے پیارے ۔۔۔ کہاں کہاں نہ لیے تیری چاہ پھرتی ہے
کدھر گیا ہے دیار اثر خدا جانے ۔۔۔ بھٹکتی آج تلک میری آہ پھرتی ہے
خزاں کے آنے سے ایمان باغ کا ہے یہ رنگ ۔۔۔ کہ فصل گل تو بیس از سال و ماہ پھرتی ہے

خواجہ احسان الدین بیان :

بیان اکبر آباد کے متوطن تھے لیکن انہوں نے زیادہ تر دہلی میں سکونت اختیار کی۔ جان جاناں مظہر کے شاگرد اور مولانا فخر الدین اورنگ آبادی کے مرید تھے۔ آصف جاہی دور میں شعر و ادب کا شہرہ سن کر حیدر آباد آ گئے آصف جاہ ثانی کے دربار سے متوسل رہے اور یہیں ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔ درج ذیل تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں بیان کو جگہ دی ہے۔

۱۔ شاہ کمال (مجمع الانتخاب) ۲۔ عبد اللہ خاں ضیغم (یادگار ضیغم) ۳۔ لچھمی نارائن شفیق (چمنستان شعرا) ۴۔ مرزا علی لطف (گلشن ہند)

بیان کے دیوان میں غزل، قصیدہ، رباعی وغیرہ سبھی اصناف سخن موجود ہیں۔
بیان کے قلمی دیوان کے نسخے کتب خانہ جامعہ عثمانیہ، کتب خانہ سالار جنگ اور سٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہیں بیان کے ترک وطن کے بارے میں تذکرہ نگار تو خاموش ہیں لیکن بیان کا بیان ہے کہ ؎

چھوڑ اپنا نہ کوئی آپ وطن پھرتا ہے ۔۔۔ دانا پانی لیے یورپ سے دکن پھرتا ہے

مرزا علی لطف : لطف کے آبا و اجداد کا تعلق ایران سے تھا۔ ان کے والد کاظم بیگ خاں استر آباد کے رہنے والے تھے۔ جو نادر شاہ کی فوج کے ہمراہ ۱۱۵۴ھ میں ہندوستان آئے

اور محمد شاہ کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ لطف ۱۱۶۵ھ کے لگ بھگ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ دہلی کی تباہی کے بعد دیگر شرفا، علما اور اہل کمال کی طرح نقل مقام کرنے پر مجبور ہوئے اور ۱۱۹۱ھ سے قبل لکھنو پہنچے اور آصف الدولہ کی سرکار میں ملازمت حاصل کی۔ لکھنو میں بحیثیت شاعر لطف نے کافی مقبولیت حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے براہ عظیم آباد مرشد آباد کلکتہ کا رخ کیا اور پھر نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے دور میں ۱۲۱۵ھ میں حیدرآباد پہنچے اور یہیں ۱۲۲۳ھ میں انتقال کیا۔ ویسے تو لطف اپنے تذکرہ گلشن ہند کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں لیکن وہ ایک صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ نے ان کی غزلوں قصیدوں اور رباعیوں پر مشتمل دیوان شائع کر دیا ہے۔[1] ڈاکٹر اکبر لطف کی شاعری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لطف کی شاعری کا آغاز دہلی میں ہوتا ہے اور لکھنو میں انکی شاعری پروان چڑھتی ہے۔ دہلی میں جب تک رہے میر و سودا کو اپنا امام سمجھتے رہے غالباً اسی لیے اس دور کی غزلوں میں میر کی سادگی اور سودا کا بانکپن ملتا ہے"[2]

میر قمر الدین منت : منت بھی آصف جاہ ثانی کے عہد میں دہلی سے حیدرآباد آئے وہ ایک اچھے قصیدہ گو تھے۔ آصف جاہ ثانی میر نظام علی خاں کی مدح میں ان کے قصیدے ملتے ہیں۔ آصف جاہ ثانی نے ان کی اتنی قدر افزائی کی کہ انہیں دس ہزار روپے نقد اور دو سو روپے ماہوار منصب عطا کیا۔

ان کے علاوہ اس دور کے دیگر مشہور شعرا کے نام یہ ہیں

میر عبد الولی عزلت۔ علی مردان خاں یکدم۔ گردھاری لال احقر۔ جمال اللہ عشق

---

[1] مرزا علی لطف حیات اور کارنامے صفحہ ۲۲۱

نجم الدین ہنچھی، کاظم علی کاظم۔ محمد تقی ہمدم۔ محمد علی شوق ۔ ہدایت وغیرہ ۔

تلامذہ :

ایمان کے تلامذہ کی تعداد کثیر بتائی جاتی ہے۔ لیکن ان کے مقبول شاگرد جنہوں نے شعر وسخن میں مہارت حاصل کرکے اساتذہ سخن کا درجہ حاصل کیا قیس، چندا اور حفیظ ہیں ۔

پروفیسر سید محمد ایمان کے شاگردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں " شعر و شاعری میں ایمان کے شاگردوں کی فہرست خاصی طویل ہوگی لیکن ان کے ممتاز شاگرد جنہوں نے اپنے کمال فن سے استاد کا نام روشن کیا وہ قیس، حفیظ اور چندا ہیں۔ یہ تینوں صاحب دیوان ہیں قیس ایمان کے بھانجے بھی تھے اور موروثی خدمت وقائع نگاری واخبار گوئی کے علاوہ مہاراجہ چندولال شاداں پیشکار و وزیر اعظم کے درباری شاعر تھے چندا ماہ لقا بائی، اپنی گوناگوں خوبیوں سخن سنجی، داد و دہش و مہمان نوازی وغیرہ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتی تھی " ع۱

جناب اشفاق حسین صاحب نے ایمان کے تلامذہ کا ذکر اسطرح کیا ہے ایمان کے شاگردوں میں قیس، چندا اور حفیظ مشہور ہیں۔ قیس اور چندا کے دیوان کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں۔ دونوں بہت اچھے شاعر اور اپنے ہم عصر شعرا میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ع۲

ذیل میں ایمان کے تین مشہور و معروف شاگردوں کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے ۔

ع۱ ایمان سخن صہ ۴۳ ع۲ مرقع سخن جلد دوم) صہ ۶۱

محمد صدیق قیس م ۱۲۳۰ھ | ایمان کے شاگردوں میں قیس کو سب سے نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ وہ رشتے میں ایمان کے بھانجے بھی ہوتے تھے۔ قیس اپنے دور کے اہم استاد سخن کہلاتے تھے۔ انہوں نے موروثی وقائع نگاری اور اخبار گوئی کا پیشہ اختیار کیا اور شہرت حاصل کی ساتھ ہی ساتھ وہ شعر گوئی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ قیس کوئی اکتسابی شاعر نہیں تھے بلکہ شعر گوئی اور شعر فہمی کی فطری صلاحیتیں انہوں نے ورثے میں پائی تھیں ڈاکٹر زور قیس کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں "قیس کی شاعری کا اتنا غلغلہ تھا اور مہاراجہ چندولال کے دربار میں اس کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ جب تک وہ زندہ رہے شاہ نصیر کا قیام مستقل نہ ہو سکا۔ وہ دو تین مرتبہ آئے اور واپس چلے گئے آخر کار جب ۱۲۳۰ھ میں قیس کا انتقال ہو گیا تو شاہ نصیر کی قدر و منزلت شروع ہوئی اور وہ پھر یہیں کے ہو رہے"[۱]

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اس عہد کے اکثر شعرا نے شاہ نصیر کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ صرف قیس ہی ایک ایسا شاعر تھا جسکا رنگ شاہ نصیر کے درباری رنگ سے متاثر نہ ہو سکا وہ میر۔ درد۔ اور تجلی کے رنگ میں لکھتا تھا"[۲]

قیس نے غزلیں بھی کہی ہیں اور قصیدے بھی۔ ریختی میں بھی انہوں نے اچھے اشعار نکالے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دکنی شاعر ہاشمی کے بعد قیس ہی سب سے اہم ریختی گو قرار پاتے ہیں۔ سادگی و سلاست کے علاوہ قیس کے کلام میں سوز و گداز بھی بدرجہ اتم موجود ہے

ماہ لقا بائی چندا ۱۲۴۰ھ | ایمان کے شاگردوں میں ماہ لقا بائی چندا نے بھی کافی مقبولیت حاصل کی۔ بعض نقادوں نے چندا

۱، ۲ داستان ادب حیدرآباد۔ صفحہ ۱۰۴

کو اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل لطف النسا امتیاز بھی صاحب دیوان شاعرہ گذر چکی ہیں۔ چندا کو فارسی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ شاعری میں اس نے ایہام ہی کا رنگ اختیار کیا۔ ہمیشہ اہل علم و فضل کی صحبت میں رہتی تھی۔ عمائدین سلطنت اور امرا بھی اس کی قدر و منزلت کرتے تھے اس کے اشعار زیادہ تر ذاتی حالات و خیالات کے آئینہ دار ہیں ڈاکٹر زور لکھتے ہیں.

"چندا اردو کی پہلی شاعرہ ہے جس نے ایک مکمل دیوان اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ . . . اپنی وفات سے چودہ سال قبل ۱۲۳۶ھ میں خود اس نے اپنا دیوان مرتب کیا۔" (۱)

چندا کا دیوان ۶۲۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ جملہ ۱۲۵ غزلیں ہیں اور ہر غزل میں پانچ اشعار ہیں۔ اس نے پنجتن کی رعایت سے ہر غزل پانچ شعر کی کہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہر غزل کے مقطعے میں حضرت علی کا ذکر کیا ہے۔

ملک الشعرا شیخ حفیظ حفیظ: پروفیسر سید محمد اور سید اشفاق صاحب نے ایمان کے شاگردوں میں حفیظ کا بھی ذکر کیا ہے۔ حفیظ ایک ایسا بدنصیب شاعر ہے جو اپنے عہد میں ملک الشعرائی کے درجہ تک پہنچنے کے باوجود غیر معروف اور گمنام رہا۔ محمد حسین آزاد نے اپنے تذکروں میں حفیظ کی شاعری کی اہمیت سے واقف ہونے کے باوجود اپنے تذکرہ میں میاں شہیدی کے حوالے سے صرف یہ کہہ کر اکتفا کیا ہے کہ "ایک جلسہ میں میاں شہیدی نے کہا کہ آج ہندوستان میں تین شیخ ہیں لکھنو میں ناسخ دلی میں ذوق اور دکن میں حفیظ۔" (آب حیات) خم خانہ جاوید جیسے مربوط تذکرہ میں بھی حفیظ کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ "گلزار آصفیہ" اور "تذکرہ شعرائے دکن" میں حفیظ کو جگہ دی گئی ہے

داستان ادب حیدرآباد ص ۱۰۵

عبدالجبار خاں صوفی اپنے تذکرہ میں حفیظ کے تعلق سے لکھتے ہیں " عالم شباب میں طالب علم ہوئے۔ علما و فضلا کی صحبت میں ضروری قابلیت حاصل کی۔ فنِ شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ طبیعت شعلہ جوالہ تھی۔ طبع والا اور فکر رسا سے شعر موزوں کرنے لگے، کلام شیریں اور رنگین ہونے لگا۔ معاصرین دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ آپ استادی کے درجہ پر پہنچے۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ دونوں زبانوں میں آپ کا کلام سنجیدہ اور بامحاورہ ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ حیدرآباد میں ملک الشعرائی کے درجہ تک پہنچے ۔ ۔ ۔ ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۰ء میں وفات پائی حیدرآباد میں مدفون ہوئے"۔ (تذکرہ شعرائے دکن)

حفیظ کی شاعری کے چار قلمی دواوین حیدرآباد میں موجود ہیں، دو کتب خانہ سالار جنگ کی زینت ہیں اور دو اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری میں محفوظ ہیں۔

ایماؔن کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

ایمان ایک قادرالکلام اور پرگو شاعر ہے۔ اس نے کم وبیش تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف شاعری میں اپنی جدتِ طبع اور انفرادیت کا لوہا منوایا ہے۔ موجودہ معلومات کی روشنی میں وہ ایک کامیاب غزل گو، بلند پایہ قصیدہ نگار بے مثال رباعی گو اور لاجواب مثنوی نگار کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔

ایمان کی شاعری پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کی تنقید کے بارے میں ان کے اصول ونظریات کا بھی سرسری جائزہ لیا جائے کیوں کہ ایمان اچھے شعر کے تعلق سے خود اپنا نظریہ رکھتے ہیں۔ وجہی نے "قطب مشتری" میں تعریف سخن کے عنوان سے لکھا ہے کہ "بہتر کلام وہ ہے جس میں سادگی، سلاست اور ربط پایا جائے۔ لفظ و معنی کے باہمی رشتے سے شعر میں جان پڑجاتی ہے اسی لئے الفاظ منتخب اور معنی بلند ہونے چاہئیں"۔ ایماؔن نے بھی اپنے کلام میں اچھے شعر کی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے ایمان سب سے پہلے زبان کی صحت کے تعلق سے سند چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شاعر کو علم عروض سے اچھی واقفیت ہونا ضروری ہے تاکہ بحر کے وزن اور ردیف وقافیہ میں کہیں سقم نہ رہ جائے۔ وہ ضلع جگت کے بھی قائل ہیں اور معنی ومضمون پر بھی اہمیت دیتے ہیں ؎

شعور چاہیے شاعر کو اس قدر تو ضرور ۔۔۔ کہ اپنے شعر کی عالم میں برتری جانے
زبان اردو کی پہلے سند کرے بہتر ۔۔۔ عروض و وزن کی اس پر برابری جانے
بدیہہ معنی و مضموں کی لا دے گوہر تر ۔۔۔ ہر ایک بحر میں ایسی شناوری جانے
رکھے نظر میں جہاں تک کہ ضلع گوئی ہے ۔۔۔ پھر اس کے ساتھ جگت کی بھی رہبری جانے
غزل، قصیدہ، رباعی، مخمس و واسوخت ۔۔۔ ہر ایک طرز میں انداز پروری جانے
عزیز رکھتا ہے ایماں شعر رنگیں کو ۔۔۔ کہ جیسے قدر جواہر کی جوہری جانے

سخن سنجی اور سخن فہمی کے تعلق سے اور بھی مفید اور کارآمد باتیں، جو ان کے نظریہ شعر پر روشنی ڈالتی ہیں، ان کی غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار اور دیگر منظومات میں بھی ملتی ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

پسند اپنی وہی ایماں ہوتی ہے غزل جس میں ۔۔۔ صفا الفاظ کی ہو یک قلم مضمون دلچسپ ہو

ہووے زمین شعر کی کیسی ہی سخت تر ۔۔۔ اور اس کے آب و گل میں بھی تخمیر سنگ ہے
ایماں اپنے خامۂ قدرت کے روبرو ۔۔۔ الماس کا بھی قابل تحریر سنگ ہے

شعر ہوتا ہے کب ایماں کسو کا دلچسپ ۔۔۔ جب تلک معنی شیریں سے نہ ہو تحریری جاں

ایماں فکر شعر میں رکھتے ہیں اتفاق ۔۔۔ دل سے قلم، قلم سے رقم اور رقم سے ہم

ایک مثلث بھی دیکھیے ؎

جو سخن کہ ہو شتاباں، بہتر از دُر و مرجاں ۔۔۔ طرز یہ نہیں آساں طبع ہے کہ ہے نیساں
شعر کا ترے ایماں لفظ ہے ہر اک گوہر

ایمان شمالی ہند کے اپنے ہم عصر شعرا میر، سودا اور درد کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہیں۔ ان کی ہمسری کا خیال کرنا بھی کج روی پر محمول کرتے ہیں

ردیف و قافیہ پیمائی پر خفیف العقل ؛ نہ یہ کہ درد سے سودا سے ہمسری چاہنے

یہ کجروی ہے فقط اس کی جس طرح کلاغ ؛ چمن میں آپ کو بابِ سخنوری جانے

ایمان نے دو ایک مقامات پر میر تقی میر، سودا اور دوسرے شاعروں کے اشعار پر تضمین بھی کی ہے۔ میر اور سودا کے اشعار کی تضمیں ملاحظہ کیجئے۔

ان کا ہی عشق ہے مجھے بے وشعور سے ؛ جو خوب رو ہو دیکھ ہی لیتا ہوں دور سے

رکھتا نہیں ہوں کام پری سے نہ حور سے ؛ کہتا نہیں یہ بات میں ہرگز غرور سے

مجھ کو دماغ وصفِ گل و یاسمن نہیں

میں جوں نسیم بادہ فروشِ چمن نہیں ؛ میر

ابرو کمان دل تیرے قربان کب نہ جائے ؛ تیر نگاہ جبکہ تو یوں بے دھڑک چلائے

ہووے حرم کا بھی جو کبوتر نہ باز آئے ؛ پرواز کیونکر طائرِ عرش بھی کرنے پائے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں ؛ سودا

مزید چند اشعار دیکھئے جن میں دبی زبان میں شاعرانہ تعلی کی گئی ہے۔ ان اشعار میں ایمان بچشمِ انصاف اپنے کلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں۔

دیکھو ایمان کے اشعار بچشمِ انصاف ؛ اے فصیحانِ عرب اہلِ عجم بھی کچھ ہیں

بلکہ مضمون و معانی ہیں نظر میں اپنے
بہ زر نقد ہمیں گنج نہاں سے لا دیں

غور کر صحبت ترکیب کو ہر مصرعے میں
سقم رکھتی ہی نہیں اپنے تو اشعار کی بنیاد

سیکھ ہم سے تو ایمان مضامین کی تراش
باندھنا کچھ نہیں اشکال زباں آنکھوں میں

بسکہ ایمان کی ہے شعلہ بیانی روشن
گرمیٔ شعر سے سب اہل ہنر جلتے ہیں

غزل گوئی

اردو غزل - ایک سرسری جائزہ غزل اردو شاعری کی سب سے زیادہ مقبول صنف سخن ہے۔ جتنی شہرت اور ہر دل عزیزی غزل کی صنف کو نصیب ہوئی اتنی مقبولیت کسی اور صنف سخن کے حصہ میں نہیں آئی۔

غزل عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی محبوب سے عشق و محبت یا فراق و وصال کی باتیں کرنے کے ہیں۔ لیکن اس کے معنی و مفہوم میں اتنی گہرائی اور وسعت پیدا ہوگئی ہے کہ فلسفیانہ، حکیمانہ، اخلاقی، سیاسی، سماجی، تاریخی، ثقافتی ہر قسم کے مضامین بھی ہمیشہ سے غزل میں جگہ پاتے رہے ہیں۔ غزل کے تمام اشعار میں ایک ہی بحر اور ایک ہی قافیہ اور ردیف کی پابندی کی جاتی ہے۔ بعض غزلیں غیر مردف بھی ہوتی ہیں۔ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ ایک مکمل نظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک شعر کا دوسرے سے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ غزل کی مقبولیت کا راز دراصل اس کی ایمائیت اور اشاریت میں مضمر ہے۔ غزل میں اشاروں اور کنایوں میں وہ سب باتیں بیان کر دی جاتی ہیں۔ جنکی توضیح و

تشریح چند سطروں میں ممکن نہیں۔

عربی شاعری میں غزل، قصیدہ کی تشبیب کی صورت میں ابتدا ہی سے موجود تھی۔ فارسی کے شاعروں نے قصیدہ کی تشبیب کو الگ کر کے غزل کی صنف ایجاد کی۔ اردو کے شاعروں نے فارسی اصناف سخن کی تقلید میں غزل کو اپنایا۔

غزل کی جڑیں اردو ادب میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس صنف سخن کے ابتدائی نمونے، اردو ادب کے قدیم دور (دکنی دور) ہی سے ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ دبستان گولکنڈہ اور بیجاپور کے چند اہم اور صاحب دیوان غزل گو شاعروں میں محمد قلی قطب شاہ، غواصی، ہاشمی، حسن شوقی، نصرتی، شاہی کے نام قابل ذکر ہیں۔ قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کے زوال کے بعد شعر و ادب کی سرگرمیاں، گولکنڈہ اور بیجاپور سے اورنگ آباد منتقل ہو جاتی ہیں اور اس سرزمین نے ولی اور سراج جیسے بلند پایہ غزل گو شاعر اردو کو دیے۔

ولی کا دیوان جب شمالی ہند پہنچا ہے تو اس کی تقلید میں شمالی ہند کے شاعروں نے پہلی بار اردو میں طبع آزمائی کرنے کی کوشش کی۔ شمالی ہند کے ابتدائی شاعروں میں ایسے شاعر نظر آتے ہیں جنھوں نے تفریح طبع کے طور پر کچھ اشعار اردو میں کہے ہیں۔ اس کے بعد کی نسل میں ایسے شعرا ملتے ہیں جنھوں نے اردو میں اپنے دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔ شاعروں کی اس صف میں فائز، حاتم اور مظہر کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔

اردو زبان و ادب کی تاریخ میں جان جاناں مظہر کو اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے کہ انھوں نے ۱۷ ویں صدی عیسوی کے ربع اول میں جب کہ دلی کے شعرا دکنی زبان اور دکنی شاعروں کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اس رجحان کے خلاف ایک مہم چلائی۔ مظہر کا ادعا یہ تھا کہ دلی کے شاعروں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دکنی زبان، دکنی روزمرہ اور دکنی محاورہ کی پابندی کریں بلکہ انہیں تو دلی کی بول چال،

ی زبان میں شعر کہنا چاہیئے۔ ابتدا میں دہلی کے شاعروں نے مظہر کی اس تحریک کی
مخالفت کی لیکن آہستہ آہستہ مظہر کی تحریک دلی والوں کے دل میں گھر کرتی گئی۔ بالآخر دکنی
کے خلاف مظہر کی بغاوت کامیاب ہوگی اور ہندوستانی اصل کے ایسے بیسیوں الفاظ
متروک کر دیئے گئے جن کا تلفظ طبیعت پر گراں گزرتا تھا۔ ان الفاظ کی جگہ مظہر نے فارسی
الفاظ اور فارسی ترکیبوں کو رائج کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

حاتم اور مظہر کے بعد میر سودا اور درد نے عروس غزل کو سنوارنے کی کوشش
کی۔ میر اور سودا کا دور دراصل اردو غزل کا سنہری دور ہے اس دور میں صنف غزل
نے آسمان کی بلندیوں کو چھولیا، میر سودا اور درد کی بدولت غزل کا پلہ گراں ہوگیا۔
ورنہ اردو شاعری کے دکنی دور میں مثنوی کی صنف نے اس قدر مقبولیت حاصل کرلی تھی
کہ غزل اس کے مقابلے میں ثانوی حیثیت کی حامل تھی۔

ایمان، میر، سودا اور درد کے ہم عصر دکنی شاعر ہیں لیکن ان کے کلام میں
دکنی شاعری کی روایات اور رجحانات سے زیادہ شمالی ہند کی شاعری کے اثرات
نمایاں ہیں۔ انہوں نے وہی زبان استعمال کی ہے جو دہلوی شعرا اپنے کلام میں
استعمال کرتے تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

> "شیر محمد خاں ایمان پہلے دکنی شاعر ہیں جو نہ صرف استادِ وقت
> ہیں بلکہ دہلی کی زبان بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی شاعری میں استعمال
> کرتے ہیں ایمان کی زبان کا مقابلہ محمد باقر آگاہ (م ۱۸۰۵ء) کی
> زبان سے کیا جائے تو باقر آگاہ کی دکنی اردو شمال کی زبان کے
> اثر سے بدل ضرور گئی ہے لیکن اس کا لب ولہجہ، ذخیرہ الفاظ اور
> روزمرہ ومحاورہ پر دکنی کی چھاپ اب بھی نمایاں ہے لیکن ایمان
> کی زبان پر کوئی دکنی اثر محسوس نہیں ہوتا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے۔

کہ دہلی کا کوئی قادر الکلام شاعر فصاحت کے دریا بہا رہا ہے۔[1]"

ایمان نے اگرچہ کہ تمام اصنافِ سخن کو اپنی طبع کا موضوع بنایا ہے لیکن طبعاً وہ ایک غزل گو شاعر ہیں۔ ان کے ضخیم کلیات میں غزلوں کے علاوہ قصائد، مثنویاں، رباعیاں، سدسات، مخمسات، قطعات، تاریخی سبھی اصناف سخن موجود ہیں لیکن تعداد اور تنوع کے اعتبار سے غزل کا پلہ بھاری ہے۔ وہ ایک طرف اپنے وقت کے استاد سخن تھے، ان کے شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا تو دوسری طرف نواب اعظم الامرا ارسطو جاہ کے مصاحبِ خاص تھے اور وقائع نگاری اور اخبار گوئی کے افسرِ اعلیٰ کی خدمت پر مامور تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے گیسوئے غزل کو سنوارنے کے لئے وقت نکالا اور اس میدان میں ایسے ایسے گل کھلائے ہیں کہ اپنی قادر الکلامی اور استادی کا لوہا منوالیا۔

ایمان کے سامنے دبستان گولکنڈہ اور دبستان بیجاپور کی شاعری کے نمونے موجود تھے اور اورنگ آباد کے سخنوروں کے کلام سے بھی انہوں نے استفادہ کیا ہوگا اسی لئے ان کی شاعری میں اتنی پختگی اور صفائی نظر آتی ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے شمالی ہند کے شاعروں سے بھی بےحد اثر قبول کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں دکن کے کلاسیکی شاعروں کی خصوصیات و رجحانات کے برعکس دہلی کی شاعری کی روایات سے اثر پذیری صاف جھلکتی ہے۔ ایمان کی غزلوں کو میر اور سودا کے دور یا کسی بھی شمالی ہند کے شاعر کے کلام کے ساتھ رکھا جائے تو شمالی ہند اور دکن کے کلام میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔ چند شعر دیکھئے

شام سے لے صبح تک کس کیلئے روتی ہے صبح
نور اپنی چشم کا ہر بزم میں کھوتی ہے صبح

شعلہ رو ہے عشق تر اکس بلا کا دلنشیں
داغ کو اپنے جگر کے اب تلک دھوتی ہے صبح

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ تاریخ ادب اردو (جلد دوم) حصہ دوم ص ۹۰۷

غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، خرام سے — میں ایک جان اپنی بچاؤں کہاں تلک

دل کی ایمان کے صیاد خبر لے جلدی — کیا بری طرح تڑپتا ہے یہ نخچیر کر بس

ایمان کی غزل اپنے دور کی روایتی شاعری کا نمونہ ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر
استادانہ فنکاری اور شگفتگی و تازگی کے اوصاف رکھتی ہے۔ خصوصاً زبان و بیان کی
[صفا]ئی و شستگی کے اعتبار سے ایمان کا کلام اپنے دور کی شاعری کا معیاری نمونہ ہے
[زبان و]بیان کسی بھی شاعر کے کلام کا بنیادی وصف ہوتا ہے۔ اس کے لیے شاعر کو چند
[اصول]وں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اول تو یہ کہ اسے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو۔
[الف]اظ کی بندش کی ہنرمندی اور معنویت کی تہ داری پر نظر رکھی جائے اور زورِ کلام
[مضم]ون کی نزاکت سے بے ساختگی اور برجستگی کے ساتھ دست و گریباں ہو۔ کلام
[می]ں تکلف اور آورد کی جگہ آمد کی شان پائی جائے۔ ان امور کے پیش نظر ایمان کی
[غز]ل گوئی کا جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کے ایک قادر الکلام اور بلند
[مر]تبہ استادِ سخن تھے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

وہم فرشتے کا نہ پہنچے جہاں — پہنچا ہے وہاں حضرتِ انسان جا
کدھر گیا ہے دیار اثر خدا جانے — بھٹکتی آج تلک میری آہ پھرتی ہے

ایمان نے میر اور سودا کی طرح کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے تکرار لفظی سے
[بھی] کام لیا ہے ؎

[م]جلس میں تیری کاوشِ مژگاں کے ہاتھ سے — غنچہ نمط ہر ایک جگر لختِ لخت تھا
[ن]سیم ہاتھ سے کس گلبدن کے ہے تاراج — کہ شہر شہر سدا دادخواہ پھرتی ہے
[ک]بھو حرم میں کبھو دیر میں مجھے پیارے — کہاں کہاں نہ لیے تیری چاہ پھرتی ہے

ایمان کی غزلوں میں سادگی و روانی اور سہل بیانی کی بھی متعدد مثالیں

موجود ہیں۔ فارسی ترکیبوں اور اضافتوں سے احتراز کے باوجود اشعار میں حسن بیان تاثر اور روانی پائی جاتی ہے۔

نہیں جگنو چمکتے ہیں یہ سارے — پڑے افلاک سے ہیں ٹوٹ تارے

تیرے گھر میں جز غم و رنج و بلا! — اور کچھ اے عشق سرمایہ بھی ہے

اپنے نزدیک وہی صاحب معنی ہیں گے — بات بیہودہ جو باہر نہ زباں سے لاویں

حسن و عشق ایمان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ دیگر غزلگو شاعروں کی طرح ایمان کے کلام میں معشوق کے حسن کی تعریف میں متعدد اشعار ملتے ہیں۔ محبوب کے ناز و غمزہ، قد و قامت، رفتار و گفتار اور خط و خال کی تعریف میں ایمان کے چند شعر دیکھئے۔ کہیں وہ صرف محبوب کی تل سے غش کھا جاتے ہیں اور کہیں اس کی ابروئے خم دار کی کاٹ سے گھائل۔ محبوب کی چشم کو نرگس قد و زلف کو شمشاد اور سرو غبغب و عارض کو سنبل و لالہ سمجھتے ہیں اور کہیں محبوب کو "سر سے پاؤں تلک چمن ہے تو" کہتے ہیں سے

تعریف دل ربا کے سراپا کی کیا کریں — ایمان ہم کو ایک ہی لب تل نے غش کیا

رکھتا ہے یار ابروئے خم دار کا گھمنڈ — ہووے سپاہی زادہ کو تلوار کا گھمنڈ

چشم و قد و زلف و غبغب عارض و ابرو اس کے

نرگس و شمشاد و سنبل و لالہ و گرداب و شمع

کیوں نہ طاؤس ہو تیرے قرباں — سر سے لے پاؤں تک چمن ہے تو

مرزا غالب نے محبوب کے انداز نقش پا کی دلفریبی کو موج خرام یار کی گل افشانی کہا تھا ایمان نے محبوب کی "رفتار" کو "موج گہر" کے مماثل قرار دے کر ایک سماں باندھ دیا ہے۔ اس شعر میں "موج گہر"، "حبذا" اور "رفتار دریا" جیسے الفاظ کے استعمال

سے شعر میں ایک کیفیت اور اچھوتے پن کا احساس نمایاں ہے

وہ رے رفتار جیوں موج گہر | دیکھ کر حیرت سے دریا تھم گئے

غالب کا ایک شعر ہے ؎

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر | کچھ تو پیغام زبانی اور ہے

غالب سے بہت پہلے کچھ ایسے ہی مضمون کو ایمان نے اس طرح باندھا ہے۔

قاصد آیا اور خط لایا بھی ہے | کچھ زبانی بلکہ فرمایا بھی ہے

ایمان کی ایک اور غزل کے چند اشعار دیکھئے جن کے مطالعہ سے حسرت موہانی کی اس مشہور غزل کا تصور ابھرتا ہے جس کا مطلع ہے ؎

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے | ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

ایمان کا معشوق حسرت کی محبوبہ کی طرح شرمیلا ہے اور نہ " دانتوں میں انگلی دبانا ہے" اور نہ دوپہر کی دھوپ میں اپنے عاشق سے ملنے کے لیے کوٹھے کی چھت پر ننگے پاؤں جاتا ہے بلکہ وہ تو "لپٹ لپٹ کے ساتھ" سونا بھی پسند کرتا ہے اور " بے حجابیاں اور مدارت" اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ وہ جام و مینا کی موجودگی میں اپنے چاہنے والے کے ساتھ "برسات کی رات" میں " بنگلے" سے "باغ" کا نظارہ کر رہا ہے۔ غرض ایمان " وصل کی راتوں کی شعر خوانی اور حکایات" آج تک بھولے نہیں ہیں۔

کوئی بھی ان دنوں کی تجھے بات یاد ہے | سونا لپٹ لپٹ کے مرے ساتھ یاد ہے
بھولا نہیں ہوں آج تلک ایک دم کبھو | اول کی مجھ کو تیری ملاقات یاد ہے
پلٹیں تو لطف خاص ہے ہیں تو کیا کہوں | وہ بے حجابیاں و مدارات یاد ہے
مینا ہے اور جام ہے اور میں ہوں اور تو | وہ باغ اور وہ بنگلہ وہ برسات یاد ہے
ایمان مجھ کو وصل کی راتوں کی آج تک | وہ شعر خوانی اور وہ حکایات یاد ہے

محبوب کی بے رخی، بے اعتنائی بے التفاتی اور اس کے جور و ستم (حسن کا خود

محبوب کو بھی احساس ہے) کے باوجود ایماؔن اُسی کا دم بھرتے ہیں، اسی پر مرتے ہیں اور اسی سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ محبوب کی اس بدگمانی کی نفی بھی کرتے ہیں کہ وہ کسی اور سے دل نہیں لگا رہے ہیں۔

میں اور کسی سے لگاؤں دل ٭ صرف تیرا ایماں گمان ہے یہ

گو کہ چاہیں نہ بتاں، ہم انہیں چاہیں لیکن ٭ وہ سرا ہیں نہ ہمیں، ہم تو سراہیں لیکن

ایمان کو اپنے محبوب کا جور و ستم، اس کی رنجی اور بے اعتنائی سب کچھ گوارا ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک محبوب معصوم ہے۔ نوخیزی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ ابھی ادائے دلبری کے طور طریقوں سے ناواقف ہے۔

آگاہ دلبری سے نہیں ہے صنم ہنوز ٭ نہ طرز لطف جانے ہے نہ رسم ستم ہنوز

شیخ و ناصح پر طنز کرنا ان کا مضحکہ اڑانا اردو شاعری کا ایک روایتی موضوع ہے۔ اس کا سبب بڑی حد تک یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیخ اور ناصح کے قول و فعل میں بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کی نجی زندگی مکر و فریب اور ریاکاری سے پُر نظر آتی ہے اس کے برعکس ایک رند مشرب مے پرست انسان کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ ایمان بھی روایتی انداز میں شیخ و ناصح پر طنز کرنے سے نہیں چوکتے اور کہیں کہیں دبی زبان میں ان کی پھبتی بھی اڑاتے ہیں۔

شیخ کعبہ کے در و دیوار میں کیا خاک ہے ٭ خانہ دل سے ہے اپنے الفال کوے یار

شیخ زلف بتاں کا جو ہے تم کو سودا ٭ کہیے کچھ داغ جبیں دام و درم بھی کچھ ہے

ایمان کی غزل صرف عشق و محبت اور فراق و وصال کی کیفیات کا پتا ہی نہیں دیتی ہے بلکہ اس میں معاشرہ کی اصلاح اور حقائق حیات کی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ ایمان کی شاعری صرف جذبہ و احساس کا اظہار ہی نہیں ہے بلکہ اس میں غور و فکر

کے عناصر کی کارفرمائی بھی موجود ہے۔ اگرچہ کہ ایمان کی غزل میں معنویت کی تہہ داری اور فکر کی گہرائی کے عناصر قال قال ہیں۔ لیکن ان کے منتخب اشعار دل و دماغ دونوں کو اپنی حرارت سے متاثر کرتے ہیں۔ ایمان نے زندگی اور اس سے متعلق بے شمار متنوع موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

زندگی تشکل خواب سی ہے — موج گویا سراب کی سی ہے
ناوک آہ سے ایمان کے ڈر اے ظالم — یہی کرتا ہے دل شمس و قمر میں سوراخ
ترک کر صحبت جوانوں کی کہے ہے پیر عقل — ہے سیہ کاری عبث جس دم ہو گئے گیسو سفید
گھر سے جانے کا میرے عزم نہ کر آخر شب — کہ مسافر کو ہے چلنے میں خطر آخر شب
آشیاں خس و خاشاک نہ باندھ اے بلبل — آتش گل ہی سے اس باغ میں گھر جلتے ہیں
دنیا کے نہ مال و زر سے ہو تو مانوس — شمع کافور یا بلور میں فانوس
قارون کی طرح سوائے گنج حسرت — کچھ اپنے نہ ساتھ لے گیا دقیانوس
نہ چاہ دولت دنیا کہ یہ ہے وہ گرداب — ہزار ڈوب گئے ہیں تو بیچ کے دھن نکلے
تنگنائے عرصہ دنیا میں ایسی چال چل — جو نہ ہووے پاؤں کے نیچے کوئی مسمار مور

پرگوئی اور قادرالکلامی کی بدولت ایمان کی غزلوں میں پختگی، صناعی اور فکر و نظر کی ہنرمندی جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ صنف غزل میں اپنی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہوئے ایمان کے یہاں اس بات کا بطور خاص اہتمام نظر آتا ہے کہ اہل محفل یا سامعین ان کی استادانہ فن کاری اور پرگوئی کے قائل ہو جائیں۔ فن کی یہ پختگی اور قادرالکلامی کا مظاہرہ ایمان نے مشکل سے مشکل زمین میں رواں دواں اشعار نکال کر بھی کیا ہے۔ ان کے دیوان میں بیسیوں غزلیں سنگلاخ زمینوں میں موجود ہیں۔ انھوں نے مشکل قافیوں میں بھی شعر کہے ہیں اور طویل قافیوں میں بھی اور ساتھ ہی ساتھ غیر مردف غزلیں بھی ان کے دیوان میں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ بقول ڈاکٹر

جمیل جالبی "ایمان کی شاعری کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ مشکل زمینوں کے کاغذی پھول کرتے ہیں اور لفظوں کے ربط سے وہاں معنی پیدا کرتے ہیں جہاں معنی کا رس نکالنا محال نظر آتا ہے۔ یہی وہ رنگ سخن ہے جو مشکل زمینوں کی شکل میں، حسرت، جرأت اور انشا کے ہاں لکھنؤ میں اور شاہ نصیر کے ہاں دہلی میں مقبول ہوا اور شیخ ناسخ کی شاعری میں نئے مضامین پیدا کرتے کا نیا رجحان بن کر اس دور کی نئی شاعری کا پسندیدہ رنگ بن گیا"۔[1] دیوان ایمان سے چند مطلعے پیش کئے جاتے ہیں، جس سے ایمان کی دقت پسندی اور مشکل زمینوں میں ان کے توسن تخیل کی برق رفتاری کا اندازہ ہوگا۔

عارض و روئے ذقن ہے لالہ و گرداب شمع ؛ ناف و ساق و حلقۂ پا ہالہ و گرداب شمع

بہ چہرہ خور سے اٹھے ہے جو نقاب شام صبح
دور ہووے یوں پری کا بھی حجاب شام صبح

ازبسکہ ہے نظارہ گل پیرہن میں شاخ
کیا پھول پھول جھوم رہی ہاں چمن میں شاخ

کیونکہ ہووے کہکشاں گلشن میں ہم رنگ روش
ہو سکے قوس قزح بھی جب نہ پاسنگ روش

آہ ہر چند کہ ہے پردہ فانوس میں شمع
جلتی ہے شوخی سے پروانے کے افسوس میں شمع

میں غنچہ لب سے نہ لوں کیوں کہ باغ میں بوسہ
کہ بوگلاب کی دیوے دماغ میں بوسہ

کافر بتوں کا دل نہیں ہے پیر سنگ ہے
کیا چل سکے ہے آہ کی تدبیر سنگ ہے

نظر کو ماہ رو کے چہرۂ گلنار کی ڈوری
ہوی ہے خاک جل کر شمع آتشبار کی ڈوری

سخی جب پنجۂ بدل دعا کو باندھ کر کھولے
برنگ غنچہ اک گنج طلا کو باندھ کر کھولے

وہ بدلے رشتۂ جاں سے کہاں پوشاک کے ڈورے
کہاں موج گہر جس کی قبائے پاک کے ڈورے

اس طرح بیتاب تیرا اے صنم بیٹھے اٹھے
موج بحر دریا جس طرح سے دمبدم بیٹھے اٹھے

خط میں ہے صفحۂ جاناں سبزی میں نہاں سرخی
مانند حنا ہے یہاں سبزی میں نہاں سرخی

---

[1] تاریخ ادب اردو (جلد دوم) حصہ دوم صفحہ ۹۰۳

وہ توڑے سرو گل رخ گر پر بلبل دل قمری
تو ہوں جوں برگ خشک ابتر پر بلبل دل قمری

دل ہمارا خانۂ دلبر بنے اور ٹوٹ جائے
جس طرح گل باغ میں ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

زبس دیوانہ ہے تجھ عشق کی تاثیر سے پانی
بندھا پھرتا ہے اب تک موج کی زنجیر سے پانی

نہیں جز خاک رہی آب و تاب چشم آئینہ
برنگ سرمہ خاکستر ہے باب چشم آئینہ

نہ تنگ دل ہے عبث صحن باغ میں غنچہ
کہ ہے کسی کے دہن کے سراغ میں غنچہ

تھا ہمیں وہم کہ یاں دیر و حرم بھی کچھ ہیں
بارے یہ سوچ پڑی آج کہ ہم بھی کچھ ہیں

کیوں نہ ایسا ہو وہ اب شوخ گلوگیر کہ بس
رات کچھ مجھ سے ہوئی ایسی ہی تقصیر کہ بس

پھرتا تھا سلیمان اگر شاد ہوا پر
سر کھینچے ہے میرا ہی وہ شمشاد ہوا پر

سمجھے ہیں کب مناویں اسے کر ہزار چار
مجھ سے ہی جب تلک کہ نہ ہوویں نثار چار

یار کے ابرو کی اے دل کیوں نہ ہو تصویر کج
جوہر برش ہے روشن میں جو بنی تصویر کج

یوں سراپا رہوں یارب قدِ جاناں سے لپٹ
عشق پیچاں رہے جوں سرو گلستاں سے لپٹ

کس کس طرز سے چلتی ہے باد بہار مست
زاہد بھی دیکھ ہو گیا جوں بادہ خوار مست

سمجھ نہ جعد کو زنہار تو زمیں کا سانپ !
یہ اپنی فہم میں ہے جنت بریں کا سانپ

تجھ سے صنم دل کی عبث رکھتے ہیں عشاق طلب
ہم تو خدا کی قسم ہیں فقط اشفاق طلب

جو لخت جگر دیدہ تر میں نہیں بھرتا
عاشق وہ کبھو اپنی نظر میں نہیں بھرتا

نشہ ہو اور رات ہو اور بام و مہتاب و ہوا
اس جگہ تو ہو بغل میں تنگ اور خواب ہوا

رکھتا ہے کس ادا سے وہ عالی دماغ پا
رنگ حنا سے ہوتا ہے جب رشک باغ پا

کیوں نہ ہر سرکش ہو اب پامال سر جنگ حنا
اس ستم خوباں کے ہاتھ آیا ہے اورنگ حنا

ایمان نے مشکل زمینوں اور طویل بحروں کے علاوہ چھوٹی بحروں میں بھی بڑے خوبصورت اور موثر اشعار کہے ہیں۔ چھوٹی بحروں میں ایمان کے بعض اشعار سہل الممتنع کی تعریف میں آتے ہیں۔ چھوٹی اور رواں بحروں میں میر کے نشتر کافی شہرت رکھتے ہیں۔

چھوٹی بحروں میں ایمان کی جدت طرازی اور فن کاری ملاحظہ کیجئے۔

واہ رے رفتار جوں موج گہر ۔۔۔ دیکھ کر حیرت سے دریا تھم گئے

دل جو ہوتا تھا شگفتہ باغ میں ۔۔۔ وہ خدا جانے کدھر موسم گئے

مجھ سے یہ خوش چشم شہر حسن کے ۔۔۔ جوں غزال دشت آخر رم گئے

روتے روتے نہ فقط دیدۂ تر بیٹھ گئے ۔۔۔ یہ جھڑی وہ ہے کہ جس سے کئی گھر بیٹھ گئے

کبھو حرم میں کبھو دیر میں مجھے پیارے ۔۔۔ کہاں کہاں نہ لیے تیری چاہ پھرتی ہے

کدھر گیا ہے دبار اثر خدا جانے ۔۔۔ بھٹکتی آج فلک میری آہ پھرتی ہے

رگ جاں پر ہے کون ناخن زن ۔۔۔ کچھ صدا یاں رباب کی سی ہے

آخر الذکر شعر میر کی مشہور غزل

ہستی اپنی حباب کی سی ہے ۔۔۔ یہ نمائش سراب کی سی ہے

کی زمین میں ہے۔ اس غزل کے مزید چند اشعار دیکھئے۔

زندگی شکل خواب کی سی ہے ۔۔۔ موج گویا سراب کی سی ہے

کون دل سوختہ ہے گرم تپش ۔۔۔ بو یہاں کچھ کباب کی سی ہے

کہہ صبا وہ کھلی ہے زلف کہاں ۔۔۔ تجھ میں بو مشک ناب کی سی ہے

کچھ نہ کچھ رات شغل میں گذری ۔۔۔ آج صورت حجاب کی سی ہے

ایمان کے کلام میں تشبیہات و استعارات اور تلمیحات کا بھی کثرت سے استعمال ہوا
دیوان کے آغاز میں دیگر شاعروں کی طرح ایمان نے بھی حمد اور نعت کہی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ
غزلوں کے بعض اشعار میں بھی انہوں نے حمدیہ اور نعتیہ شعر کہے ہیں۔ بعض اشعار میں ایمان نے قرآن حکیم کی
آیتوں کے اجزا اور احادیث کے حوالے تلمیح کے طور پر بڑی خوب صورتی سے استعمال کئے ہیں چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

آیتہ نصر من اللہ سورہ فتح مبین ۔۔۔ واسطے تابند کے تیرے ہمیشہ ہے عیاں

فرمایا النور واحد اس صاحب اسرار نے ۔۔۔ حکم الٰہی کہا اس دین کے سردار نے

یہ تو ثابت ہے حدیث نبوی سے اے زاہد ۔۔۔ گرچہ بدکار ہیں پر اہل کرم بھی کچھ ہیں

دکنی شاعری میں محبوب کی جنس کو مبہم رکھا گیا ہے اور نہ اس کے لیے صیغۂ تذکیر استعمال ہوا ہے بلکہ برملا انداز میں اس کا مونث ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ البتہ شمالی ہند کے شاعروں نے معشوق کے لیے یا تو صیغۂ تذکیر استعمال کیا ہے یا پھر اس کی جنس کو مبہم رکھا ہے۔ ایمان نے بھی شمالی ہند کے شاعروں کی تقلید میں محبوب کے لیے تذکیر کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان کا محبوب امرد ہے اور وہ اسے "میاں" کہہ کر پکارتے ہیں۔ ؎

میں ہوں میاں دل سے ترا جان نثار — آج سے اس بات کو پہچان جا
میں اور کس سے لگاؤں دل! — صرف تیرا میاں گمان ہے یہ

ایک غزل میں ایمان نے "میاں" کے لفظ کو ردیف میں بھی استعمال کیا ہے۔ مطلع ملاحظہ کیجیے ؎

جب آنکھیں ہو گئیں چار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
تفصیل نہیں درکار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

بعض مقطعوں میں ایمان نے اپنے تخلص کو ذو معنی میں استعمال کیا ہے تخلص سے کھیلنے کی یہ کوشش ہمیں کہیں نظر آتی ہے تو وہ مومن کے پاس۔ اس قبیل چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

جب سے وہ غارت گر ایمان آیا بزم میں
گل رخوں کے ہو گئے ہیں رنگ ہر اک سفید

جہاں کے بیچ ہے ایمان کی قسم یہ رسم
کہ دوست دار لکھے دوست دار کو کاغذ

بہ تصدیق دل و جاں غیب پر ایمان لایا ہوں — تو ہی معبود ہے میرا میں بندہ بے درم تیرا

عاشقی ہر بوالہوس کی بس کی بات نہیں بقول غالب

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

ایماںؔ کہتے ہیں۔

سوزِ عشق کر اے بوالہوس آساں نہ سمجھ
یہ وہ آتش ہے سمندر کے بھی پر جلتے ہیں

عشق کا کوئی حسب نسب نہیں ہوتا اس میں شخصیت کی نہیں جذبہ کی قدر ہوتی ہے سودا کہتے ہیں۔

کہتے ہیں جسے عشق سو وہ چیز ہے سودا
جوں ذاتِ خدا جس کا حسب ہے نہ نسب ہے

ایماں کہتے ہیں

ہمیں تو عشق ہے واللہ ذاتِ حسن سے ناصح
نہیں پرواہ گر اس کا حسب کچھ ہو نسب کچھ ہو

ایماں نے بعض غزلوں میں موسیقیت اور خوش آہنگی پیدا کرنے کے لیے ایک سے زائد قافیوں کا اہتمام کیا ہے

رفتار میں کوئی لٹک دامن شرارت سے جھٹک
شیشہ دیا دل کا پٹک اتنا تو مستانہ نہ تھا

٭

یہ شراب خانہ مدام ہے کہیں شیشہ ہے کہیں جام ہے
یہی میکشوں کا پیام ہے جو نہ ہووے تو تو ہے سم بھلا

٭

اب ایماں پر تو ہو یہ کرم کبھو رنجہ کیجے ادھر قدم
کہ مزاج اس کا تو اے صنم نہیں رہتا ہے کوئی دم

٭

قیمت میں دیگر نقدِ جاں لی حسن کی جنسِ گراں
دل کے سوا اپنے تو یاں کچھ اور رہا نہ تھا

ایماں کے کلام میں غزلِ مسلسل کی بھی اچھی مثالیں موجود ہیں اس قسم کی غزلوں میں انہوں نے اشعار کے ربط و تسلسل کا بطورِ خاص خیال رکھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

رات دیکھا میں ایک کوچے میں | بدر تھا یا کہ ہیرا نور تھا
جس طرح آسمان پر تارے | یوں چمکتا تھا جو کہ زیور تھا
حلقۂ نتھ خصوص مکھڑے پر | عید کا جوں ہلال اظہر تھا
شاہ زادہ تھا یا شہنشاہ تھا | حسن کا جس کے ساتھ لشکر تھا
شوکت و شان کیا کہوں اس کی | صاحب تاج و تخت و افسر تھا
غنچہ لب، گل عذار، نرگس چشم | گلشن حسن کا صنوبر تھا

مسلسل غزلیں ایمان کے پاس اگرچہ کہ بہت کم ہیں لیکن ایسی غزلوں میں انہوں نے بڑی مہارت کے ساتھ ایک قصہ گو کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

ایمان چلیئے آپ بھی کیا انتظار ہے | گلشن میں اب کے سال انوکھی بہار ہے
کہتے ہیں شاہ گل کی سواری جلوس سے | آئی ہے اور سپاہ کا رنگیں سنگار ہے
چل دیکھ صحن باغ میں مجرے کے واسطے | صف باندھ کر کھڑی یہ دورستہ قطار ہے

ایمان کی غزلوں میں فلسفیانہ مضامین بھی ملتے ہیں۔ فلسفہ و تصوف کے عام مضامین اگرچہ ایمان کے یہاں خال خال نظر آتے ہیں لیکن فکر و فن کے نقطۂ نظر سے بعض اشعار قاری کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیتے ہیں چند شعر دیکھئے ؎

عرصۂ ہستی میں کچھ مختار ہوں بھی اور نہیں
سایہ آسا صاحب رفتار ہوں بھی اور نہیں

※

آئینہ ہے صورت اس معنی کی ہر ذرہ کے بیچ
اس کا نور خاص روشن گر ہے مہر و ماہ کا

※

کس قدر ایمان ہوگا صورت اصلی کا حسن
جب دل عشاق کی تصویر دامن گیر ہے

⁂

سو رنگ جلوہ گر ہیں گرچہ بتان عالم
ہم ایک تجھ کو اپنا منظور جانتے ہیں

⁂

دیر سے مطلب، نہ کعبے سے غرض
عاشقوں کا دین و ایماں اور ہے

ایمان اپنے اشعار میں عرب و عجم کی عشقیہ داستانوں کے حوالے بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں۔ خصوصاً لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے کرداروں کے تذکرہ سے انہوں نے اپنے کلام میں بڑی دلکش رنگ آمیزی کی ہے ؂

کرو کچھ نجد کی وادی کی باتیں دوستو مجھ سے
کہ دیوانہ ہوں میں مجنوں و لیلیٰ ذکھائی بکار

اشک مجنوں سے مرے اشک کو ہے ہم چشمی
جیسے مل کر کہیں صحرا میں بہیں دریا دو

گل عذاروں میں اگر لیلی نہیں
قیس بھی اک مردم صحرائی ہے

خسرو سے ادھر جنگ، ادھر کوہ سے کاوش
دیکھا ہی نہیں ہم نے کوئی فرہاد سا بانکا

پھرتا ہے قیس دشت میں جوں گرد کارواں
آوے نظر نہ منزل مقصود کی طرح

لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، کے علاوہ عرب و عجم کی تاریخ سے اور بھی ناموں کا

ربطور تلمیح کیا ہے ؎

ہنگامہ سکندر و جم سرد ہو گیا
اس غمرہ بتاں کا ہی دربار گرم ہے

یں کسطرح نہ کہوں اسکو باغ ابراہیم
کہ ایک آن میں آتش کا ہو گیا گلزار

دولت دنیائے دوں ازبسکہ ہے بے اعتبار
سینکڑوں اس تخت پہ ضحاک و جم بیٹھے اٹھے

ان کے علاوہ ایمان ہندو دیو مالا (صنمیات) کے قصوں کی طرف بھی بطور
ح اشارے کیے ہیں ؎

دل لے ہی گئی آنکھ دکھا کر نہیں معلوم
وہ کوئی پری زاد تھی یا رام جنی تھی!

برہمن دیکھ کر اس کو کہے ہے رام کی سوگند
جنم گنیش کا لیکر کنہیا جگ میں آیا تھا

ایمان نے اپنے گلستان شاعری کو نادر تشبیہوں، کنایوں، اور صنائع بدائع کے
ین رنگین پھولوں سے سجایا ہے اور اس سجاوٹ میں تکلف یا تصنع کا گمان بھی نہیں
تا۔ اس سلسلہ میں متعدد شعر پیش کیے جا سکتے ہیں یہاں چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

ردوں تشبیہ کیوں کر دیدہ گریاں کو دریا سے
کہ جیوں گرداب یہ کھا کھا کے سو چکر چھلکتا ہے

جس نے دیکھا تری چوٹی میں پڑا اس رخ میاں
کہا آتا ہے شفق آج نظر آخر شب:

یاد آتی ہیں عرق آلود وہ زلفیں جب مجھے
جب اندھیری رات میں ہو آسماں اختر فروش

زمرد اس کے آویزے کا یوں عارض پہ چمکے ہے

پری کے ہاتھ ہے شیشہ شب مہتاب میں گویا

فائیز بدائع میں ایمان زیادہ تر صنعت تضاد تجنیس زائد و مزمل اور حسن تعلیل استعمال

کرتے ہیں اور یہ استعمال اس خوبصورتی سے ہوتا ہے کہ شعر میں اس سے نکھار پیدا ہوجاتا ہے۔

جب تلک ملتا نہیں ایمان سے تو اے دلفگار

تب تلک ہوتی نہیں آسان یہ دشواریاں

چتنے یہ اقربا ہیں سو عقرب ہیں نیش زن

ترباق تو محال مگر سم بہت ہے یاں

محفل غزالہ چشموں کی دیکھا ہوں بار ہا!

ہونے یہ رام کم ہیں دے رم بہت ہے یاں

ختم تجھ پر ہو چکی ہیں حسن کے انداز میں

یاریاں، عیاریاں، دلداریاں، طراریاں

خدا کی خدائی ہے ایمان یہ بھی بتاں جو ہمیں اسقدر آزما دیں

شتابی سا خیامے لا نہ کر دل کو مرے میلا

امنڈتے اور گرجتے بے طرح سے بادل آتے ہیں

انعام جو انان گلشن کو ملا یاں تک

پایا ہے زرِ خالص ہر گل نے طبق بھر بھر

قصیدہ نگاری

قصیدہ نظم کی وہ قسم ہے، جس میں کسی کی تعریف یا ہجو کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اپنی کتاب "اردو میں قصیدہ نگاری" میں مختلف کتابوں کے حوالوں کی مدد سے "قصیدہ" کے لغوی معنوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔ "قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی "مغز غلیظ و سطبر" کے ہیں۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ قصیدہ لفظ قصد سے نکلا ہے اور اس کے لغوی معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً قصیدہ اس نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں اور جس میں مدح یا ذم، وعظ و نصیحت یا مختلف کیفیات و حالات وغیرہ کا بیان ہو" [۱]

جہاں تک قصیدہ کی ہیئت (FORM) کا تعلق ہے۔ اس میں بڑی حد تک غزل کی ہیئت کی پابندی کی جاتی ہے یعنی غزل کی طرح قصیدہ کے پہلے دونوں مصرعوں اور باقی اشعار کے صرف دوسرے مصرعوں میں قافیہ و ردیف یا صرف قافیہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ غزل کے برعکس قصیدہ میں خیالات و مضامین مربوط و مسلسل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اپنے موضوع کے لحاظ سے ہر قصیدہ کا کوئی نہ کوئی عنوان بھی ہوتا ہے۔

قصیدے کبھی کبھی اس کے قافیے کے آخری حرف سے بھی موسوم کیے جاتے ہیں۔ مثلاً قصیدہ، میمیہ، قصیدۂ جیمیہ وغیرہ۔

۱۔ اردو میں قصیدہ نگاری۔ ص ۱۱-۱۲

قصیدہ عربی شاعری کی مقبول صنفِ سخن تھی۔ عربی سے یہ صنف فارسی میں پہنچی اور پھر فارسی سے اردو میں مروج ہوئی۔ عربی شاعروں نے اسی صنفِ سخن میں اپنے بہترین شاہکار یادگار چھوڑے ہیں۔ فارسی شاعری میں بھی اس صنف کو مقبولیت حاصل ہوئی اور انوری، خاقانی اور ظہیر فاریابی جیسے شعرا فارسی شاعری کو نصیب ہوئے۔ فارسی شاعری کے تتبع میں قدیم دکنی کے شاعروں نے بھی قصیدہ کی صنف سے دلچسپی لی۔ دکنی کے اہم اور بلند پایہ قصیدہ نگاروں میں محمد قلی، غواصی، نصرتی اور ولی اہمیت کے حامل ہیں دکنی شاعری کے اتباع میں جن شاعروں نے شمالی ہند میں قصیدہ کی صنف کو اپنایا اور معرکتہ الآرا قصیدے اردو ادب کو دیئے ان میں سودا، ذوق، مومن اور غالب کے نام سرِ فہرست نظر آتے ہیں۔

شیر محمد خاں ایمان ذوق، مومن اور غالب کے پیش رو اور سودا کے ہم عصر قصیدہ گو ہیں۔ ان کے کلیات میں ایک درجن سے زاید معرکتہ الآرا قصیدے موجود ہیں۔ وہ اپنے دور کے دکن کے سب سے اہم اور بلند قامت قصیدہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں

ڈاکٹر زینت ساجدہ؟ اپنی کتاب "عہد ارسطو جاہ" میں ایمان کے قصیدوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔ "ایمان نے کل چودہ قصائد لکھے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ایمان کے دس قصائد دیوان میں موجود ہیں۔ جنہیں سید محمد نے "ایمان سخن" میں شامل کیا ہے۔ "مجموعہ فصاحت" میں مزید چار قصیدے ہیں"[۱]

حالانکہ "مجموعہ فصاحت" (قلمی) میں ایمان کے پانچ غیر مطبوعہ قصائد موجود ہیں جن کی تفصیل آگے آئے گی اور اس طرح ایمان کے کل قصیدوں کی تعداد پندرہ ہو جائے گی۔ "کلیات ایمان" اور دیوان ایمان کے مخطوطوں میں جملہ دس قصیدے

۱۔ "عہد ارسطو جاہ" صفحہ ۱۷۹

ے ہیں جنہیں پروفیسر سید محمد نے ایمان کے منتخب کلام پر مشتمل کتاب "ایمان سخن" میں بھی امل کیا ہے۔ پہلا قصیدہ ۱۳۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نعتیہ قصیدہ کا عنوان "قصیدہ نعت سرور کائنات جناب رسول اکرم صلواۃ اللہ علیہ وسلم" ہے۔ اس قصیدہ کی تشبیب ابتدائی اشعار میں منظر نگاری ملاحظہ کیجیے ۔

ہر چند غرق ہم رہے جوں گوہر آب میں — لیکن کبھو کیا نہیں دامن تر آب میں

ساقی نہیں ہے یہ گل نیلوفر آب میں — رکھا ہے میکشی کے لیے ساغر آب میں

حیراں ہوں میں حباب کے سر دم شعور پر — خانہ خراب باندھے ہے اپنا گھر آب میں

ریز کے اشعار دیکھیے ۔

گویا زبان حال سے یہ سطر موج ہے — کب معنیٔ ثبات ہے نقش بر آب میں

ایماں کیجے ایسے شہنشا کی ثنا — لرزے ہے جس سے عکس تنِ خاور آب میں

ریز کے بعد مدح رسولؐ کے چند شعر دیکھیے ۔

یعنی رسول خاتم و محبوب ذوالجلال — ترسیب ملل کا جس نے کیا دفتر آب میں

واللیل جس کی زلف کی ہے شان میں نزول — ڈوبا اسی کی شرم سے جا خضر آب میں

جاری ہو ایک نہر ہر انگشت سے وہیں — رکھے وہ اپنا پنجۂ معجز گر آب میں

شیریں ہے اس کے آب دہن سے بچاہ شور — گویا کہ گھول دی ہے ابھی شکر آب میں

بے شک اسی کے چشمۂ نوشیں کی شرم سے — ڈوبا ازل کے روز سے ہے کوثر آب میں

ح کے بعد دعائیہ اشعار اس طرح لکھے ہیں۔

دست حفاظت اس کا ہو سایہ فگن اگر — یاقوت کی طرح سے رہے اخگر آب میں

یا شافع امم یہ تمنا ہے بعد مرگ — رحمت کے غرق کیجو مجھے یکسر آب میں

دوسرا قصیدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ہے۔ اکتالیس اشعار پر مشتمل اس قصیدہ کے دو مطلعے ہیں۔ پہلا مطلع ہے ۔

ساقی پلا شراب کہ ہے موسم بہار — دل چاہتا ہے کیجے گلگشت لالہ زار

دوسرا مطلع ۲۶ اشعار کے بعد آیا ہے ؎

بے شبہ جانتا ہوں کہ اے صاحب اقتدار — ساری خدائی میں تو ہے تیرا ہی اختیار

گریز اس طرح کی ہے۔

پوچھا میں باغباں سے بتا تو ہی مجھے — کس کے ہے فیض علم سے یہ رنگ نو بہار

اختتامی اشعار ملاحظہ کیجے۔

مقدور کب ہے جن و بشر کی زبان کو — جو تیری منقبت میں کرے کچھ گہر نثار

فردوس تیرے دوست کا مسکن مدام ہے — دوزخ میں دشمنوں کا ہے تیرے ہمیشہ کار

تیسرا معرکۃ الآرا قصیدہ "جلوس آصفی" ۱۱۹ اشعار پر پھیلا ہوا ہے۔ اس قصیدے میں بھی دو مطلعے ہیں۔ پہلا مطلع یہ ہے

شکر للہ اب سعادت پر ہے دور آسماں

راحت و آرام سے معمور ہے سارا جہاں

مطلع ثانی اس طرح ہے ؎

تو ہے وہ مہر جہاں افروز و ماہ مہرباں

روز و شب تجھ سے منور ہے زمیں تا آسماں

تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ کیجے۔

دم کرے ہے چو طرف باد صبا افسون عیش — ہر سحر اقبال لاوے رونما آئینہ ساں

کھولتی ہے شام بھی اب زلف لیلائے مراد — جس کی بوے روح پرور سے معطر جاں

یہ قصیدہ نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی تخت نشینی کے موقع پر کہا گیا ہے۔ اس کی ایمان نے اس میں جزئیات کی جھلک دکھا دی ہے۔ تشبیب کے مطالعہ سے اجرام فلکی کی "فرخندہ چال" کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ارسطو جاہ کے دور کی

آسودگی اور عیش و نشاط کا مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

سبعہ سیارہ ہیں سب فرخندگی کی چال پر ۔۔۔ ایک میں باقی نحوست کا نہیں ذرہ نشاں

کشتِ امید خلائق سبز کرتا ہے زحل ۔۔۔ مشتری بھی اب ہوا ہے قاضیِ امن و اماں

پیشہ جلادی اپنا کر دیا بہرام ترک ۔۔۔ پنجۂ خورشید ہے یک دست جگ پر زرفشاں

نغمہ آرائے نشاطِ عیش ہے ناہید بھی ۔۔۔ اور عطارد ہے دبیرِ عشرت نشاں

آصف جاہ ثانی کے عدل کی تعریف کرتے ہوئے ایمان نے ان کا مقابلہ حضرت سلیمان سے کیا ہے اور اس ہنرمندی کے ساتھ کہ مبالغہ آرائی کا گمان تک نہیں گزرتا ۔

سن کے اس نے مجھ کو بولا کیا تجھے معلوم نئیں ۔۔۔ پرورش پایا ہے تو دولت سے جسکی اے جواں

یعنی نواب سلیمان قدر و آصف جاہ عصر ۔۔۔ عادل و اکرم نظام الملک عالی خاندان

سنتے ہی یہ نام اندھیں میں کہا کیا پوچھیے ۔۔۔ وہ کریم ابن کریم وہ بازوے صاحب قراں

دولت و حشمت تری مثل سلیماں کیوں نہ ہو ۔۔۔ تجھ میں اور اس میں ہے یک فرق نبوت درمیاں

جشن کے موقع پر ہر طرف خوشیوں کے شادیانے بج رہے ہیں۔ شاہی محلات "سازِ عشرت" کی آواز سے گونج رہے ہیں۔ "جابجا رنگیں لباسوں کا ہجوم" نظر آرہا ہے ہر طرف "بصد ناز و ادا" "گلبدن، غنچہ دہن، رشکِ پری، سرو رواں" محوِ خرام ہیں

اسقدر ہے جابجا رنگیں لباسوں کا ہجوم ۔۔۔ جس طرف دیکھو تو ہے رشکِ بہارِ گلستاں

جس جگہ ہے جشن کا آئین و قانونِ نشاط ۔۔۔ سازِ عشرت ہے مہیا ہر محل و ہر مکاں

ہر روش اوپر خراماں ہیں بصد ناز و ادا ۔۔۔ گلبدن، غنچہ دہن، رشکِ پری، سرو رواں

منظر نگاری کے بعد گریز میں تجاہل عارفانہ کی بہترین مثال ملاحظہ کیجئے ۔

الغرض ایمان پوچھا میں نے پیرِ چرخ سے ۔۔۔ کس کے ہے یہ عہدِ راحت عہد سے امن و اماں

مدح کا انداز دیکھئے ۔

سنتے ہی یہ نام اقدس میں کہا کیا پوچھیے — وہ کریم ابن کریم وہ بازوے صاحب قراں
گوہر درج سیادت اختر برج شرف — جوہر شمشیر جرات سرکردہ اشجعاں

مدح کے بعد مدعا کا اس طرح اظہار کیا گیا ہے۔

دائرہ میں بزم کے ہر مقام اپنے کے بیچ — تیری آہنگ نوازش سے ہے ہر دم شادماں
جس گھڑی تو مسند عالی پہ فرمائے جلوس — دیکھ کر روشن ہو مہر و مہ سے چشم آسماں
ہمت عالی کی تیری مجھ سے کیا توصیف ہو — بخش دیتا ہے اٹھا ادنی کو گنج شایگاں
اس قدر تیرے یمین اللہ دریا دل کیا — موتیوں سے جیوں صدف سائل کا بھر دیوے دہاں
بسکہ تیرے فیض نے بخشا یہاں تک لعل و زر — شرم سے اس رنگ کو پہنچے ہیں سارے بحر و کاں

قصیدے کے آخری دعائیہ اشعار یہ ہیں۔

نام رکھ کر اس قصیدہ کا "جلوس آصفی" — دیں پناہا ختم کرتا ہوں دعا پر یہ بیاں
دوستوں کا دیکھ تیرے منہ برنگ صبح عید — غرق حیرت دشمناں جوں دیدہ قربانیاں

چوتھا قصیدہ پچیس اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ قصیدہ ارسطو جاہ بہادر کی سالگرہ کے موقع پر کہا گیا ہے۔ اس قصیدہ کے چند شعر دیکھیے۔

جہاں کے بیچ ہے اب یہ نوید شہرۂ عام — کہ عشرت و طرب و راحت و آرام
ہے جشن سالگرہ آج اس شہنشہ کا — کہ جس جناب کا منہ تکتے ہیں فلک سے غلام
کریم ابن کریم اور فیض بخش جہاں — خجل ہے دیکھ کے نیساں بھی جس کا ابر کرم
نظیر ہووے نہ اس آفتاب کا پیدا — ہزار چرخ اگر کھاوے گردش ایام

پانچواں قصیدہ ۴۵ اشعار پر مشتمل ہے[1]۔ یہ بے مثال قصیدہ "قصیدۂ بہاریہ" ہے جو جشن نوروز اور نظام الملک آصفجاہ ثانی کی سالگرہ کے موقع پر کہا گیا ہے اس کی

۱۔ ڈاکٹر لئیق صلاح نے "عہد ارسطو جاہ" میں اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد ۵۱ بتائی ہے صفحہ ۱۸۲

تشبیب بہاریہ ہے۔

عجب بہار سے آیا ہے اب کے خرم سال | زمانہ عیش و طرب سے ہوا ہے مالا مال
جدھر نگاہ کرو دستہ دستہ ہے گل عیش | کہ رشک گلبن فردوس ہے ہر ایک نہال

مدح میں ممدوح کی سخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعر نے اپنے مرتبے کا بھی اظہار کیا ہے تاکہ اس کے بعد ہی در پردہ اپنا مدعا پیش کیا جاسکے۔

کرم سے اس کے خلائق کی زندگانی ہے | جہانیاں کا ہے ازبسکہ قبلہ آمال
سوار جب ہو وہ رخش خرام اوپر | چلے رکاب میں اس کے بہ اعتقاد دلال
شکوہ شان یہ اس کے حضور اقدس کا | جلوس جب وہ کرے ہے بہ مسند اجلال
ادب سے سر بگریباں و دست بستہ مدام | کھڑے ہوں قیصر و فغفور و صف نعال
نہ ہوے ہمت عالی کا اس کی مجھ سے وصف | کہاں یہ حوصلہ مجھکو ہے اور کب یہ مجال

اختتام و دعا کے اشعار یوں ہیں۔

بس آگے عرض کی قدرت نہیں رہی شاہا | کہ صبح و شام ہیں ایمان کو یہ اشغال
یہی دعا ہے بحق نبی و علی و ولی! | کہ سرفراز رہیں دوست دشمناں پامال

چھٹے قصیدے کا عنوان "قصیدہ ثنائیہ در مدح وزیر میر نظام علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ" ہے۔ یہ قصیدہ ۵۹ اشعار پر پھیلا ہوا ہے اور اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

ہوا ہے آج کی شب ماہتاب کا یہ وفور | کہ شش جہت کو جو دیکھو ہے ایک عالم نور
زمیں جو دیکھو تو ہے خوان نقرئی گویا | ہے آسماں سے بھی سر پوش نقرئی کا ظہور
ہے بسکہ دامن صحرا پہ نور پاشئی ماہ! | ہر ایک کوہ ہوا کوہ برف سے مشہور

اس قصیدہ کے تین مطلعے ہیں دوسرا اور تیسرا مطلع یوں ہے ؎

ہے آج دولت جمشید کا بجھے مقدور | ضمیر پاک ہے جام جہاں نما مشہور

ہے آج وہ تری دولت سرا میں جشن و سرور — کہ خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں قیصر و فغفور

دعا اور خاتمے کے اشعار میں دوستوں کے لیے دعا اور دشمنوں کو بد دعا کی گئی ہے

دعا پہ ختم میں کرتا ہوں اب قصیدہ کو — الٰہی تا رہے یہ گردش سنین و شہور

برنگ صبح رہیں رو سفید تیرے دوست — سیاہ بخت عدو ہو دیں جیوں شب دیجور

ساتواں قصیدہ نواب سردار الملک (گھانسی میاں) کی مدح میں کہا گیا ہے "گھانسی میاں نواب شمس الامرا امیر پائے گاہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ حیدرآباد کا ایک محلہ (گھانسی بازار) انہیں کے نام سے موسوم کیا گیا ہے"[۱] اس قصیدہ کا تشبیب میں صبح کی منظر نگاری کی گئی ہے ۶۷ اشعار پر مشتمل اس قصیدے کے تین مطلعے ہیں جنہیں ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

نیلم کے سریر اوپر بیٹھا جو شہ خاور — اور سر پہ رکھا زریں زیبندہ عجب افسر

وہ ابر کرم تیرا ایستادہ ہے جو بہتر — دامان گدا کر دے یکدم میں پر از گوہر

ہو رزم میں رستم بھی تجھ سے نہ کبھو سر بر — ہے تو صف مرداں میں ہم سر دو ہم صفدر

یہ ایمان کا ایک دلچسپ قصیدہ ہے جس میں شاعر نے اپنے اشہب قلم کی برق رفتاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ خوبصورت تشبیہیں - جدت تخیل اور محاکات نگاری کے اچھے نمونے اس قصیدے میں موجود ہیں چند شعر ملاحظہ ہوں۔

انعام جو انان گلشن کو ملا یاں تک — پایا ہے زر خالص ہر گل نے طبق بھر بھر

خورشید کے پرتو سے طفلان حبابی کو — زریں کلاہی سا ہے ناز لب رجو ہر

---

[۱] عہد ارسطو جاہ - ڈاکٹر زینت صلاح ص ۱۸۳

گلگون رِصبا گرچہ ہے گشت میں اب لیکن　　غنچہ کا چٹکنا بھی کوڑا ہے گویا اس پر

میخانۂ عالم میں اب دور صبوحی سے　　مینا سے پری نکلی مستوں میں چلا ساغر

مرغان چمن دلکش کرتے ہیں غزل خوانی　　غنچے ہیں تبسم میں، خنداں ہیں گل اب یکسر

آٹھواں قصیدہ ایمان نے " جہاں پرور بیگم " کی شادی کے موقع پر کہا ہے، ۵ شعار[1] پر مشتمل اس قصیدہ کا عنوان یوں ہے " قصیدۂ شادی بادشاہ دکن نواب میر اکبر علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ بہ جہاں پرور بیگم " یہ ایک معرکتہ الآرا قصیدہ ہے جس کی وجہ سے بحیثیت قصیدہ گو، ایمان کو لافانی شہرت حاصل ہوئی۔ اس قصیدہ میں " جہاں پرور بیگم اور نواب میر اکبر علی خاں بہادر آصف جاہ " کی شادی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دیگر قصائد کے مقابلے میں اس قصیدے کی زبان سادہ، رواں اور عام فہم ہے۔ لفظوں کی فصاحت و بلاغت اور سلاست و روانی کی وجہ سے یہ قصیدہ خاصہ کی چیز بن گیا ہے۔

مطلع دیکھئے ؎

جہاں کے بیچ وہ آئی ہے اب کے فصل بہار　　کھلے ہیں لالہ و گل چو طرف ہزار ہزار

تشبیب دوسرے شعر سے شروع ہوتی ہے جس میں حقیقت نگاری کا کمال دکھایا گیا ہے۔ ممدوح کی نیک نفسی اور عروس کی پردہ نشینی کے تذکرہ کا انداز دیکھئے ؎

فلک کے آئینہ میں ہو نمود عکس شفق　　ہوا کے ساتھ زمیں سے اگر اٹھے ہے غبار

ہر ایک غنچہ سے از بسکہ رنگ پاشی ہے　　ہوا ہے مثل چمن سرخ دامن کہسار

ہے اس مخدرہ عز و جاہ کی شادی　　ہر اک کنیز ہے جسکی پری و شیریں کار

حریم حرمت و عفت کی ہے وہ حجلہ نشیں　　جہان پاک کی ہے بانوے ستودہ شعار

کوئی نہ زلف کا محرم ہے اسکی جز شانہ　　سوائے آئینہ اسکا نہ دیکھا کوئی دیدار

---

[1] ڈاکٹر ولیق صلاح نے اس قصیدے کے اشعار کی تعداد ۶۵ بتاتی ہے (عہد ارسطو جاہ صفحہ ۱۸۵)

گریز ملاحظہ کیجیے جس سے اس عہد کے رسوم شاہ بیاہ کا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ؎

امیر اعظم و عالی جناب والا شان | وزیر شاہ دکن مہر آسمان وقار
دیا ہے اسکو بہ شہزادۂ سکندر جاہ | کہ ہوے ماہ کو خورشید سے حصول انوار
نہ پہنچے جس کے تجمل کو جشن جمشیدی | کیا عروس کا سامان اسقدر تیار
سنا اگرچہ ہے سابق ہیں جشن نو شاہہ | پر اس کی گرد کو پہنچے نہیں ہے وہ زنہار
وہ بوٹی دار ہر اک جا ہے فرش قالیں ہے | جدھر نظر کرو اودھر چمن چمن ہے بہار
کہیں بلور کی قندیل اور کہیں فانوس | نہ قمقموں کا ہندسہ سے ہو سکے ہے شمار
یہ وہ ہے جشن کہ جس پر طبق طبق زر و سیم | نثار کرتے ہیں خورشید و ماہ لیل و نہار
عطا و بذل کیا وہ جہیز شاہانہ !! | کہ جسکا ہو نہ حساب سے فہم کے بھی شمار

نویں قصیدہ کا عنوان "قصیدۂ جشن سالگرہ بہ آعظم الامرا بہادر گزارندہ بنام سلیمان جاہ" ہے ۔ ۳۶ اشعار پر مشتمل اس قصیدہ میں بھی سادگی اور روانی بلا کی ہے اس قصیدے کے حسب ذیل دو مطلعے ہیں ؎

شکر خدا بہار ہے، عہد شباب ہے | ساقی پری نژاد ہے، جام شراب ہے
شاہوں کے بیچ آج تو ہی انتخاب ہے | آدم کی نسل کا تو ہی لبّ لباب ہے

اس قصیدہ میں ایمانؔ ارسطو جاہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

وصف ثنا کو تیرے کہاں تک کروں بیاں | عاقل کو ایک لفظ ہی مثل کتاب ہے
شاہا تو اسکا حامی دین نبی ہے اب | تیری مدد مدام شہ بوتراب ہے

کلیات ایمانؔ کا دسواں اور آخری قصیدہ بھی ارسطو جاہ کی مدح میں ہے جو ان کی سالگرہ کے موقع پر کہا گیا تھا۔ پندرہ اشعار پر مشتمل اس قصیدہ کا مطلع ہے

ہے بسکہ مہرگیانی کی آج سالگرہ ہوا ہے بدر کی مانند اب ہلال گرہ

مندرجہ اشعار میں ایمان کا حسن طلب ملاحظہ کیجیے ؎

شادہ کار ہے عالم کا اس قدر منظور کسی گدا کی زباں پر نہ ہو سوال گرہ

فیض عام ہے جو دو سخا کا چار طرف کہ دیوے کیسہ پہ اب کوئی کیا مجال گرہ

اس قصیدہ کے آخری دو اشعار کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس کے آخری مصرعے

ع ہزار سال ہو یارب یہ جشن سالگرہ

ے تاریخ تہنیت (۱۲۱۲ھ/م ۱۷۹۷ء) نکلتی ہے تعجب کی بات ہے کہ شاعر کے

شارہ کرنے کے باوجود اس قصیدہ کی تاریخ تہنیت کی طرف پروفیسر سید محمد نے اشارہ

ا ہے نہ نصیر الدین ہاشمی نے نہ سید اشفاق حسین نے اور نہ ڈاکٹر لیئق صلاح نے۔ ایمان قصیدہ میں

ریخ تہنیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

برائے مصرع تاریخ تہنیت کے لیے برنگ غنچہ مرے دل میں تھا خیال گرہ

دیا سروش دہاں پیر خضر نے ناگاہ ہزار سال ہو یارب یہ جشن سالگرہ

یہ قصیدہ ایمان نے آصف جاہ ثانی اعظم الامرا ارسطو جاہ کی وفات (۱۲۱۴ھ/ ۱۸۰۴ء) سے سات سال

پہلے نظم کیا تھا۔ یہ قصیدہ لکھنے کے تین سال بعد (۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۰ء) میں ایمان نے ارسطو جاہ

کے نومولود لڑکے کی پیدائش کے موقع پر ایک تاریخی قطعہ لکھا تھا[۱] جس کے درج ذیل

مصرعے سے تاریخ پیدائش ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۰ء نکلتی ہے۔

سبط فرخ نژاد اصل گیان[۲]

۱۲۱۵ھ

---

(۱) ۱۲۱۵ھ میں پونا والی بیگم کے بطن سے ارسطو جاہ کو ایک لڑکا غلام سعید پیدا ہوا تھا جو صرف

چند دنوں کے بعد فوت ہو گیا۔ (عہد ارسطو جاہ صفحہ ۵۲)

(۲) ڈاکٹر لیئق صلاح۔ عہد ارسطو جاہ۔ صفحہ ۵۲

ان قصیدوں کے علاوہ "مجموعۂ فصاحت" (قلمی) میں ایمان یا پنچ غیر مطبوعہ قصیدے ہیں ڈاکٹر علیم صلاح نے "مجموعۂ فصاحت" میں موجود غیر مطبوعہ قصیدوں کی تعداد چار بتائی ہے۔ ع۱ حالانکہ اس میں جملہ پانچ غیر مطبوعہ قصیدے موجود ہیں۔ جس کی تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے۔

پہلا قصیدہ ۵۷ اشعار پر محیط ہے۔ اس کے دو مطلعے ہیں۔ پہلا مطلع ہے

بحمد اللہ مجھ تک صبح دم پیک صبا پہنچا ۔۔۔ نوید دولت جاوید کو لیتا ہوا پہنچا

دوسرا مطلع یہ ہے ؎

ترے اس آستان فیض پر جس دم گدا پہنچا ۔۔۔ علوے مرتبہ اس کا یکایک تا سما پہنچا

اس قصیدہ کے صرف چند شعر دیکھئے جس سے ایمان کی پرگوئی، تخیل کی بلند پروازی اور نازک خیالی کا اندازہ ہوگا ؎

زہے نواب عالی قدر والا شان با شوکت ۔۔۔ کہ جس کا رمز مخفیات کو فہم رسا پہنچا

فراست میں اگرچہ عقل کل کا وہ ہوا ثانی ۔۔۔ تقدم بوعلی سینا پر اس کا مرتبہ پہنچا

شجاعت کے مراتب میں وہ سہراب زمانہ ہے ۔۔۔ عدالت میں اسے نوشیرواں کا سلسلہ پہنچا

مجموعۂ فصاحت کا دوسرا قصیدہ بھی دو مطلعوں پر مشتمل ہے۔ جو درج ذیل ہیں ؎

بحمد اللہ زمانہ میں ہوا امن و امان پیدا ۔۔۔ بہار عیش افزائی زمیں تا آسماں پہنچا

چمن میں دہر کے ایسا ہوا سرو رواں پیدا ۔۔۔ قدم سے جس کے ہے شادابی باغ جہاں پیدا

یہ قصیدہ جملہ ۳۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے۔ یہ قصیدہ نواب سیف الملک کے فرزند کی پیدائش کے موقع پر کہا گیا ہے۔ نومولود کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے ایمان کہتے ہیں ؎

دہن غنچوں کے خنداں ہیں شگفتہ روئے گل یاں تک ۔۔۔ کہ ہے ہر قطعہ گلشن سے کشت زعفراں پیدا

ع۱ عہد ارسطو جاہ ۔ صفحہ ۱۸۱

باغ کی تعریف میں مصروف ہے ہر دم | ہوی ہے غنچۂ سوسن کے منہ میں اب زباں پیدا
دخوری کا لبکہ ہے آہنگ گلشن میں | دہن سے ہوئے غنچوں کے صفیر بلبلاں پیدا
ایماں تھی وجہ طرب کی جستجو ہر دم ! | ہوا ہے مثل گل خنداں یکا یک باغباں پیدا

"مجموعہ فصاحت" کا تیسرا قصیدہ ۲۹ اشعار پر مشتمل ہے ارسطو جاہ کی مدح میں یہ ایک
شاہکار قصیدہ ہے جسمیں ایمان نے مشہور فلسفی ارسطو سے ارسطو جاہ کو ہم مرتبہ قرار دیا ہے
آعظم الامرا کی فراست تدبیر اور دانش مندی کی دل کھول کر داد دی ہے۔ اس قصیدہ کا
لع اور چند شعر دیکھئے۔

یدا ہے تیرے چہرہ سے یہ شان وزارت | جو دیکھے سو بولے کہ ہے شایان وزارت
ـر جو کیا فہم ارسطو سے بھی تجھ کو | تب شاہ نے بخشا ہے قلم دان وزارت
گردی کے پیشہ میں ہے شائستہ اسد خاں | بیرم ہے تیرا طفل دبستان وزارت
طرح کہ خورشید فلک پر ہے سر اوار | زیبندہ تجھے مسند دیوان وزارت

ایمان کا چوتھا غیر مطبوعہ قصیدہ بھی ۲۴ اشعار پر پھیلا ہوا ہے اور اس کے
مطلع ۱؎ جنہیں یہاں نقل کیا جاتا ہے ؎

شکر خدا جہاں ہے سراسر سرور میں | سررشتہ نشاط ہے جاری دہور میں

کوشش کیا ہے تو جو کرم کے امور میں | آرام ہو گدا کو ہے فرش سمور میں

یہ قصیدہ ایمان نے "کیوان جاہ" کی تسمیہ خوانی کے موقع پر کہا تھا۔
ارسطو جاہ کے فہم و فراست اور عدل و انصاف کا ذکر ایمان نے اس طرح کیا ہے ؎

اللہ نے کیا تجھے یکتائے روزگار ؛ | تیرا نہیں نظیر بطون و ظہور میں
تنا ترا کرم تو عنایات بخش ہے | ذرہ نہیں ہے فرق سلیمان و مور میں
بخشا ہے تو نے جتنے جواہر اے گنج بخش | معدن میں اتنے لعل نہ گوہر بحور میں

جیسے کہ دہر میں ہے ترے ضبط عدل کا   آیا ہے عدل وعیش یہاں تک ظہور میں

ایمان کا پانچواں غیر مطبوعہ قصیدہ بھی "مجموعہ فصاحت" ہی میں محفوظ ہے نو اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ بھی غالباً نواب میر اکبر علی خاں بہادر کی سالگرہ کے موقع پر کہا گیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

ہے بذل درہم و دینار بہ گنج خفی   کہ فیض عام سے ہے آشکار سال گرہ

اسی دعا میں ہے ایمان روز و شب یارب   رہے یہ جگ میں سدا برقرار سال گرہ

ہر ایک آن زیادہ ہو دولت و اقبال   نشاط و عیش سے ہو بار بار سال گرہ

ایمان کے جملہ پندرہ قصاید کا پتا چلتا ہے۔ دیوان اور کلیات ایمان میں دس قصیدے موجود ہیں اور پانچ قصیدے "مجموعہ فصاحت" کی زینت ہیں جن کے مطالعہ سے ایمان کی قصیدہ گوئی کے جوہر کھلتے ہیں اور ان کی پرگوئی قادر الکلامی اور معنی آفرینی و بلندی تخیل کا اندازہ ہوتا ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی "یہی قادر الکلامی، مبالغے اور معنی آفرینی کے ساتھ مل کر ان کے قصائد کو قابل توجہ بنا دیتی ہے۔ ایمان کے قصائد میں علم و فضل کا اظہار بھی ہے اور فنی اعتبار سے بھی وہ اچھے قصیدے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ قصیدہ جلوس آصفی اور قصیدہ ہجائیہ تاریخ قصیدہ میں یقیناً قابل ذکر ہیں۔" ؎۱

مثنوی نگاری

مثنوی اُردو کی ایک مقبول صنفِ سخن ہے۔ شاعری کی اصطلاح میں مثنوی ایسی نظم کو کہتے ہیں، جس کا ہر شعر ہم وزن ہو، اور جس میں مطلع کی طرح، قافیہ و ردیف کا التزام رکھا گیا ہو۔ مثنوی کے اشعار غیر مردّف بھی ہوسکتے ہیں۔ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ ایک نظم کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک دوسرے سے غیر مربوط ہوتا ہے جبکہ مثنوی کے اشعار میں تسلسل و ربط کا پایا جانا ضروری ہے۔

مثنوی میں کوئی طویل داستان یا قصہ نظم کیا جاتا ہے اور اس میں ہر قسم کے موضوعات، مضامین، واقعات یا خیالات مفصل بیان ہوسکتے ہیں۔ اسی لیے اردو کے ممتاز نقاد الطاف حسین حالی نے اسے شاعری کی سب سے زیادہ کار آمد اور مفید صنف قرار دیا ہے۔

مثنوی کی ابتدا ایران میں ہوئی، فارسی شاعری کی تقلید میں اردو کے قدیم شاعروں نے مثنوی کی صنف پر بھی طبع آزمائی کی۔ اردو شاعری کا قدیم دور دراصل مثنویوں کا دور رہا ہے۔ یہی صنف قدیم دکنی شاعروں کی سب سے مقبول صنف سخن تھی۔ دکنی کے کم و بیش تمام شاعروں نے مثنوی کی صنف کو اپنی طبع کا موضوع بنایا ہے۔ دکنی کے ممتاز مثنوی نگار شاعروں میں وجہی، غواصی، ابن نشاطی، رستمی، نصرتی اور ہاشمی کے نام اہمیت رکھتے ہیں۔

دکنی دور کے آخری باکمال شعرا ولی اور سراج نے بھی، مثنوی کی صنف پر طبع آزمائی کی ہے۔ شمالی ہند کے دورِ اول کے شعرا جنھوں نے ولی کے اتباع میں شعر گوئی کا آغاز کیا تھا، نے بھی چھوٹی بڑی کامیاب مثنویاں لکھی ہیں۔ ایہام اور ان کے ہم عصر شمالی ہند کے شعرا میر، سودا، اور درد کے زمانے میں مثنوی کی صنف کی مقبولیت غزل کے مقابلے میں کم ہوگئی۔ میر، درد اور ایہام کے دور میں صنفِ غزل

کم و بیش تمام شعرا کی ہر دلعزیز اور مقبول صنف کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

ایمان کے کلیات میں جملہ سات مثنویاں موجود ہیں۔ پروفیسر سید محمد نے "ایمان سخن" میں قیاساً ایمان کی مثنویوں کی تعداد نو دس بتائی ہے[1] حالاں کہ ایمان نے صرف سات مثنویاں لکھی ہیں جن کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں

۱۔ برق زتاب باراں (برسات نامہ) ۲۔ فراق نامہ ۳۔ بنیاب نامہ

۴۔ اشتیاق نامہ ۵۔ خسرو شیریں ۶۔ قیس و لیلیٰ۔ اور ۷۔ مثنوی در تنبیہ حاسد۔

ان میں سے آخر الذکر چار مثنویاں غیر مطبوعہ ہیں جب کہ اول الذکر تین مثنویوں کو پروفیسر سید محمد صاحب نے "ایمان سخن" میں شائع کیا ہے۔

۱۔ **مثنوی برق زتاب باراں :** مثنوی برق زتاب باراں کا دوسرا نام مثنوی برسات بھی ہے دیوان ایمان کے مختلف نسخوں میں اس مثنوی کو کہیں "برق تاب" کہیں برق زتاب باراں اور کہیں مثنوی برسات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ بچانوے اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ایمان کے ذہن کی پیداوار ہے۔ قدیم اردو کی اکثر و بیشتر مثنویاں فارسی، عربی یا سنسکرت زبان کے قصوں کے ترجمہ پر مبنی ہوتی ہیں۔ وجہی کی مثنوی "قطب مشتری" کا قصہ اپنا تھا وجہی کے بعد ایمان کی مثنویاں خود شاعر کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ مثنوی کا آغاز ان اشعار سے ہوا ہے ؎

عجب برسات کی ہے فصل پیاری — کہ جس کا فیض ہے عالم میں جاری
لکھوں کس رنگ سے تعریف اس کی — کہ کاغذ خود بخود ہوتا ابری

مثنوی برق زتاب باراں نیچرل شاعری کا ایک عمدہ اور کامیاب نمونہ ہے اس میں برسات کے مختلف مناظر کی نہ صرف تصویر کشی کی گئی ہے بلکہ ان تصویروں کے

---

[1] ایمان سخن صفحہ ۲۴

ردعمل کے طور پر شاعر کے اپنے جذبات واحساسات کا بھی اظہار موثر طریقے سے کیا گیا ہے۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ شاعر نے قدرت کے مناظر اور فطرت کا گہرائی اور باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے۔ محاوروں کے برمحل وموزوں استعمال سے کلام میں جان پڑ گئی ہے ؎

جہاں کے بیچ آتش کی تشانی — اگر ڈھونڈو تو اب مشکل ہے پانی
تنور گرم سے طوفاں کا ہے جوش — ہوئی آتش برنگ لعل خاموش
سمندر کی یہ سنتے ہیں زبانی — ہوا جاتا ہوں میں بھی پانی پانی
یہ دشت و بر میں بارش کا اثر ہے — کہ خار خشک بھی مژگان تر ہے
خط جادہ ہے ازبس رود پر آب — ہوا ہر نقش پا مانند گرداب

برسات کے موضوع پر میر تقی میر اور نظیر اکبر آبادی نے بھی طویل نظمیں کہی ہیں۔ میر نے اپنی مثنوی میں برسات کا تذکرہ "بلائے ناگہانی" کے طور پر کیا ہے اور اپنے چھت کے ٹپکنے سے پیدا ہونے والی صورت حال کی مختلف کیفیتوں کا نقشہ مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے برخلاف ایمانؔ نظیر اکبر آبادی کی طرح موسم برسات کی مختلف رنگا رنگ کیفیتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے قلب کی کیفیات یا جذبات کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

دکنی مثنویوں میں بیسیوں چھوٹی بڑی مثنویاں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں جذبات واحساسات کی وہ آنچ نہیں ہے جو ایمانؔ یا میرؔ کے یہاں نظر آتی ہے۔ منظر نگاری کے نقطہ نظر سے بھی ایمانؔ کی مثنویوں کی اہمیت مسلّم ہے ؎

ہجوم ابر کا ہے اس قدر جوش — کہ ہے خورشید بھی عالم سے روپوش
جو طوفاں آب کا از غرب تا مشرق — مہ نو کی بھی کشتی ہو گئی غرق
تلاطم بس کہ تا چرخ بریں ہے — نہنگ کہکشاں بھی تہ نشیں ہے

عروج آب کا اتنا ہے طوفاں | پھریں ہنسے بروج حوت و سرطاں
گذر قوس قزح سے بے تامل | فلک پر بھی بندھا ہے ان دلوں پل
نہیں یہ برق اب چمکی ہے ناگاہ | دل مجنوں کی آتش ریز ہے آہ
شرار تیشۂ فرہاد یا ہے | کہ جس نے بے ستوں کو شق کیا ہے

۲۔ مثنوی فراق نامہ:

فراق نامہ ایمان کی ایک مختصر مثنوی ہے جو صرف چوبیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فراق یا عالم جدائی کے جذبات و محسوسات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ ایمان کو جذبات نگاری میں کمال حاصل ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے ؎

سراپا کرم گستر و مہرباں | الٰہی سلامت رکھے جاوداں
تمنا یہاں تک ہے دیدار کی | کہ طاقت نہ تحریر و گفتار کی
اگر باغ میں دیکھے شمشاد کو | کرے یاد اس سرو آزاد کو
کبھو جا پڑے ہے جو گل پر نظر | تو کہتا ہے بلبل سے ہو چشم تر
حکومت چمن کی خدا دے تجھے | میرا مہرباں وہ ملے گر تجھے

۳۔ مثنوی بیتاب نامہ:

"فراق نامہ" کی طرح "بیتاب نامہ" بھی ایک مختصر مثنوی ہے جو صرف ۲۹ اشعار پر پھیلی ہوتی ہے [۱]۔ آغاز اس شعر سے ہوا ہے ؎

سرو گلزار آشنائی | جانِ شیریں دلربائی

---

[۱]۔ ڈاکٹر لیق صلاح نے اس مثنوی کے اشعار کی تعداد ۲۳ بتائی ہے (عہد ارسطو جاہ صفحہ ۲۹۵)

جھنڈ پھرتے ہیں بلبلوں کے ہزار — گلشنوں میں چمن چمن ہے بہار
سرو لہرا رہے کنارِ جو — قمریوں کی ہے جا بجا کوکو

جذبات نگاری سے متعلق چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

کب خوش آتا ہے سیرِ باغ مجھے — دے ہے لالہ جگر پہ داغ مجھے
جب نسیمِ بہار چلتی ہے — تیر سی دل سے ہو نکلتی ہے
دیکھے شبنم کو صبح دم گل پر — اشک آتے ہیں آنکھ میں چل کر
دل میں سلتا ہے بار بار مجھے — ہر رگِ گل ہے خار خار مجھے
دیکھ تالاب میں کنول ہے ہے — جی مرا ڈوب ڈوب جاتا ہے
ربط پروانہ شمع دیکھ بہم ! — جی میں ہوتا ہوں اپنے جل کے بھسم

۵۔ مثنوی خسرو و شیریں :

یہ بھی ایمانؔ کی غیر مطبوعہ مثنوی ہے جو ۱۴۳ اشعار پر محیط ہے۔ پہلا شعر یہ ہے ؎

اے دلبرِ خوبرو بد اطوار ! — توں ایک گل اور ترا رہوں خار

مثنوی خسرو و شیریں کے دو مخطوطوں کا پتا چلتا ہے۔ ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں "مثنوی ایمان"[1] کے نام سے محفوظ ہے اور دوسرا "کلیات ایمان" میں موجود ہے[2]

خسرو و شیریں کے موضوع پر متعدد مثنویاں لکھی گئی ہیں لیکن ایمانؔ نے اپنے رنگین اسلوب اور جدتِ تخیل کی مدد سے اس قصہ میں جان ڈال دی ہے۔ دیگر مثنویوں کی طرح اس میں حمدیہ یا نعتیہ اشعار نہیں ملتے بلکہ آغاز کے ساتھ ہی ایمانؔ نے اپنے معشوق کی تعریف و توصیف شروع کر دی جو شاعر کی جدت پسند طبیعت کی غمازی کرتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

۱؎ "مثنوی ایمان" کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد۔ مخطوطہ ۱۴۸ ۲؎ "کلیات ایمان" ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد مخطوطہ ۱۸

شیریں کو ہوا نہایت اندوہ　　انبوہ ملال کوہ در کوہ
کوئی نہ عزیز برادر !　　جوں کوہ گرا غم اسکے سر پر
شیریں کے بھی عشق نے کیا خوش　　سب عیش و طرب ہوا فراموش

جنگل میں بنا کے ایک محل دور　　قصر شیریں سے جو ہے مشہور
کی ہے ناچار واں اقامت　　اور اپنے ہی ہمرہوں سے صحبت
خسرو نے یہ سن نوید فرحت　　بھیجا شاپور بہر خدمت

نرگس ہے بعینہ اگر چشم　　پر اس میں حیا نہیں بجز چشم
اشراف توان کے یاں وہی ہے　　جس کے کیسے میں اشرفی ہے
ہے جو ذقن مشابہ سیب　　پہنچائے ہے آہ دلکو آسیب

۶۔ مثنوی قیس و لیلیٰ : قیس و لیلیٰ ۲۳۸ اشعار پر پھیلی ہوئی مثنوی ہے فرہاد و شیریں کی طرح قیس و لیلیٰ کا موضوع بھی فرسودہ اور روایتی ہے لیکن شاعر کی ماہرانہ نادر الکلامی، جدت تخیل اور زور بیان کی وجہ سے یہ ایک دلچسپ اور قابل مطالعہ مثنوی ہے۔ ایمان کی شاعرانہ فن کاری اور زور تخیل کی وجہ سے اس میں قیس اور لیلیٰ کے کردار ابھر کر سامنے آئے ہیں مثنوی کا آغاز اس طرح ہوا ہے :

اپنے دل کی تجھے کہوں میں　　دیوانہ عشق قیس ہوں میں

تھا ملک عرب میں اک جواں مرد | جوں دخترِ جاں کے منتخب فرد
اللہ نے دیا تھا مال موفور | تھا سبہ عامری سے مشہور
خلاقِ جہاں نے بعد مدت | فرزند کیا اسے عنایت

قیس کے مکتب میں پڑھنے کا حال ایمان نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

جس دم وہ ہوا چہار سالہ | پڑھنے لگا عشق کا رسالہ
یعنی مکتب میں اس کی مائل | تھی اک دختر پری شمائل
زلف اس کی تھی لیکہ لیلۃ القدر | لیلیٰ نام و مشابہ بہ بدر
دونوں ہم درس تھے شب و روز | باہم غم خوار اور دل سوز

لیلیٰ و قیس کے ایک دوسرے کی مفارقت میں بے چین و بے قرار ہونے کی کیفیت ایمان نے اس طرح پیش کی ہے ؎

لیکن جوں شمع اشک جاری | شعلہ کی طرح بے قراری
یاں قیس ہوا ہے بے خور و خواب | پروانہ مثال بلکہ بیتاب
ہر اک کوچہ میں اور بازار | پڑھتا عشق و جنوں کے اشعار
کوئے لیلیٰ میں جا شب و روز | پڑھتا بیت و غزل جگر سوز
دیکھ اس کے تئیں کمال مفتوں | لڑکوں نے رکھا ہے نام مجنوں
لیلیٰ غرفہ سے کر نگاہیں | بھرتی تھی خموش سرد آہیں

ایمان کا بیان ہے کہ لیلیٰ کے فراق و جدائی میں مجنوں اسقدر دیوانہ و فریفتہ ہو گیا تھا کہ ہر جگہ پتھر کے بت کی طرح بیٹھ جایا کرتا تھا اور اس کو یہ بھی احساس نہیں رہا کہ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر پرندے اس کے سر پر اپنا آشیانہ بنا چکے ہیں ؎

بیٹھا جس جا تو بن گیا نخل | ہوش و حرکت کو کچھ نہ تھا دخل

آخر کو طیور نے کئی بار | کر جمع ہزار ہا خس و خار
باندھا سر بر ہے آشیانہ | بچوں کو دیا ہے آب و دانہ

غرض یہ ایک دلچسپ اور طویل مثنوی ہے جسکا اختتام فلسفیانہ خیالات سے ہوتا ہے۔

جس جا ہے کہ مختفی ہو اک نز | کیجے نہ طلسم کا وہاں طنز
ہے قیس کدھر کدھر ہے مجنوں | لیلی باقی ہے میں کہاں ہوں
قطرہ ملتا ہے بحر سے جب | پھر اس کو کہیں گے بحر ہی سب
دریا دریا ہی جو طرف ہے | گوہر ہے کہاں کہاں صدف ہے
یہ کہہ کے کیا ہے چاک جامہ | اور فرق سے بھی اتار جامہ
دوڑا تا صحرا کی سمت یکبار | پڑھتا ہوا عاشقانہ اشعار
پایا صحرا میں کنج آخر | باقی نہ رہا ہے رنج آخر
کہتا تھا جو کچھ کہ شعر حالی | یا کوئی قصیدہ وصالی
کرتا تھا وہ زید سب قلم بند | مجنوں ہوتا تھا دیکھ خورسند

۷۔ مثنوی در تنبیہ حاسد :

ایمان کی یہ غیر مطبوعہ مختصر مثنوی صرف پندرہ اشعار پر محیط ہے جس میں حسد کی برائیوں کے بارے میں اظہار کیا گیا ہے۔ ایمان نے اس مثنوی میں "شیر" اور "کتے" کو تمثیلی علامتوں کے طور پر پیش کیا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ شیر تمام جانوروں پر فوقیت رکھتا ہے اور کوئی بھی جانور اسکی برابری نہیں کر سکتا۔ مثنوی کا آغاز درج ذیل اشعار سے ہوا ہے ؎

ایک جنگل میں سگِ مردار تھا | شیر کے وہ درپئے آزار تھا
رات دن روباہ بازی میں رہے | غائبانہ شیر کے عیوب بد کہے

روبرو بھی لاوے گیدڑ بھبکیاں	بیٹھ کر اپنے سگوں کے درمیاں

لیکن شیر اسقدر جاندار اور طاقتور جانور ہے کہ اگر اس کے روبرو سینکڑوں کتے بھی آجائیں تو ایک آن میں وہ سب کو چیر ڈالے ؎

شیر کے آویں اگر میدان میں	چیر ڈالے سینکڑوں یک آن میں

شیر چاہے "قالین" کا ہو یا "نیستاں" کا بہر صورت وہ کتے (سگ) کے لیے خطرناک ثابت ہوگا ؎

شیر قالیں ہو کہ شیر نیستاں	ہر دو صورت میں ہے سگ کا جاں ستاں

مثنوی کے اختتامی اشعار میں ایمان کہتے ہیں کہ شیر کا سلسلہ نام کی مناسبت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ (شیر خدا) تک پہنچتا ہے۔ اسی لیے شیر کے نام کی وہ توقیر کرتے ہیں۔

نام کا ہے شیر کے کیا مرتبا	سلسلہ پہنچے ہے تا شیر خدا

رباعی نگاری

رباعی کا لفظ عربی لفظ " ربع " سے بنا ہے، جس کے معنی "چار" کے ہیں ـــ رباعی ایک مختصر ترین نظم ہے جو صرف چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ رباعی گو شاعر صرف چار مصرعوں میں فکر و خیال کے اعتبار سے ایک مکمل مضمون پیش کرتا ہے۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے اور تیسرے مصرعے میں قافیے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔

رباعی اردو کی ایک مقبول صنف سخن ہے۔ اس کا نام پہلے ترانہ تھا بعد میں اس کا نام "دوبیتی" بھی مشہور ہوا۔ رباعی کے تمام مصرعے ایک مخصوص بحر میں ہوتے ہیں یہ " لا حول ولا قوۃ الا باللہ " سے اس کی بحر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ رباعی کا آخری مصرع زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسی مصرعے میں ابتدائی تینوں مصرعوں کا نچوڑ پیش کیا جاتا ہے شاعر کا مدعا، دراصل اختصار کے ساتھ چوتھے مصرعے ہی میں ادا ہو جاتا ہے۔

صنف رباعی میں، مذہبی، فلسفیانہ، اصلاحی، اخلاقی، عشقیہ ہر قسم کے مضامین پیش کیے جا سکتے ہیں۔ رباعی اگرچہ عربی لفظ ہے لیکن بحیثیت صنف شاعری یہ ایران کی پیداوار ہے۔

دیگر اصناف شاعری کی طرح اردو رباعیاں بھی دکنی دور میں ملتی ہیں۔ قدیم دکنی کے اہم رباعی نگار شعرا میں محمد قلی، غواصی، شاہی، نصرتی، ولی اور سراج کے نام قابل ذکر ہیں۔ دبستان دکن کے شاعروں کے بعد جن شعرا نے رباعی کی صنف پر بطور خاص طبع آزمائی کی ان میں، درد، سودا، میر، انیس، حالی، اکبر امجد، یگانہ، جوش اور فراق اہمیت رکھتے ہیں۔

ایمانؔ کے کلام میں، غزل، قصیدہ اور مثنوی کے بعد رباعی ہی سب سے اہم صنفِ سخن ہے۔ ان کے کلیات میں اکہتر (۷۱) رباعیاں موجود ہیں۔[1] موضوع اور مضامین کے اعتبار سے ایمانؔ کی رباعیوں میں بڑا تنوّع، رنگا رنگی اور بوقلمونی نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے محسوسات، مشاہدات اور رنگا رنگ تجربات زندگی کو فن کاری کے ساتھ رباعی کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ ان کے یہاں عشقیہ، خمریاتی، طنزیہ عارفانہ، مدحیہ، تاریخی، منقبتی یا رثائیہ ہر قسم کی رباعیاں موجود ہیں۔

عشقیہ رباعیاں:

عشق و محبت، اور فراق و وصال کی ترجمانی صنفِ رباعی کا ایک مخصوص موضوع ہے۔ غزلوں کی طرح ایمانؔ نے اپنی رباعیوں میں بھی جذبات عشق کی بڑی دلکش تصویریں پیش کی ہیں۔ ان کی عاشقانہ رنگ کی رباعیوں میں تغزل کی چھاپ نمایاں ہے۔ اس قبیل کی رباعیوں میں ایمانؔ نے نہ صرف عشق و محبّت کے لطیف جذبات کو بے نقاب کیا ہے، محبوب کے حسن و جمال کی داد دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ فراق و ہجر کی بیکراں تنہائیوں اور صبر آزما گھڑیوں میں عاشق کی حالتِ زار کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ چند رباعیاں ملاحظہ کیجئے:

حسن و عشق:

وہ سیم بدن ہے باکر دردانہ — مژگاں پہ ہے زلف کا حبس کشانہ
جوں شمع عرق ریز ہو وہ سیمیں تن — دیکھے جو نگاہِ کرم سے پروانہ

---

[1] ان رباعیوں کے علاوہ دو ایک رباعیاں "مجموعہ فصاحت" (قلمی) میں بھی ملتی ہیں، جنھیں متن میں شامل کیا گیا ہے۔

آنے کی جو گلبدن کے پائی آہٹ
نرگس کی گئی چمن میں جھٹ نیند اُچٹ
شمشاد نے غرض سر و قد دی تعظیم
غنچے لینے لگے بلائیں چٹ پٹ

ہجر و فراق :

جب سے کہ گیا ہے وہ صنوبر بالا
ہر صبح قیامت سے پڑا ہے پالا
کب تلک دیکھوں غم و مصیبت
ہر شام فراق کا کہیں منہ کالا

کیا کہیے فراق بیچ شب کی شدت
دن کچھ بھی بھلا خصوص شب کی شدت
کافور بھی فائدہ نہ بخشے جوں شمع
ہے آتش ہجر میں غضب کی شدت

خمریاتی رباعیاں

ایمان درباری شاعر تھے، بادشاہوں، نوابوں اور امرا کی عیش و طرب کی محفلوں میں انہیں بیٹھنے اٹھنے کا موقع ملا ہے۔ اس لیے ان کے کلام میں بادہ و جام کا تذکرہ یا خمریہ شاعری کا پایا جانا ایک فطری بات ہے۔ ایمان کی خمریاتی رباعیوں کے مطالعہ سے ایک طرف عمر خیام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے تو دوسری طرف جوش ملیح آبادی اور ریاض خیر آبادی کے اسی قبیل کے اشعار ذہن میں گونجنے لگتے ہیں۔ چند رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

جس دم کہ ہوائے برشگالی ہووے
شیشہ میں شراب پرتگالی ہووے
اللہ ہی اللہ ہے اس وقت اگر
آغوش میں یار لاابالی ہووے

اے ساقی بزم عیش و عشرت بنیاد
ہے دور میں تیرے مست ہر اک دلشاد
اک شیشہ ادھر بھی بھیج دیجو گا ہے
خم خانہ ترا مدام رہیو آباد

وعدہ جو کیا ہے سو شتابی بھیجو!
پر شرط ہے یہ کہ انتخابی بھیجو
دیکھے سے ہو تازہ و مسرت جس کے
اک ایسی شراب کی گلابی بھیجو

عارفانہ رباعیاں : عرفان اور معرفت رباعی کے خاص موضوعات رہے ہیں۔ فارسی شاعری میں عارفانہ رنگ کی رباعیوں کے وافر نمونے ملتے ہیں۔ دکنی شعرا کے یہاں بھی فلسفہ و تصوف، عرفان و حقیقت کے موضوع پر رباعیاں ملتی ہیں۔ ایمان کے ہم عصر درد نے اس موضوع پر بڑی دلکش اور پر اثر رباعیاں کہی ہیں۔ ایمان کے یہاں اخلاق و حکمت اور تصوف و عرفان کے موضوع پر بہت کم رباعیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ رباعیاں زبان و بیان کی خوبی اور صفائی اور استادانہ فن کاری کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہیں۔

مطلوب ہے وہ شراب اے اہل شعور / درکار نہ صندل کی نہ قندی منظور
کیفیت نشہ میں ہو ایسی ندرت / ہو جس سے کہ آب آب انگور
ہو عاشق صادق نہ خبر کا محتاج / بس دل کی تپش زبان و پر کا محتاج
جس کو کہ نہیں عشق ہے کامل حاصل / فریاد و فغاں کے ہے اثر کا محتاج

مدحیہ رباعیاں :

ایمان چوں کہ ایک درباری شاعر تھے۔ اس لیے بادشاہوں، نوابوں اور رئیسوں کی تعریف میں انہوں نے مدحیہ قصیدے اور قطعات بھی کہے ہیں اور رباعیاں بھی۔ ایمان کی مدحیہ رباعیاں زیادہ تر بادشاہوں اور وزرا کی تعریف و توصیف ملتی ہے، بعض رباعیاں انہوں نے مختلف موقعوں پر تہنیت کے طور پر بھی لکھی ہیں۔

ہر دم ہو شہنشاہ کو مولا کی مدد / اور زندگی خضر و نشاطِ سرمد
یوں سالگرہ سے ہووے نت عمر فزوں / جوں صفر کو دیتے سے ہو دو چند عدد
—
تو وہ ہے چراغِ دودمانِ کسریٰ / روشن ہوا ہے جس سے خاندانِ کسریٰ
یارب اقبال و فتح و نصرت سے مدام / قائم رہے جگ میں نشانِ کسریٰ

منقبتی اور رثائیہ رباعیاں رباعی ایک مختصر ترین نظم ہے جس میں شاعروں نے

نئے نئے مضامین باندھنے کی کوشش کی ہے۔ مرثیہ گو شاعروں نے اس صنف سخن میں منظر نگاری اور رثائی مضامین پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ خصوصاً میر انیس مرزا دبیر اور دوسرے مرثیہ نگاروں کے یہاں منقبتی اور رثائیہ رباعیاں کثیر تعداد میں ملتی ہیں۔ ایمان کے کلام میں بھی رثائیہ اور منقبتی رباعیوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ ان رباعیوں سے ایمان کی حضرت امام حسین سے والہانہ عقیدت مندی کا پتا چلتا ہے۔

چند رباعیاں دیکھیے:

اس بزم میں ہے تعزیہ شاہ شہیداں ہر شمع ہے اب شمع تلک گریہ کناں
تشریف وہ یاں شب کے تئیں لاوے آج جو شخص کہ شبیر کا ہو مرثیہ خواں

امت پہ شفاعت کا ہے احسان حسین کیوں کر نہ دل و جان سے ہو قربان حسین
واجب ہے کہ تشریف وہ لاوے شب کو جو شخص کہ ہووے مرثیہ خوان حسین

طنزیہ رباعیاں

میخانے میں کل شیخ جو آیا ناگاہ گم کر گئے ہیں تار میں تسبیح کی راہ
میں دیکھتے ہی طلعت جبیں کو کہا لاحول ولا قوت الا باللہ

تاریخی اور تہنیتی رباعیاں

ایمان کو تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ انھوں نے کئی تاریخی قطعات موزوں کیے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تاریخی رباعیاں بھی کہی ہیں۔ ایک تاریخی رباعی ملاحظہ کیجیے جس کے آخری مصرعے سے ۱۱۷۹ھ برآمد ہوتا ہے۔

رخ سے خورشید سعادت کا ہے ظاہر لامع اور پیشانی سے نور عبادت ساطع
تہنیت کے لیے یہ مصرعہ تاریخ لکھا نیک ہوں سالگرہ تم کو مبارک طالع

۱۱۷۹ھ

مستزاد رباعیاں کلیاتِ ایمان میں چھ مستزاد رباعیاں بھی موجود ہیں جن کے مطالعہ سے شاعر کے ندرت تخیل اور قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ صرف ایک رباعی ملاحظہ کیجئے۔

ہے شاہ کو تجھ سے چشم دولت خواہی — اے فخرِ زماں
درویش کو امید ہے لطف شاہی — اور شوکت و شاں
حاصل کہ تری ذات ہے اب مرجعِ کل — کیا شاہ و گدا
روشن یہ سخن ہے مہ سے لے تا ماہی — بے ریب و گماں

متفرقات

ایمان نے صنفِ غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعی کے علاوہ شاعری کی دیگر ہیئتوں (FORMS) جیسے نامہ منظوم (مثنوی)، مثلث مخمس، مسدس، قطعات وغیرہ میں طبع آزمائی کر کے اپنی قادر الکلامی اور فنی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔

نامۂ منظوم:- ایمان نے "نامۂ منظوم" کے نام سے اردو میں چار منظوم خطوط بھی لکھے ہیں۔ یہ خطوط، منظوم اردو مکاتیب کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہیئت (FORM) کے اعتبار سے یہ خطوط دراصل مختصر مثنویاں ہیں۔ جہاں تک اردو میں منظوم مکتوب نگاری کا تعلق ہے اس کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔ اس سلسلہ میں غالب، شبلی، اقبال اور اکبر آبادی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

ایمان کے چاروں خطوط غیر مطبوعہ ہیں اور اس میں اپنے محبوب کو مخاطب کیا ہے کہ پہلا خط ۱۹ اشعار پر مشتمل ہے جس میں "باوفا عاشق" کو مخاطب کر کے اس کی موزونی طبع اور فصیح گفتاری کی تعریف کی گئی ہے اور اس کے پچھلے منظوم خط کے پہنچنے اطلاع بھی دی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مکتوب الیہ کی شیریں بیانی کی

داد دی گئی ہے ؎

اے عاشق باوفا و جاں باز — عشاق کی فوج بیچ ممتاز
موزوں طبع و فصیح گفتار — شیریں سر و لطیف اشعار
نامہ پہنچا بصد فصاحت — دل کو بخشا عجب ہے راحت
مصرع تھا ہر ایک سرو موزوں — رنگیں تھا نپٹ ہی جسکا مضموں

دوسرا "نامہ منظومہ" چودہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس خط میں ایمان نے "جادۂ عشق" میں محبوب کے ثابت قدم رہنے کی دعا کی ہے اور شمع و پروانہ اور گل و عندلیب کے حوالے دیتے ہوئے کہتے ہیں ایسے چاہنے والے مشکل سے ملتے ہیں ؎

جادہ عشق پر قدم قائم — حق تعالیٰ ترا رکھے دائم
شمع پر جاں نثار پروانہ — گل پہ ہو عندلیب دیوانہ
کہاں ایسا ہے چاہنے والا — زندگی بھر نباہنے والا

آگے چل کر کہتے ہیں کہ ہم اپنے محبوب میں یہ تمام خوبیاں پاتے ہیں اسلئے ہم اس پر فدا ہیں ؎

تم میں سب خوبیاں یہ پاتے ہیں — اس لیے ہم بھی دل لگاتے ہیں

تیسرے خط میں ایمان نے مکتوب الیہ کے اشعار کو "گوہر" سے تشبیہہ دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی نثر کے "جوہر" کی بھی ستائش کی ہے ؎

اشعار تیرے گویا ہیں گوہر — ہے نثر کا بھی سب تجھ میں جوہر

یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کا "نامہ موزوں" مجھے مل گیا۔ اس کی دلکش عبارت اور تازہ مضمون کی تعریف اس طرح کی ہے کہ خط کے معنی و مفہوم تک رسائی بہ مشکل ہو پاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اس طرح کی خط و کتابت سے "خاطر" پہ "کدورت" نہیں آنی چاہیئے۔ اگر آپ نے بنا ہوجانے

تو یہ "فہم غلط" ہے ؂

موزوں تمہارا پہنچا ہے نامہ | مژگان آہو جس کا خامہ
مضمون تازہ اس میں تھے مرقوم | دقت سے معنی ہوتے تھے معلوم
تھی نثر میں یہ ترقیم نادر | تک ایک شکوہ ہوتا تھا صادر
یعنی کہ اپنی خط و کتابت | خاطر پہ لائے شاید کدورت
یہ حرف صاحب فہم غلط ہے | ہم کو محبت تم سے فقط ہے

خط کے آخری شعر میں مکتوب الیہ کی سلامتی کے لیے اس طرح دعا دی ہے ؂

اللہ تجھ کو رکھے سلامت | با ذوق انست با شوق والفت

ایمان کا چوتھا اور آخری منظوم خط ۲۰ اشعار پر مشتمل ہے اس کا آغاز کرتے ہوئے وہ مکتوب الیہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں ؂

ہر بال بدل صاحب کرم | ناظم سخن فطرت اتم
عاشق تیری ہے نپٹ غضب | دیکھ کر جسے ہو یہ عجب

آگے چل کر مکتوب الیہ کی نثر نگاری اور شاعری کی تعریف اس طرح کرتے ہیں ؂

نثر میں تجھے دسترس کمال | نظم میں رسا ہے تیرا خیال
مثنوی نمط نامہ جو لکھا | دیکھ کر اسے دل تو خوش ہوا

ایمان کہتے ہیں کہ میں "نامہ اس لیے بارہا" لکھتا ہوں کہ جب تک آپ کی جانب سے "پیام" نہیں آتا میں تمہاری یاد میں بے قرار رہتا ہوں ؂

جب تلک نہیں آوے ہے پیام | یاد کے سوا کچھ نہیں ہے کام
ہم تو سب طرح تجھ سے خوش ہوئے | نامہ اس لیے بارہا لکھے

نامہ "وصل" یا ملاقات کا بدل نہیں ہوتا البتہ اس کو نصف ملاقات ضرور کہہ سکتے ہیں۔ ایمان کہتے ہیں کہ نامہ کے ذریعے "ہجر کا مرض" دور نہیں ہو سکتا۔ اپنا

مدّعا بیان کرنے کے بعد وہ مکتوب الیہ کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں :-

وصل ایک دن ہووے گی غرض ۔۔۔۔ دفع کیوں نہ ہو ہجر کا مرض
مدعا جو تھا سو ہوا ادا ! ۔۔۔۔ خوش رکھے خدا آپ کو سدا

ایمان کی دیگر منظومات میں دو مثلث، چند مسدس، چند قطعات اور بارہ مخمس دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک مثلث "کلیات ایمان" میں موجود ہے جسے پروفیسر سید محمد نے "ایمان سخن" میں بھی شائع کیا ہے۔ دوسرا مثلث ایک قلمی بیاض[۱] میں موجود ہے۔ ان مثلثوں کے پہلے بند بالترتیب یہ ہیں۔

اے صنم بلند اختر، سرو قد، چمن پیکر ۔۔۔۔ غنچہ لب دہن کوثر، زلف و رخ مہ و عنبر
یہی ہے ہوس تجھے بہتر میں رہوں سدا مضطر

اے غنچہ دہن گل رو، خوش چشم ہلال ابرو ۔۔۔۔ شمشاد قد و دلجو، پر پیچ سیہ گیسو
باتیں ہیں تیری جادو، آشفتہ نہ کر مجھ کو

جہاں تک ایمان کے مخمسات کا تعلق ہے راقمۃ السطور کو بارہ مخمسات کا پتا چلا ہے۔ ڈاکٹر لیق صلاح نے ایمان کے جملہ مخمسات کی تعداد دس بتائی ہے۔[۲] پروفیسر سید محمد نے "ایمان سخن" میں ایمان کے سات مخمسوں کے منتخب بند شائع کیے ہیں۔ ان مخمسات کے علاوہ ایمان کے پانچ غیر مطبوعہ مخمس اور ہیں جن کے ابتدائی اور آخری درج ذیل ہیں :-

پہلا مخمس حسرت عظیم آبادی کے شعر پر کہی ہوئی تضمین ہے

---

۱ - بیاض نمبر ۶ - کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد
۲ - عہد آصفجاہ - صفحہ ۱۹۱

یہ رُت برسات کی ساتھی ترے بن کب سہانی ہے پپیہے کی صدا پی پی مجھے ہر دم ستاتی ہے
ادھر کو مور کی آواز اور کوئل سناتی ہے اکیلا دیکھ مجھ مخمور کو بدلی ڈراتی ہے
گرج کڑکڑ ڈانٹ کر بجلی کی چمکاہٹ ڈراتی ہے

چمن کے بیچ اب ایمان پہنچے جشن کو نوبت کرے ہے آشیاں گل میں بیٹھیں بلبلیں راحت
یہ ساقی شعلہ رو کے بن کسے یاں عیش اور عشرت بہار اس موسم برسات کی آئی ہے پر حسرت
مجھے رہ رہ کے یاد اپنے دلوانے جی کی آتی ہے

دوسرا غیر مطبوعہ مخمس دراصل انشا کے شعر پر تضمین ہے۔ اس مسدس کا پہلا اور آخری بند ملاحظہ کیجئے۔

بیزار رات دن رہیں ہر چند اپنے جی سے ہم بھی اگر جہاں بس ہیں قسم آدمی سے
تو کس طرح خفا ہوں اب حرف واجبی سے واقف جو ہم نہیں ہیں اس بزم میں کسی سے
ہیں کیا غریب بیٹھے چپ چاپ اجنبی سے

ایمان سے ہمیشہ آگاہ تجھکو رکھے دولت سے دو جہاں کی دلخواہ تجھکو رکھے
آرام و عافیت سے ہر ماہ تجھکو رکھے تو اور سنئے ہے انشا اللہ تجھکو رکھے
مسرور و شاد و فرحاں ہر دم ہنسی خوشی سے

تیسرا مخمس قائم کے شعر کی تضمین ہے۔

ہم تو واقف ہی نہ تھے عشق کی بیماری سے اور نہ اس تیرہ شب ہجر کی بیماری سے
کچھ سروکار نہیں تھا کسی دشواری سے شکوہ اغیار سے نہ یار کی بیزاری سے
جو ہوا ہم پہ سوا اس دل کی گرفتاری سے

تجھ سے یہ عرض ہے ایمان کی اے خوش باطن ہے کارندی کے سزاوار جوانی کا سن
بس زیادہ نہ خرابات کا ہو اب ساکن واہ قائم نہ تیری آنکھ جھپکی ایک دن
ابر روتا ہے سدا خوف سیہ کاری سے

تھا غیر مطبوعہ مخمس انشاؔ کے اشعار کی تضمین ہے۔

غنچہ جو اس قدر سے چپ ہو رہا چمن میں — ہے خارے سکے قابل یہ مدعا چمن میں
نرگس نے پھر نہ دیکھا جب آنکھ اٹھا چمن میں — بیٹھا ہے گل بھی اپنے سر کو جھکا چمن میں

کیا جانے کس نے کس سے کیا کہہ گیا چمن میں

آج ہی تو کام آیا گلزار کا نظّارہ — ایمان کی قسم ہے کیوں کیجئے کنارہ
میں صدقے اس کے انشاؔ مجھکو جو کر اشارہ — یہ اتفاق نادر ہوتا ہے کب دوبارہ

مہندی کی ٹٹیوں کے اوجھل چھپا چمن میں

چوتھا اور پانچواں غیر مطبوعہ مخمس نعت و منقبت میں ہے۔ چوتھے مخمس میں حضرت محمد صلعم کی نعت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت ایک ساتھ کی گئی ہے۔ اور آخری مخمس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ہے۔ ان مخمسات کے پہلے اور آخری بند درج ذیل ہیں۔

جوں مہ و مہر یاں نبی و علی — دیکھ لے ہیں عیاں نبی و علی
یک دل و یک زباں نبی و علی — پر جدے ہوں کہاں نبی و علی

گر تو ایمان نبی و علی ؟

نہ کر اپنے حواس کو مختل — خوش ہو ایمان فکر و غم سے نکل
در حضور خدائے عز و جل — نہ ہوا تجھ سے گو کہ نیک عمل

شافع عاصیاں نبی و علی

نازل تری ہی شان میں ہے انّما مولا علی — مداح تیرا جا بجا ہے گا خدا مولا علی
دونوں جہاں کے بیچ میں ہے یہ صدا مولا علی — تو ہے اخی مصطفیٰ اور رہنما مولا علی

بدر الدجیٰ مولا علی شمس الضحیٰ مولا علی

تجھ آستاں پر مہر و مہ دن رات گھستے ہیں جبیں — ایماںؔ صدق جان سے ہوگا غلام کمترین
تیرے سوا اس کا کوئی کونین میں حامی نہیں — ہر ایک دم صبح و مسا یہ ورد ہے یا شاہ دیں

حاجت روا مولا علی مشکل کشا مولا علی

ایماںؔ کے چند مسدس بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ "ایمان سخن" میں موجود مسدس کے علاوہ "مجموعہ فصاحت" میں ایک غیر مطبوعہ سترہ بندوں پر مشتمل مسدس بھی ہے۔ اس کا ابتدائی بند درج ذیل ہے۔

کیا کروں اب فلک گرگ فضائل کا بیاں — یا کہوں قصہ بے مہری اخوان زماں
گم ہوا تھا جو شب ہند میں خورشید یہاں — چشم یعقوب کے مانند تھے انجم نگراں

یوسف اب مصر سے آیا جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بے جان کے بیچ

ایماںؔ کی دیگر تصانیف

ایماںؔ نہ صرف اپنے وقت کے ایک مشہور استاد سخن، پرگو اور صاحب دیوان شاعر تھے، بلکہ عروض و قافیہ و زبان اور فن شاعری کے ماہر بھی تھے۔ ان کے اردو کلیات کے علاوہ دیگر تصانیف یہ ہیں۔ "گلدستۂ گفتار"۔ "سردار نامہ سطرنج"۔ "رسالۂ عروض و قافیہ" اور "فن علم زبان" کے نام ملتے ہیں۔

گلدستۂ گفتار: گلدستۂ گفتار جس کا دوسرا نام "رسالہ ضلع جگت" بھی ہے، ایماںؔ کی ایک غیر مطبوعہ اور قابل قدر تصنیف ہے جس کا موضوع ضلع جگت اور صنائع بدائع ہے[۱]۔ ایماںؔ نے اس کتاب میں مختلف الفاظ اور ان سے تعلق رکھنے والے

---

[۱] پروفیسر سید محمد - ایمان سخن صفحہ ۲۳

متعدد لفظوں کو ایکساتھ جمع کر دیا ہے۔ مثلاً طبابت کے ساتھ نبض شناس۔ تشخیص۔ پرہیز۔ دق۔ معجون۔ لاعلاج وغیرہ۔ اس سلسلہ میں جتنی بھی مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ خود مصنف کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی گلدستۂ گفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"گلدستۂ گفتار ایمان کی وہ منفرد تصنیف ہے جس میں انہوں نے ضلع کے فن کو نہ صرف اپنے اشعار سے واضح کیا ہے بلکہ وہ مترادفات بھی دیئے ہیں جن کی مدد سے شعر یا عبارت میں ضلع پیدا کیا جا سکتا ہے۔" [۱]

ڈاکٹر لئیق صلاح نے "گلدستۂ گفتار" کے صرف سات قلمی نسخوں کی نشاندہی کی ہے [۲] حالاں کہ اس کتاب کے دس نسخوں کا پتا چلتا ہے۔ درج ذیل تین نسخوں سے لئیق صلاح ناواقف ہیں۔

۱۔ گلدستۂ گفتار۔ مخزونہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد (تذکرہ مخطوطات جلد ششم ص۲۶)

۲۔ گلدستۂ گفتار۔ مخزونہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی (مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی جلد اول۔ مجموعہ پنج کتب نشان سلسلہ ۲۱۹ صفحہ ۱۴۰)

۳۔ گلدستۂ گفتار۔ مخزونہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی (مخطوطات انجمن۔ افسر صدیقی جلد سوم ۱۹۷۵ء۔ صفحہ ۷۹ نشان سلسلہ ۱۱۲۱)

ڈاکٹر لئیق صلاح نے گلدستۂ گفتار کا مصرع تاریخ اس طرح درج کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ ع

"گلدستۂ گفتار رکھا بے کم و کاست" [۳]

پروفیسر سروری نے "فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ" میں اور ڈاکٹر

۱۔ تاریخ ادب اردو جلد دوم (حصہ دوم) ص۹۷۲ ۔ ۲۔ عہد ارسطو جاہ ص۵۰۶

۳۔ عہد ارسطو جاہ۔ ص۵۱۰۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو (جلد دوم) میں یہ مصرع یوں لکھا ہے؎

"گلدستہ گفتار" کہا ہے کم و کاست

"گلدستہ گفتار" اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے اس کی تاریخ تصنیف ۱۲۲۰ھ نکلتی ہے۔

سردار نامہ شطرنج : ایمان نے فارسی زبان میں "سردار نامہ شطرنج" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا تھا، جس میں شطرنج کے متعلق چھ قسم کے معرکے درج کیے ہیں۔ ایمان شطرنج کے ایک اچھے کھلاڑی تھے۔ انہوں نے اس کھیل کے شائقین کے لیے یہ رسالہ تصنیف کیا ہے۔ ایمان کہتے ہیں کہ دیگر کھیلوں کے مقابلے میں شطرنج ایک دلچسپ کھیل ہے جس سے دماغ روشن ہوتے ہیں۔ "سردار نامہ" ۱۲۱۲ھ کی تصنیف ہے۔

ڈاکٹر لیق صلاح کو "سردار نامہ" کے صرف ایک ہی نسخہ تک رسائی حاصل ہوسکی جو اورینٹل مینس کرپٹ لائبریری کی زینت ہے۔ اس کتاب کا ایک اور مخطوط کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص میں بھی موجود ہے[1]۔ متذکرہ بالا کتب کے علاوہ ایمان کی دو اور غیر مطبوعہ تصانیف کا پتا چلتا ہے۔[2] "رسالہ عروض و قافیہ" اور "فن علم زبان"۔ اول الذکر کتاب نایاب ہے۔ جب کہ آخر الذکر تصنیف کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں" "فن علم زبان" عمر یافعی کے پاس تھا جس کا ذکر انہوں نے "دیوان ایمان" کے مخطوطے کے سرورق پر کیا ہے اور ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے"[3]۔ راقمۃ السطور کو تلاش کے باوجود (کتب خانہ آصفیہ / اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری میں) "فن علم زبان" کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو جلد دوم صفحہ ۹۷۱ (فٹ نوٹ)

[2] لیق صلاح نے اپنی کتاب عہد آصف جاہ میں ان کتابوں کا تذکرہ نہیں کیا۔

[3] تاریخ ادب اردو جلد دوم صفحہ ۹۷۱ (فٹ نوٹ)

دیوانِ ایمان کے قلمی نسخے

شیر محمد خاں ایمان کے دیوان کے جملہ سات مخطوطات کا پتا چلتا ہے۔ ایک مخطوطہ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری حیدرآباد (کتب خانۂ آصفیہ) کی زینت ہے۔ ایک کتب خانۂ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔ دو نسخے ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد میں موجود ہیں۔ ایک نسخہ کتب خانہ جامعۂ عثمانیہ کی ملکیت ہے اور دو نسخے انجمن ترقی اردو کراچی (پاکستان) کے کتب خانہ خاص میں محفوظ ہیں۔ دواوین ایمان کے "قطع نظر" ایمان کا کچھ کلام "مجموعۂ فصاحت" (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ میں بھی موجود ہے۔ ذیل میں ان مخطوطات کی مختصر توضیح پیش کی جاتی ہے۔

ا۔ نسخہ "الف" اورینٹل مینس کرپٹ لائبریری کا یہ نسخہ جس کا نشان نصیر الدین ہاشمی صاحب نے (۶۸ شاملات) مقرر کیا ہے۔ دیوان ایمان کے دیگر نسخوں کے مقابلے میں مکمل ہے۔ مخطوطے کا آغاز حمد سے ہوا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

الٰہی شکر جاری ہے زبان پر دمبدم تیرا ۔۔۔ کہ بخشا جان و ایماں ہے نہایت ہے کرم تیرا

حمد کے بعد تین سو دس غزلیں ہیں۔ جن کے اشعار کی تعداد ۲۴۷۵ ہوتی ہے۔ غزلوں کے بعد رباعیاں ہیں۔ جن کی تعداد اکہتر (۷۱) ہے۔ اس کے بعد ایک مثلث اور نو مخمس ہیں۔ مخمسات کے بعد مسدس سات شامل کیے گئے ہیں جس میں میر، سودا، قائم وغیرہ کے اشعار پر تضمین کی گئی ہے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل چار مثنویاں نقل کی گئی ہیں۔

۱۔ مثنوی برق تاب باراں	۹۵	اشعار
۲۔ مثنوی بیتاب نامہ	۲۷	اشعار
۳۔ مثنوی اشتیاق نامہ	۵	اشعار

۴۔ مثنوی فراق نامہ ۴۴ اشعار

مثنویوں کے بعد قصائد درج کیے گیے ہیں۔ پہلا قصیدہ نعتیہ ہے جس کے اشعار کی تعداد چونتیس (۳۴) ہے۔ اس کے بعد بالترتیب دیگر قصائد کے عنوانات یہ ہیں،

1۔ قصیدہ در منقبت امیر المومنین علیہ السلام
۲۔ قصیدہ در مدح خسرو شش صوبہ دکن یعنی میر نظام علی خاں بہادر
۳۔ قصیدہ مشتمل بر جشن نوروز و سال گرہ
۴۔ قصیدہ بہاریہ در جشن نوروز و سال گرہ
۵۔ قصیدہ ہتابیہ
۶۔ قصیدہ در تہنیت شادی
۷۔ قصیدہ

ان قصائد کے بعد کی منظومات اس طرح ہیں

۱۔ نامئہ منظوم ۲۔ مثنوی در تنبیہ حاسد ۳۔ نعت و منقبت ۴۔ منقبت
۵۔ مثنوی خسرو و شیریں اور آخر میں مثنوی قیس و لیلیٰ درج کی گئی ہے۔ مخطوطے کا اختتام اس شعر پر ہوتا ہے ؎

کرتا تھا وہ زیدسب قلم بند مجنوں ہوتا تھا دیکھ کر خورسند

تاریخ تصنیف ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۰ء سنہ کتابت ۱۲۴۱ھ
تقطیع ۵ ۱۵" × ۸" ۔صفحات ۵۱۴ ۔سطور ۱۱ فی صفحہ۔ خط نستعلیق
ترقیمہ : " دیوان شیر محمد خاں تخلص ایمان بتاریخ بست و چہارم شہر شوال ۱۲۴۸ھ روز یکشنبہ بوقت سہ پہر حسن اختتام رسید۔ مالک سرمست خاں۔"

۲۔ نسخہ "ب" : دیوان ایمان کا یہ مخطوطہ جس کا نشان ۵۵ ۴ قرار دیا گیا ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد کی ملکیت ہے۔ اس نسخہ کا آغاز بھی حمدیہ غزل سے ہوا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

کب مجھ سے شکر ہوے بیاں اوس کریم کا عالم نواز جو کہ ہے گنج عمیم کا

اس دیوان میں ردیف وار صرف غزلیں ہی ہیں۔ اکثر مقامات پر ہر ردیف کے اختتام پر کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے تاکہ بعد میں غزلوں کا اضافہ کیا جا سکے۔ اس مخطوطے کی ابتدا اور خاتمے پر "سید محمد علی خان" اور "غلام علی" نام کی دو مہریں ثبت ہیں۔ اوّل الذکر مہر میں ۱۲۲۱ھ لکھا گیا ہے۔ دیوان میں ایک سو بارہ (۱۱۲) غزلیں موجود ہیں جن کے اشعار کی تعداد تقریباً ۱۵۲۴ ہوتی ہے۔

مخطوطے کا اختتام درج ذیل شعر پر ہوتا ہے ؎

نظر کر غور سے ایمان اوس کے قطرہ دیدہ کو کہ اب تک سنگ پر شام و سحر گر گر اچھلتا ہے

تاریخ تصنیف قبل ۱۲۲۰ھ ۔ تقطیع (۱۰ × ۶½ انچ)

صفحات ۱۵۴ ۔ مسطر ۱۴ سطور فی صفحہ

خط شکستہ نستعلیق ۔ کاغذ دیسی ۔

۳۔ نسخہ "ج" : "دیوان ایمان" کا یہ مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد کی زینت ہے۔ ڈاکٹر زور نے اس کا نشان ۱۷/۵ مقرر کیا ہے۔ مخطوطہ کا آغاز درج ذیل شعر سے ہوتا ہے ؎

کب مجھ سے شکر ہوے بیاں اوس کریم کا
عالم نواز جو کہ ہے گنج عمیم کا !

ادارہ ادبیات اردو میں ایمان کے کلام پر مشتمل دو مخطوطے ہیں۔

۱۔ دیوان ایمان ۲۔ کلیات ایمان ۔ ان مخطوطات کی توضیح بالترتیب نسخہ "ج" اور نسخہ "ج ۱" کے تحت کی جا رہی ہے۔ نسخہ "ج" نسخہ "ج ۱" سے پہلے مرتب کیا گیا ہے۔ نسخہ "ج" (دیوان ایمان) میں اشعار کی تعداد ایک ہزار پانچ سو ہے جب کہ نسخہ "ج ۱" میں تین ہزار اشعار موجود ہیں۔

اس نسخہ میں پہلے غزلیں لکھی گئی ہیں اس کے بعد ترکیب بند ہیں جو نو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس "دیوان" میں "کلیات" کے مقابلے میں قصائد بھی کم ہیں۔ ارسطو جاہ کی

سالگرہ اور جہاں پرور بیگم کی شادی کے قصائد بھی شامل نہیں ہیں۔ ڈاکٹر زور اس نسخہ کا تذکرہ کرتے ہوئے "تذکرہ مخطوطات" کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں کہ" یہ دیوان اس شادی سے پہلے یعنی ۱۲۰۷ھ میں مرتب کیا تھا[1]"

یہ نسخہ " قصیدہ در مدح وزیر اعظم امیر الامرا بہادر ارسطو جاہ " پر ختم ہوتا ہے غزلوں کا اختتام ان اشعار پر ہوا ہے ؎

آہستہ صبا باغ میں سوتا ہے وہ گل رو — کلیوں کی چٹک خواب سے بیدار چلے کی
سنبل کے خم و پیچ کو مت دیکھیو اے دل — کوئی زلف ہی سر ستے گرفتار چلے کی

تاریخ تصنیف قبل ۱۲۰۷ھ کاتب کا نام۔ سنہ کتابت ندارد

صفحات ۴۳۔ سائز ۹½ × ۵½ سطر ۱۷ سطور فی صفحہ خط شکستہ نستعلیق۔ کاغذ قدیم۔ چمڑے کی جلد جس پر عمدہ کشمیری کام کے نقش و نگار نمایاں ہیں۔

۴۔ نسخہ "ج ا" "کلیات ایمان" کا یہ مخطوطہ بھی ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد کی ملکیت ہے۔ اس کا نشان ڈاکٹر زور کے مطابق ۸۱/ ۱۸۱ ہے۔ اس نسخہ میں پہلے غزلیں ہیں۔ جو ورق ۹۵ پر ختم ہوتی ہیں۔ اس میں بقول ڈاکٹر زور تین ہزار اشعار ہیں۔ ورق ۹۵ کے آخر میں حسب ذیل قطعہ درج ہے۔

شمع محفل نے ایک رات کہا — دیکھ پروانے کو بسوز و گداز
وہ جو ہے عندلیب عاشق گل — آہ و نالہ سے ہے سدا دمساز
چپ ہی چپ تو خود سے ہے جاں عزیز — ہم پر اب تک کھلا نہیں یہ راز
سن کے پروانے نے پڑھا ایمان — آہ یہ شعر سعدی شیراز
عاشقاں کشتگان معشوق اند — بر نیاید ز کشتگاں آواز

---

[1] ڈاکٹر زور۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (جلد سوم) صفحہ ۱۱۴

ورق ۹۶ سے رباعیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نسخہ میں کل ستّر (۷۰) رباعیاں ہیں۔ ورق ۱۰۳ سے مخمس اور مسدس لکھے گئے ہیں۔ جن کا اختتام ورق ۱۱۴ پر ہوتا ہے۔ ان منظومات کے علاوہ اس نسخے میں دس قصیدے بھی شامل ہیں جن کے اشعار کی تعداد تقریباً پانچ سو (۵۰۰) ہے۔ قصائد کے بعد مثنویاں لکھی گئی ہیں اور پھر منظوم نامہجات تحریر کیے گئے ہیں اور آخر میں "مثنوی در تنبیہ حاسد" قلمبند کی گئی ہے۔ مثنویوں کے بعد مخمس کی ہیئت میں ایک منقبت لکھی گئی ہے۔

کلیات ایمان کے ابتدائی اور اختتامی اشعار یہ ہیں۔

آغاز

الٰہی شکر جاری ہے زباں پر دمبدم تیرا	کہ بخشا جان و ایماں بے نہایت ہے کرم تیرا
کرے ہے بندگی کا پہلے ہی تجھ کو ادا سجدا	بعد آداب پھر اوصاف لکھے ہے قلم تیرا

اختتام

شور و فغاں و گریہ و اندوہ و درد و غم	آخر ہمارے ساتھ یہ سب شغلے چلے
ایماں اس جہاں سے بجز بار معصیت	افسوس صد ہزار کہ ہم کچھ نہ لے چلے

تاریخ تصنیف قبل ۱۲۲۰ھ ـ کتابت ۱۲۴۹ھ ـ کاتب محمد ہاشم صفحات ۲۱۲۔

سطر ۱۵ سطر بی فی صفحہ

خط نستعلیق پاکیزہ۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں

ترقیمہ: "بتاریخ پانزدہم شہر صفر المظفر ۱۲۴۹ھ مقدسہ تمت الکتاب یعنی این دیوان شیر محمد خاں ایمان کاتب الحروف

محمد ہاشم

ایمان دے اوس کو خدا دیدار کو اپنے دکھا "

ترقیمے کے روبرو ایک بیضوی مہر ثبت ہے۔ جس پر "مصدر الطاف و عنایت حسین" درج ہے۔

۵۔ نسخہ "د" : "کلیات ایمان" کا یہ مخطوطہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں محفوظ ہے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری کے مطابق اس نسخہ کا نشان ۴/۷ ز ۲ ہے۔ کلیات کی ابتدا میں ایک مختصر سا فارسی دیباچہ تحریر ہے جسکا عنوان یہ ہے۔

"مجملی از مفصل و مفصلے از مجمل ذکر شاعر نامور مرحوم شیر محمد خاں تخلص بہ ایمان"

اس میں بیشتر وہی حالات درج ہیں جو "گلزار آصفیہ" اور "تذکرہ شعرائے دکن" میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کلیات ایمان کی غزلوں، رباعیوں، قصیدوں اور مثنویوں پر مشتمل ہے سبھی غزلیں ردیف وار تحریر کی گئی ہیں لیکن ردیف "ن" کی ایک غزل جسکا مطلع یہ ہے

دردو غم ہجر کا تذکور کروں یا نہ کروں   تجھ سے اخلاص بدستور کروں یا نہ کروں

ردیف "ی" میں لکھی گئی ہے۔

رباعیاں ورق ۹۶ سے شروع کی گئی ہیں۔ ورق ۷۶ ب سے مسدسات لکھے گئے ہیں۔ ورق ۸۳ ب سے مخمسات لکھے گئے ہیں جس میں سودا اور قائم کی غزل کی تضمین بھی شامل ہے۔ ورق ۸۹ ب سے قصائد کا آغاز ہوا ہے۔ ایک نعت میں دوسرا منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ایک نواب نظام علی خان کی مدح میں۔ دو نواب اعظم الامرا ارسطو جاہ کی سالگرہ کی تہنیت میں۔ نواب مغفرت مآب (نظام الملک آصف جاہ بہادر) کی تہنیت نوروز میں ایک قصیدہ اور ایک قصیدہ رزمیہ در شان غفراں مآب (نواب میر نظام علی خاں بہادر) دو قصیدے ارسطو جاہ کی مدح میں۔ ایک قصیدہ نواب سردار الملک شہید کی تعریف میں۔ ایک ارسطو جاہ کی لڑکی کی شادی کے موقع پر ایک سلیمان جاہ کی سالگرہ کی خوشی میں اور ایک قصیدہ بہنرالملک کی مدح میں لکھا ہوا ہے۔

ورق ۱۱۸ب سے مثنویاں شروع کی گئی ہیں پہلی مثنوی "برق تاب یاراں" ہے۔ اسکے بعد بالترتیب درج ذیل منظومات درج کی گئی ہیں۔

۱۔ مثنوی اشتیاق نامہ

۲۔ مثنوی اشتیاق معہ فراق

۳۔ مثنوی در ہجو صاحب۔
پہلی غزل کی پیشانی پر ایک مہر ثبت ہے۔ جس پر یہ الفاظ درج ہیں
"بیکنٹھ لعل ۱۲۷۵ھ"

سنہ کتابت ۱۱ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ صفحات ۲۵۲
کاتب : مرزا ہاشم بیگ وصف۔ خط نستعلیق
مسطر : ۱۲ سطری۔ سائز ۹ × ۶" ۔ قدرے کرم خوردہ
ترقیمہ " تمت تمام شد دیوان شیر محمد خاں ایمان بموجب حکم راے
سورج مل سرور بتاریخ ۱۱ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ
راقم الحروف مرزا ہاشم بیگ وصف"

۶۔ نسخہ " ۵ " دیوان ایمان" کا یہ نسخہ جس کا نشان افسر صدیقی صاحب کے مطابق ۱۳۱/۱۳۱ ہے انجمن ترقی اردو کراچی (پاکستان) کے کتب خانہ خاص کی زینت ہے۔ مخطوطے کے ابتدائی اور اختتامی اشعار یہ ہیں ؎

آغاز

الٰہی شکر جاری ہے زباں پر دمبدم تیرا — کہ بخشا جان و ایماں بے نہایت ہے کرم تیرا
کرے ہے بندگی کا پہلے ہی تجھ کو ادا سجدہ — بعد ارماں پھر اوصاف لکھے ہے قلم تیرا

اختتام

فرماں فرمائے ہفت کشور — خسرو و نامی شہ دلاور
نادیدہ ہوا وہ عاشق اس کا — پہنچا لندن کے ملک تنہا

ابتدا میں ردیف وار غزلیں ہیں جو ۲۰۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ صفحہ ۲۰۹ سے ۲۲۴ تک رباعیاں ہیں۔ پھر مخمسات ہیں ان میں سے بعض ایمان نے اپنی غزلوں پر لکھے ہیں اور بعض شمالی ہند کے مشہور شاعروں سودا، قائم اور انشا کی غزلوں پر ہیں۔

کسی شخص نے دیوان سے قبل فارسی میں یہ عبارت لکھی ہے ۔

"المتخلص شیر محمد خاں پسر محمد عاقل خاں در جمیع علوم و فنون کامل روزگار می بود در ۱۲۰۱ھ
و دلیعت حیات نمود ۔ مفصل احوالش
از تاریخ گلزار آصفیہ بجویند" ۔

تمام اوراق کے حاشیے میں کاغذ کا اضافہ کیا گیا ہے جس سے خوبصورتی پیدا
ہو گئی ہے ۔

سنہ کتابت ۔ ندارد ۔ کاتب ندارد ۔ خط نستعلیق رواں

صفحات ۔ ۳۳۶ ۔ سائز ۹½" × ۴½" ۵ ۔ ۳ ۔ ۱۲ سطور فی صفحہ

۷ ۔ نسخہ "و" : ایمان کے دیوان کا یہ مخطوطہ بھی جس کا نشان ۱۳ مقرر کیا گیا ہے
انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ کی ملکیت ہے ۔ اس نسخے میں غزلوں کے بعد دو
مسدس تحریر کیے گئے ہیں ایک "در تشریف فرمائی نواب آصف جاہ نظام الامرا بہادر از قصبہ
محمد آباد پونہ" اور دوسرا "در تعریف مہ لقا بائی حیدرآبادی زنواصہ مشہور" ہے ۔ اس کے
بعد مخمسات ہیں ۔

آغاز

الٰہی شکر جاری ہے زباں پہ دمبدم تیرا کہ بخشا جان وایماں لیے نہایت ہے کرم تیرا

اختتام

غزلوں کا آخری شعر یہ ہے

بجدا عاشق زاتواں کئی روز سے تو ہے نیم جاں ؎ نہ لگا دیتیغ اسے میاں وہ غریب آپ ہی ندھال ہے

دیوان کے اختتام پر عمر بانی کی یہ عبارت درج ہے

"دیوان شیر محمد خاں ایمان حیدرآبادی تذکرہ صبح وطن مولفہ اعظم کے ساتھ شیرازہ
بند تھا جس کو میں نے علاحدہ کر کے جلد بنوادی ہے اس پر کوئی سنہ کتابت نہیں صبح وطن
پر سنہ ۱۲۶۴ھ سن کتابت ہے ۔ دیوان ایمان کا ایک نسخہ مولوی محمد عبدالرزاق صاحب

مددگار صدر محاسب سرکار عالی کے پاس ہے۔ اس دیوان کے ملنے سے پہلے میں نے اس کی ایک سرسری نقل کرلی ہے۔ جس کا مقابلہ باقی ہے۔ اب تک دو تصنیف کے نام معلوم ہوئے تھے جو سرورق پر لکھ دئے گئے۔

مرقوم ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۵۴ھ عمریافتی ۱۳ر جنوری ۱۹۳۵ء

خط نستعلیق ۔ صفحات ۱۹۴

سال تصنیف ۔ قبل ۱۲۳۱ھ ۔ ۱۲ سطور فی صفحہ

سائز ۹ × ۶

۸۔ نسخہ "ز" دیوان ایمان اور کلیات ایمان کے قلمی نسخوں کے علاوہ ایمان کا کچھ کلام "مجموعہ فصاحت" میں بھی موجود ہے۔ مجموعہ فصاحت جس کا دوسرا نام "خزینہ سخن" بھی ہے شاہ تجلی کا مرتب کردہ تذکرہ ہے۔ اس کتاب میں ایک سو تیس (۱۳۰) شعرا کی ان منظومات کو یکجا کیا گیا ہے جن میں ارسطو جاہ کی مدح کی گئی ہے۔ مجموعہ فصاحت دراصل ۱۱۹۴ھ سے ۱۲۱۵ھ تک کی شاعری کا رکارڈ ہے۔ اس کتاب کے دو تاریخی ناموں "فوائد آعظم" اور "ریاض فوائد" سے اس کی تاریخ تصنیف "۱۲۱۶ھ" برآمد ہوتی ہے۔ یہ کتاب تذکرہ نگاری کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی کیوں کہ تجلی نے اس میں صرف شاعروں کا نام اور تخلص تحریر کر کے منتخب کلام درج کیا ہے۔ البتہ ارسطو جاہ کے مختصر سوالات کے علاوہ انکے کلام پر رائے بھی لکھی گئی ہے۔

جہاں تک ایمان کے کلام کا تعلق ہے "مجموعہ فصاحت" میں ایمان کے چند قصیدے، مسدس اور مستزاد موجود ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے

۱۔ قصیدہ در مدح ارسطو جاہ

۲۔ قصیدہ (پیدائش فرزند سیف الملک)

۳۔ قصیدہ (در مدح وزیر اعظم ارسطو جاہ)

ان قصائد کے بعد ایک مسدس ہے اور اس کے بعد چند مستزاد ہیں جیسے

انتیس اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ ہے جو ارسطو جاہ کے پوتے کی تسمیہ خوانی کے موقع پر کہا گیا ہے۔ اس کے بعد سالگرہ سے متعلق نو اشعار کا ایک قصیدہ ہے۔ اس کے بعد شعر ہیں جن میں عید کی مبارکباد پیش کی گئی ہے۔

ایمان کے کلیات اور دیوان کے تقریباً سبھی نسخوں کے کاتبوں نے بالعموم یائے مجہول کو معروف اور یائے معروف کو مجہول لکھا ہے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک ہی نسخہ میں یائے مجہول کو معروف اور یائے معروف کو مجہول لکھا گیا ہے

تقریباً سبھی مخطوطات میں اکثر جگہ الفاظ کو غیر ضروری طور پر ملا کر لکھا گیا ہے۔ مثلاً "بندگیکا" (بندگی کا) "امتکے" (امت کے)۔ "جیسی" (جیسے) "آپسی" (آپ سے)۔ "ایوحشت" (اے وحشت) "آب پاکسے" (آب پاک سے)۔ "دنکے تئیں" (دن کے تئیں)۔ "نجانوں" (نہ جانوں) "ایخدا" (اے خدا)۔ "ایخوشخرام" (اے خوش خرام)

تقریباً تمام مخطوطات میں "ک" اور "گ" میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ "گ" پر کہیں بھی دوسرا مرکز نہیں لگایا گیا۔ مثلاً

"کدا" (گدا) "بندکی" (بندگی)، "کنہکار" (گنہگار) وغیرہ

غزلیں

ردیف الف

[۱]

الٰہی شکر جاری ہے زباں پر دم بدم تیرا
کہ بخشا جان و ایماں ہے نہایت ہے کرم تیرا

کرے ہے بندگی کا پہلے ہی تجھ کو ادا سجدہ
بعد آداب پھر اوصاف لکھے[۱] ہے قلم تیرا

تری یکتائی کی سوگند بے شک یہ سخن ہے گا[۲]
خلائق میں محمد ہے رسول محترم تیرا

کیا مختار تو نے اسکو امت کی شفاعت پر
قسم ہے تیری رحمت کی یہ کب احساں ہے کم تیرا

بہ تصدیق دل و جاں غیب پر ایمان لایا ہوں
تو ہی معبود ہے میرا میں بندہ بے درم تیرا

[۲]

کب مجھ سے شکر ہوئے بیاں اس کریم کا
عالم نواز جو کہ ہے گنجِ عمیم کا

دریا نوال یہ کہ ہمیں جسکے فیض سے
ہر شب چراغ ہاتھ میں درِّ یتیم کا

احسان ہے کہ چار ہوے سہ و پنج بیں
ثابت قدم کیا ہے رہِ مستقیم کا

بندے ہیں گرچہ اسکے یہ سب شیخ و برہمن
پیدا کنندہ ہے وہی ناز و نعیم کا

ایمان بسکہ یار کو ہے حسن کا غرور
دن رات مجھ کو شغل ہے امید و بیم کا

[۳]

کچھ نہیں درکار مجکو اب بلکہ یہاں راہ کا
منزل مقصد کا جادہ بس ہے بسم اللہ کا

۱۔ الف "کہتے" ۲۔ قدیم لفظ بمعنی ہے (فعل ناقص)

تاج کو کچکول اور کچکول کو کردیوے تاج　　وہ مقلب ہے قلوب ہر گدا و شاہ کا

جس کی ادنیٰ ہے رسائی خلوتِ قوسین تک　　ہیں تو ہوں قربان جی سے اس دلِ آگاہ کا

آئینہ ہے صورت اس معنی کی ہر ذرہ کے بیچ　　اس کا نورِ خاص روشن گر ہے مہر و ماہ کا

بھیجوں ہوں صلوٰۃ اس پر اور اسکی آل پر
صدق سے ایمان میں بندہ ہوا اس درگاہ کا

[۴]

کون دلِ تفتہ چمن میں صبح گرمِ نالہ تھا　　دانۂ شبنم لبِ غنچہ پہ جوں تبخالہ تھا

روئے بزمِ پری رو کے جو دیکھا رات کو　　نقطۂ ابر کا سا یہ نورِ ماہ و ہالہ تھا

تجھ بن اے ساقی پیا ہم نے جو شب خونِ جگر　　ہم پیالہ داغِ دل اپنا برنگ لالہ تھا

تھی سیہ تاب ایک تو تیغِ نگہ خوں ریزِ خلق　　تس پہ خنجر سا کھنچا سرمہ کا ہر دنبالہ تھا

رات اس جعدِ معنبر میں وہ تعویذِ طلا　　شعلہ یا اختر تھا یا آتش کا اک پرکالہ تھا

گرمیِ صحبت اس قدر تھی رات کو بزمِ طرب　　دورِ ساغر کا برنگِ شعلۂ جوالہ تھا

بس کہ طوفاں جوش تھا یاں شب کو ابرِ غم
چشم کے منظر کو گویا ہر پلک پرنالہ تھا

[۵]

بتا اے باغباں میکش سحر جانانہ کسکا تھا　　چمن میں غنچہ و گل شیشہ و پیمانہ کسکا تھا

ہر اک خارِ سرِ دیوار کھینچے دامنِ دل کو　　نہیں معلوم اے وحشت کہ وہ کاشانہ کسکا تھا

چھپاتا ہے عبث مے نوشیوں کو صبح یاروں سے　　تیری محفل میں شب کو گریۂ مستانہ کسکا تھا

بتوں کی بزم میں اے شمع کچھ ہے خبر تجھ کو　　کہ یہ دل سوختہ ہر ایک شب پروانہ کسکا تھا

یکایک چونک پڑتا تھا پری رو خوابِ شیریں سے　　دیکھا ناگہ وہ وحشت زدہ افسانہ کسکا تھا

معطر مغز ہوتا تھا ہر اک نکہتِ گل سے　　میرا یارب دلِ بیتاب خلوت خانہ کسکا تھا

۱؎ قدیم لفظ ہے جو تین اشکال (کچکول یا کچکول یا کشکول) میں لکھا جاتا ہے۔

قیامت سر پہ تھی ایمان کے جو شورِ طفلاں سے
پری رو تو نے پہچانا کہ وہ دیوانہ کس کا ہے

[۶]

عاشق ہوں تیرا تب سے میں جب کوئی دیوانہ نہ تھا
بلبل نہ تھا مجنوں نہ تھا فرہاد و پروانہ نہ تھا

رفتار میں کوئی تنک دامن شرارت سے جھٹک
شیشہ دیا دل کا پٹک اتنا تو مستانہ نہ تھا

گل گشت تجھ بن جب کیا جوں غنچہ خوں اپنا پیا
جز دیدۂ تر ساقیا مجھ پاس پیمانہ نہ تھا

قسمت میں مرے کر نقدِ جاں لی حسن کی جنسِ گراں
دل کے سوا اپنے تو یہاں کچھ اور بیعانہ نہ تھا[1]

عاشق کے دل پر لے وفا مارا عبث سنگِ جفا
ایسا تو با لطف و صفا کوئی پری خانہ نہ تھا

ہیں یاد تجھکو وہ بھی دن جس وقت تو تھا صغر سن
اے جان میرے ہاتھ بن تجھ زلف کا شانہ نہ تھا

ایماں پڑھا شعر کا اک دل فریبِ یار تھا!
کچھ یاد ہم کو اس سوا افسون و افسانہ نہ تھا

[۷]

گذشتہ[2] شمع کے مانند جوانے سر نہیں ہوتا
شہنشاہی کا اسکے سر پہ تاج زر نہیں ہوتا

نکل کر ینگ سے جو عیب میں کیونکر نہ آئینہ
کہ بیٹا باپ سے اس عمر میں بہتر نہیں ہوتا

---

[1] ب، ر، سوا اپنے کہ سوا اپنی یہاں تجھ بیعانہ نہ تھا۔ [2] شمع کشتہ کے لیے "گذشتہ شمع" خلاف روزمرہ ہے
لیکن تمام نسخوں میں اسی طرح لکھا ہے۔

ہوئی ہے ختم تجھ پر خوبی و آہن دلی پیارے — بجز فولاد لوہا صاحبِ جوہر نہیں
ہوا ممتاز ابتلائے زماں میں جوہر قابل — جہاں میں لعل اور یاقوت ہی بہتر نہیں
کیا یہ نام ہم کو حاسدوں نے بے سبب یارو — فقط اخلاص کیا دنیا میں ہمدیگر نہیں

خدا جانے صنم کیا تجھ میں اسرار تصرف ہے
کہ[ع] تیرے روبرو ایمان کچھ ڈر کر نہیں ہوتا

[۸]

ہر چند میرے گھر وہ طنّاز نہیں آتا — پر اس کی تمنا سے دل باز نہیں
اس کنج قفس کی میں فریاد کروں کس سے — اک مرغ بھی یاں آکر پرواز نہیں
اتنی تو مقدّم ہے خاطر تیری اے ظالم — جو پاس میرے کوئی ہم راز نہیں آ
بے ساختہ حسن اسکا اب فتنۂ عالم ہے — ہر چند اسے کرنا کچھ ناز نہیں آ
جاں کندن ہجراں میں کوئی کبھو بالیں پر — غمگین میری سن کر آواز نہیں آ
ہر دم تیری باتوں میں جو کچھ کہ ہے جاں بخش — عیسٰی کو بھی یہ پیارے اعجاز نہیں آ
ایمان خدا جانے انجام محبت کا ! — جب فہم میں کچھ اپنے آغاز نہیں آ

[۹]

نہیں ہیچ عالم دوستی بہم اب ہے کھانا قسم بھلا
تو نباہ کرتا ہے اے صنم کہ نباہ کرتے ہیں ہم بھلا
میں رکا ہوں سوز و گداز سے بہ عرض عجز دنیا سے
کبھو اسطرف بھی تو ناز سے کر د ٹک تو رنجہ قدم بھلا

ع: نسخہ "الف" میں یہ مصرع اس طرح ہے ع
کیا تیرے روبرو ایمان کچھ ڈر نہیں ہوتا

ہوں ننگ ایسے وجود سے نہیں کام مجھکو نمود سے
کہ ہے ایسی اوج شہود سے تو ہزار درجہ عدم بھلا
وہ ہے ایک دلبر بیوفا نہیں جانتا ہے بجز دغا
جو ہوا ایسے طور کا خود نما تو ہے اس سے ربط بھی کم بھلا
یہ شراب خانہ مدام ہے کہیں شیشہ ہے کہیں جام ہے
یہی ہنستے کشتوں کا پیام ہے جو نہ ہووے تو تو ہے سم بھلا
یہ جو سر گزشتوں کا جوق ہے انہیں جی ہی دینے کا ذوق ہے
اگر امتحان کا شوق ہے ذرا کر تو تیغ علم بھلا !
جو گل اپنے سینہ پہ کھائے ہے نیا باغ ایک بنائے ہے
اسے کسطرح سے خوش آئے ہے کہو کوئی سیر ارم بھلا
جو مدام جور کو سہتے ہیں وہ دل اپنا مار کے رہتے ہیں
تیری خیر خواہ ہی سے کہتے ہیں نہیں عاجزوں پہ ستم بھلا
ایمان پر تو ہو یہ کرم کبھو رنجہ کیجے ادھر قدم !!
کہ مزاج اسکا تو اے صنم نہیں رہتا ہے کوئی دم بھلا

[۱۰]

ہر گز نہ مژگاں کا بہم دامن سے پھر دامن ملا !!
آنکھوں سے دریا بہہ چلے بھادوں سے جب ساون ملا
کس روز مجھ سے صاف دل تو اے وفا دشمن ملا
یک آن کی محبت میں ہی سو طرح سے بد ظن ملا
پھر حسن کی وہ جستجو کرتا نہیں ہے کو بہ کو !
ہمسایہ تیرے مادرو جس شخص کو مسکن ملا

کیا فائدہ تابیں سے ہے جذب دل تجنیس سے
سنتا ہے مقناطیس سے کس دن ہمیں آہن ملا

چلنے لگی باد صبا غنچہ ہر اک کھلنے لگا
تو مجھ سے اے گلگوں قبا کبتک رہیگا ان ملا

شمشیر ابرو تھے علم خونخوار پھانسی زلف خم
کل نجد کی وادی میں ہم کو اک عجب رہزن ملا

صدقے کروں سو دور ہیں دیکھوں نہ پھر گلزار میں
گھر کا تیرے اے نازنیں جس دن کوئی روزن ملا

جوں بوئے گل ہر دم نہاں کرتے ہیں ہم سیر جہاں
یہ ناتوانی ہے کہاں گو یا انو کھے انجمن ملا

ایماں کہہ دے پیار سے تو ساغر میخوار سے
ہاں گردن دلدار سے شیشہ کی مت گردن ملا

[۱۱]

بلبل کا تجھ بغیر نہ اک دم الٹ گیا
روتے ہی روتے دیدۂ شبنم الٹ گیا

ہر موج بحر اشک یہ طوفان پہ آج ہے
بطمہ سے جس کے تختۂ عالم الٹ گیا

سینہ میں دم ہوا تھا دوبالا شب اسقدر
ہر داغ دل کا پنبۂ مرہم الٹ گیا

کالے نے جو ڈسا تیرے بیمار زلف کو
اس کا تو اسکی ذات ہی پر سم الٹ گیا

بیعت ہے اپنی ہمت عالی کو اس سے یاں
جس دست رو سے پنجۂ حاتم الٹ گیا

شاہوں کا تیرے نام کے سنتے ہی آ سنم
بیتاب ہو نگینۂ خاتم الٹ گیا

اپنی ہی کچھ یہ چشم غلط بیں کا وہم ہے
اس کا نقاب تو نہ کہیں ہم الٹ گیا

دنیا کے عز و جاہ پہ مت بھولیو کہ یاں
یک آن ہی میں چتر کی دیہم الٹ گیا

بارش کے انقلاب میں ہے جس طرح شراب
ہے رکیوں نہ جلوہ گر ہو جب غم الٹ گیا

۱؎ بمعنی بے مثال ۲؎ بمعنی کا جل

ایمان یاں تو عمر ہیں واللہ سیر ہے
ہر چند روتے روتے تیرا دم الٹ گیا

[۱۲]

سب کو ہے گل رنگ پلا نا مزہ جانا
میرا ہی لہو گھونٹنا جانا مزہ جانا

بوسہ نہ لیا جام کا زنہار کہ ہم نے !
منہ اس لب میگوں سے ملا نا مزہ جانا

اب فرقۂ عشاق کی مت پوچھ کہ اس نے
خنجر کو لہو اپنا چٹانا مزہ جانا !

ہم نے تو شب وصل میں اس آئینہ رو کو
ہاتھوں سے بنا پان کھلانا مزہ جانا

ناخن وہ ہوا ایک ہی بوسہ پہ تو ہم نے
مسی کی دھڑی لب سے اڑانا مزہ جانا

اس دلبر عیار نے ایمان ہی کے ساتھ
ہر بات میں اب ہونٹ چبانا مزہ جانا

[۱۳]

کیسا یہ تماشا اللہ دیکھا !!
دلبر کو ایک روز دلخواہ دیکھا

جوں برق ناگاہ جھپکی ہیں آنکھیں
جب اسکو ہم نے ناگاہ دیکھا

جذب محبت ہے ہے بلا ہے
لے کہربا سے ناکاہ دیکھا

الفت کا یہ جیو مت نام کوئی !
یہ درد ہم نے جانکاہ دیکھا

آیا نہ اک دن وہ سنگدل یاں
تیرے اثر کو اے آہ دیکھا

تجھ بن کسو کو ہم نے نہ اے عشق
اسرار دل سے آگاہ دیکھا

شاید کہ آوے وہ رشک یوسف
سپنے میں ہم نے شب ماہ دیکھا

زہد و عبادت اپنی پہ ہم نے
کیا شیخ کو بھی گمراہ دیکھا

شب گل رخوں کی مجلس میں ہم نے
جو شغل دیکھا شمناہ دیکھا

۱۔ الف میں "ناچار"

ایمان اپنی وحشت کے آگے　　عرصہ جہاں کا کوتاہ دیکھا۔

[۱۴]

یہاں نہ ذہن نکتہ رس فکر وہاں میں رہ گیا
ہوش بھی باریک بیں موئے میاں میں رہ گیا

کونسا رعنا جواں اس گلستاں میں رہ گیا
جس کی قامت کا نشاں سرو چماں میں رہ گیا

چشم نرگس ہی نہ جھپکی اس کے برقِ حسن سے
مرغ بھی ہر اک پھڑک کے آشیاں میں رہ گیا

کیا کہوں کیفیت شب تجھ سے میں اے ہم نشیں
شیشۂ دل چور ہو بزم بتاں میں رہ گیا

راہ رو پہنچے ہیں اکثر منزلِ مقصود کو !
ناتواں مجنوں ہی گرد کارواں میں رہ گیا

دل لگا مت بیٹھیو اس طاق رنگیں سے کہیں
چار دن ہر کوئی قصر آسماں میں رہ گیا

وہ مژہ زیرِ خم ابرو نہ سمجھو زینہار !!
تیر یہ جوڑا ہوا یوں ہی کماں میں رہ گیا

زندۂ جاوید کہتے ہیں اسے ایمان ہم !!
جسکا نام نیک آخر اس جہاں میں رہ گیا

[۱۵]

زباں گلبرگ ہے پروردہ شہد نبات میں گویا　　دیا غوطہ لبوں کو سرخیِ عناب میں گویا
مہرلوامی کے آویزہ کا یوں عارض پہ چمکے ہے　　پری کے ہاتھ ہے شیشہ شب مہتاب میں گویا

[illegible]

...ے رشکِ یوسف پہلے ہی اسطرح پہچانا — تیری تصویر کو دیکھا تھا میں نے خواب میں گویا

...ردے جاناں میں عجب مژگاں کا عالم ہے — جماعت ہے کھڑی صف باندھ کر محراب میں گویا

...اس شوخ کا جب اس دلِ بیتاب میں آیا — پڑا بجلی کا سایہ چشمۂ سیماب میں گویا

...اسکی دہن، میں جس نے دیکھا وہ یہ کہتا ہے — پرویا تار قرمز گوہر خوشاب میں گویا

بیاض اشعار کی جس وقت تنہائی میں دیکھوں ہوں
تو ہوں ایمان بیٹھا مجلس احباب میں گویا

[۱۶]

...تو ایک ہاتھ میں بسمل نے غش کیا — اودھر لہو کو دیکھ کے قاتل نے غش کیا

اٹھا جو رخ سے پردہ کے رات کو — ایک اپنی کیا کہوں سبھی محفل نے غش کیا

...ہے تجھ دریا کی اتنی سموم خیز — پہلے قدم میں رہرو منزل نے غش کیا

...ی شمیم زلف یہ لائی ہے اب نسیم — ٹک سونگھتے ہی عاشق بیدل نے غش کیا

...ی مزاج کی پردے کو چھوڑ دی — مجنوں پہنچ کہ صاحب محمل نے غش کیا

...ں سے بحر غم کے بچا پر ہوں نیم جان — جیسے نکل کے طالب ساحل نے غش کیا

تعریف دلربا کے سراپا کی کیا کہیں
ایمان ہم کو ایک ہی بس تل نے غش کیا

[۱۷]

...ہی زر خریدوں میں فیروز بخت تھا — قسمت ہیں جسکی پھر دیں شاہی کا تخت تھا

...یں تیری کاوش مژگاں کے ہاتھ سے — غنچہ نمط ہر ایک جگر لخت لخت تھا

...تو چیر کر صف مژگان نکل گیا — لڑکا تھا خورد سال پہ دل کا کرخت تھا

...یہ گداز دل ہے سراپا اے شمع رو — جوں نخل موم باغ میں ہر ایک درخت تھا

ایمان آفریں ہے کہ اس بدمزاج سے
یارانے کا نباہنا دشوار سخت تھا

...ب "آئے" ... ۳۔ ب۔ پرویا تار قرمزی در خوش آب میں گویا

[۱۸]

تجھ بن اے شمع رو میں جو رونا تھا رو چکا
اپنے جگر کے داغ جو دھونا تھا دھو چکا

عاشق کی زیست مثل سمندر ہے سوز عشق
قسمت کا جس کسو کی جو ہونا تھا ہو چکا

پایا نہ وہ مزاج کبھو بر سر وفا
ہیں اپنے جان و دل کو جو کھونا تھا کھو چکا

گذری شب جوانی و پیری کی صبح ہوئی
غافل ٹک اب تو جاگ جو سونا تھا سو چکا

ایمان نے کئی گل معنی کے تخم کو
اے یار اس زمیں میں جو بونا تھا بو چکا

[۱۹]

رکھتا ہے کس ادا سے وہ عالی دماغ پا
رنگ حنا سے ہوتا ہے جب رشک باغ پا

سرو رواں اسے دیتے ہیں شمشاد کو مثال
گویا خرام کبک پہ رکھتا ہے زاغ پا

جن کی نگاہ میں ہے کم و بیش روزگار
کرتے ہیں اپنا دیکھ کے بستر فراغ پا

تاثیر ہے یہ دیدہ حسرت کی اے نگار
مہندی کے رنگ سے جو ہوا داغ داغ پا

ہر چند زیر تیغ ہے سر شمع کا مدام
لیکن وہ چھوڑتی نہیں ہونا چراغ پا

مجلس میں اب رقیب نہایت ہے خر دماغ
کرتا ہے بے ملاحظہ ہر سو فراغ پا

مشہور ہے مثل کہ حماقت کی راہ سے
ترکی کو اور تازی کو مارے الاغ پا

جاوں میں کوچے یار سے ایمان کس طرح
پہنچا ہے اپنے دل کا یہاں تک سراغ پا

[۲۰]

کون کہے تجھ کو میری جان جا
بیٹھ کہیں ٹک تو کہا مان جا

وہم فرشتے کا نہ پہنچے جہاں
پہنچا ہے وہاں حضرت انسان جا

۱۔ الف "تیزی"

میں ہوں میاں دل سے تیرا جان نثار — آج سے اس بات کو پہچان جا[1]
تو نے جو باندھی ہے سفر پر کمر — ہے تیرا اللہ نگہبان جا
سن کے ہے ناہید بھی اب چرخ میں — دیکھیو پہنچی ہے کہاں تان جا
شیخ کے رشتے میں ہیں سب شمع رو — کوئی بھتیجا ہے کوئی بھانجا
اتنی شتابی نہیں لازم تجھے — کھا کے میرے ہاتھ سے دو پان جا[2]
کلبۂ احزان کے سوا شمع رو — غیر کے گھر کو تو نہ مہمان جا

پھر نہ کبھی واں ہے کسو چیز کی
لے کے فقط یاں سے تو ایمان جا

[۲۱]

تیرے خواب ناز میں رات کو جو میرے سے رنگ دغا ہوا
تجھے اپنے سر کی قسم ہے کہہ کہ تو خوش ہوا یا خفا ہوا
نہیں اور کچھ مجھے آرزو ہے مدام اتنی ہی[2] جستجو
کہ تمام شب تو کبھو تو رہے گلے سے ملا ہوا
ترے روٹھنے نے فنا کیا ترے ہنس کے ملنے نے سنبہ دیا
میں اسی ہی سوچ میں ہوں سدا تو صنم کہاں کہ خدا ہوا
میں ہوں گرچہ بندۂ باصفا تو ہنوز ہے سر بسر جفا
ترے ہاتھ جا کے اے بے وفا مرا دل پھر اسو بھلا ہوا
نہ دریغ تجھ سے ہے سیم و زر ایمان و دین نہ دل و جگر
تیری یک نگاہ حجاب پر میں ہزار جی سے فدا ہوا

۱؎، ۱؎، ۲؎ یہ اشعار نسخہ (الف) میں نہیں ہیں۔ ۱؎ ب "ایک" ۲؎ ب "اپنی ہی"

[۲۲]

کیوں نہ ہو سرکش ہو اب پامالِ سرِ چنگِ حنا
اس شہِ خوباں کے ہاتھ آیا ہے اورنگِ حنا

ہر سرِ انگشت جوں پیکانِ رنگیں شست بند
ہے ہر کس بیتابہ کے شب خوں پہ آہنگِ حنا

گو کہ ہے جوں مرغِ دست آموز پنجے میں تیرے
پر اڑا جاتا ہے ہر دم اے صنم رنگِ حنا

اس ستم ایجاد کے نزدیک خونِ عاشقاں
کف الفاف میں ہووے نہ پاسنگِ حنا

ہاتھ میں جام زمرد جسکے ہووے لعل فام
کب نہ ہو اس مہر پیکر کے تئیں ننگِ حنا

باندھے ہے ایماں اب مضمونِ رنگیں بے شمار
کیوں نہ ہو گل گل شگفتہ عرصۂ تنگِ حنا

[۲۳]

دکھلا کے مجھکو بوسے سے وہ جیب سرک گیا
میں نے بھی باتوں باتوں میں کچھ پوچھ تو یک گیا

آویزہ گہر بھی عجب کم نصیب ہے!
پہنچا تھا اس کے کان تلک پر لٹک گیا

تشبیہ اسکو مشک سے دیجے تو ہے خطا
ایدھر کھلی وہ زلف کہ عالم مہک گیا

سونے کا رنگ یہ کہ لپکا پڑے ہے چونک
نازہ کہیں جو پاؤں کا گھنگھرو جھنک گیا

زلف سیہ کا آنکھوں میں اب تار ہے بندھا
یارب یہ کس بلا سے میرا دل اٹک گیا

خاطر پہ اس کے میری طرف سے ہے کیا غبار
ٹک بیٹھ اگر کہا ہوں تو دامن جھٹک گیا

ایاؔن ہم نہ کہتے تھے مت فکرِ شعر کر
بتیں ہی پڑھتے پڑھتے نہ آخر بہک گیا

[۴۴]

رات دیکھا میں ایک کوچے میں
بدر تھا یا کہ مہر انور تھا[1]

جس طرح آسمان پر تارے
یوں چمکتا تھا جو کہ زیور تھا

حلقۂ نتھ خصوص مکھڑے پر
عید کا جوں ہلال اظہر تھا

شاہزادہ تھا یا شہنشہ تھا
حسن کا جس کے ساتھ لشکر تھا

شوکت و شان کیا کہوں اس کی
صاحب تاج و تخت و افسر تھا

غنچہ لب گلعذار نرگس چشم
گلشنِ حسن کا صنوبر تھا

دوں[2] ہی یک دو قدم خراماں ہو
پھر گیا[3] اس طرف جدھر گھر تھا

سایا ساں میں ہی اسکے ساتھ چلا
جب کہ پہنچا وہاں جہاں در تھا

فی البدیہہ یہ شعر حسب حال
پہنچا اس گوش تک کہ گوہر تھا

مرغ دل بسکہ آہ منتظر تھا
اڑ گیا اب تو گرچہ بے پر تھا

سنتے ہی پھر کھڑا رہا یک بار
شعر تھا یا فسوں تھا منتر تھا

کہنے لگا تو کون ہے اے شخص
جان کا اپنے کچھ تجھے ڈر تھا

تب کہا میں غلام ہوں تیرا
شوق دیدار تھا مجھے گر تھا

۱۔ الف "بدر تاباں یا کہ مہر انور تھا" ۲۔ الف دو ہیں ۳۔ ب "مڑ گیا"

بول اٹھا پھر[۱] تو چل ہمارے ساتھ — برج الفاف کا وہ اختر تھا
لے[۲] گیا جس جگہ مجھے وہ ہاتھ پکڑ — بہتر از قصر لعل و گوہر تھا
تھا[۳] بچھا اک پلنگ وہاں ایسا — تخت نیلم ہے جو کہ بہتر تھا
جبکہ ہم دونوں مل کے جا بیٹھے — پوچھنا کیا ہے پھر تو اظہر تھا
عیش و آرام خوب ہی لوٹے — بسکہ وہ ہر ذرہ پرور تھا

تجھ سے ایمان تا کجا کہیے
قصہ کوتاہ ورنہ دفتر تھا

[۲۵]

شکر اللہ کہ ہاتھ دل آیا — بے بہا لعل تھا پڑا پایا
جب یہی پوچھا غلام کب آوے — ہاتھ[۴] میں لے کے زلف بل کھایا
دانت میرا ہے اس لبوں اوپر — جنکو[۵] یاقوت دیکھ شرمایا
خون سر بہہ گیا بجائے رود — کوہ کن کا یہی تھا سرمایہ

اس بن ایمان ایک دم نہ رہا
ہم نے ہر چند دل کو بہلایا

[۲۶]

الٰہی کم موثر اسقدر شور و فغاں میرا
سنے ٹک گوش دل سے ایکدم وہ داستاں میرا

۱۔ ب "تب" ۲۔ ب "لے گیا وہاں مجھے وہ ہاتھ پکڑ"
۳۔ الف "تھا بچھا ایک وہاں پلنگ ایسا تخت نیلم سے جو برابر تھا"
۴۔ "ہاتھ میں زلف لیکر بل کھایا" ۵۔ ب "جسکو"

اگرچہ ہوں خس وخاشاک کہ عالم سب پہ روشن ہے
چراغ شعلہ کو روشن کرے ہے دود نالاں میرا
عبث بکتی ہے اے قمری بس اپنی چونچ کر بند اب
کہاں شمشاد یک تنکہ کہاں سرو رواں میرا
شہادت جب سے پایا دل نے کافر تیغ ابرو سے
مجھے آتا ہے ہر دم یاد وہ جنت مکاں میرا
سدا خوف و رجا ہی میں مجھے ایمان گرو رہے
مزاج یار نازک ہے یہی دارالاماں میرا

[۲۷]

دیت اس قاتل بے رحم سے کیا لیجے گا
اپنی ہی آنکھوں سے اب خون بہا لیجے گا
پھر نہیں ہونے کی تقصیر تو ایسی ہرگز
اب کسیطرح مری جان بچا لیجے گا
اس قدر سنگدلی تم کو نہیں ہے لازم
کسی مظلوم کی گاہے تو دعا لیجے گا
لخت دل خاک میں دیتا ہے کوئی بھی لینے
گر پڑے اشک تو آنکھوں سے اٹھا لیجے گا
پھر نہ پچھتاؤ کہیں بعد سیکر جانے کے
گالیاں اور ہوں باقی تو سنا لیجے گا
روٹھ کر جائے کوئی اپنے سے پیارے تو وہیں
چاہیے آپ گلے پڑ کے منا لیجے گا
اپنے مشتاق کو لازم ہے کہ گاہے ملنے
غیر کی آنکھ بچا گھر میں بلا لیجے گا
ایک مدت ہوئی کچھ حرف و حکایت ہی نہیں
جی میں ہے آج تو باتوں میں لگا لیجے گا
کسی جلسہ میں جو ایمان کہو تو جانیں
گھر میں یوں بیٹھے ہوئے شعر بنا لیجے گا

[۲۸]

کام عاشق کا تری پلکوں نے فیصل کر دیا
دل میں چبھ چبھ کے انہیں کانٹوں نے بیکل کر دیا

تزجو تھا موے الیہ بزم شب کو ساہ رو !!
شمع نے تو جی کو اپنے شرم سے گل کر دیا

چشم بد دور اس سے پائے جان ناز ہ دمبدم
جس نے اپنا ہاتھ اس گردن میں ہیکل کر دیا

ماہ نو سے ہمرکابی ہو نہ اس کی زینہار
شہسواروں کو جلو میں جس نے پیدل کر دیا

خار خار شوق نے اے نونہال باغ حسن
گلشن جنت مری آنکھوں میں جنگل کر دیا

گلبدن کی خواب میں جلوہ فروزی دیکھ کے
چاندنی کا فرش جس نے سرخ مخمل کر دیا

اس کی خوبو سے اگر واقف نہیں پر عشق نے
میرے ہر اک استخواں کو چوب صندل کر دیا

دیکھ پروانے کو شب سرگرم عرض سوز و ساز
کچھ جواب صاف آخر شمع نے جل کر دیا

بے خبر ایمان کی ہوتا ہے ہر دم وہ نڈھال
تیغ ابرو نے تیری بے طرح گھائل کر دیا !

[۲۹]

نشہ ہو اور رات ہو اور بام مہتاب دہوا !!
اس جگہ تو ہو بغل میں تنگ اور خواب دہوا

مدّتوں سے دیکھتا ہوں خیمہ زن ہے گا حباب
روز خوش آتی ہے دریا کی اسے آب و ہوا
مجھ سے اشک و آہ نے شمشیر قاتل کی دوچار
موج کو کرتے ہیں پیدا مل کے سیلاب و ہوا
زاہدا کیا جانتا ہے گلشن دنیا کی سیر
عیش ہی گر ہو میسر عالم آب و ہوا !!
بے سبب ایمان کا خاموش رہنا مت سمجھ
شور ہیں لاوے دوانے کو سے ناب و ہوا

[۳۰]

دلبری کی رسم غیروں سے کرے ہے تو ادا
ٹک ادھر بھی دیکھیو اے عشوہ گر جادو ادا
کیوں نہ اک عالم ترا دیوانہ ہوئے اے پری
معجزہ عشوہ فسون غمزہ ہے اور جادو ادا
گاہ دل پامال کرنا گاہ جاں بخشی کی چال
سب کے تئیں کرتے ہیں تیرے پاؤں کے گھنگرو ادا
کیوں نہ ہوں دیوانہ میں تیرے خرام ناز کا
یہ چلن یہ شوخیاں کرتا ہے کب آہو ادا !
سرزمین دل پہ عالم کے ہے اک بھونچال سا
کیا غضب کرتی ہے تیری جنبش ابرو ادا
اے مژگاں جی دھڑکتا ہے تیرے طوفان سے
مت کہیں اس خاکداں کا ہو وے یہ ٹاپو ادا

اس کی ہر ایک آن کی لطف و عنایت دیکھ کر
شکر کرتا ہے میرا ایمان ہر ایک ہو ادا

[۳۱]

سیکھا ہے کس سے تو نے قانون تان لینا
در پردہ نوازش عاشق کا جان لینا
لاکھوں میں ایک دو کو ہے یہ نصیب دولت
ہاتھوں سے دلبروں کے گل عطر وپان لینا
آتا ہے جی میں اکثر جوں نقش پا سر رہ
کوچہ میں گلرخوں کے کوئی مکان لینا
کاہے تو بندہ پرور لک واسطے خدا کے
اس خیر خواہ کے بھی کہنے کو مان لینا
جوں تیغ ہاتھ آوے گر جوہر شجاعت
قبضہ میں پھر نہیں ہے مشکل جہان لینا
دل کی ہوس نہ کچھ اس شاہناز سے تو
ایمان جی کی اپنے پہلے امان لینا !!

[۳۲]

آنکھوں سے ہاتھ دھو کر جیتا رہا تو پھر کیا
قاصد نے حال میرا جا کر کہا تو پھر کیا
خلقت میں اس کے ہرگز بوئے وفا نہیں ہے
جور و ستم ہزاروں میں نے سہا تو پھر کیا
اس وقت میں بھلا ہے ملنا کہ بعد میرے
آیا مزار اوپر تو یار ہا تو پھر کیا !!

حسنِ عمل سے جلدی نقش و نگار کر لے
اس قصرِ زندگی کا پایہ ڈہا تو پھر کیا
ایک قطرہ با اثر ہو ایمان مثلِ گوہر!!
مانند ابرِ رو رو دریا بہا تو پھر کیا
(۱۳۲۲ھ)
بلبل کا آشیاں تو ہے گلزار میں بندھا
گل یاں پھرے ہے کوچہ و بازار میں بندھا
قطرہ نہیں ہے اسکا نرگس کی شاخ اوپر
تعویذ ہے بہ گردنِ بیمار میں بندھا
غنچہ دہن سے میں نے جو بوسہ طلب کیا
عقدہ پھر ایک تازہ دلِ یار میں بندھا
تیرِ مژہ نہ چھوڑے نشانے کے نام کو
ایک تار سے اگر ہو شب تار میں بندھا
فرہاد ٹک سنبھال کے سر پر اٹھائیو!!
سنگِ گراں ہے دامنِ کہسار میں بندھا
جب سے کہ تورے زلف کا بازار گرم ہے
رہتا ہے مشک نافۂ تاتار میں بندھا
ایمان تو نے ریختہ لکھا تو ہے ولے
مضمون کوئی تازہ ہے اشعار میں بندھا

---

[۴۳]

کچھ سرخ جو ہے رنگ مرا اشک رواں کا
شاید کوئی ٹوٹا دلِ مجروح کا ٹانکا

اٹھتے ہیں دلِ تفتہ سے تجھ ہجر میں شعلے
مضمون یہ روشن ہے میری شمع زباں کا

طوطی کا سخن ایک بھی سرسبز نہ ہووے
یہ کچھ لب و لہجہ ہے میرے غنچہ دہاں کا

پہنچی جو تری وصف کمر یا کہ دہن کو!
نہ وہم کا یارا ہے نہ مقدور گماں کا!

خسرو سے ادھر جنگ ادھر کوہ سے کاوش
دیکھا نہیں ہم نے کوئی فرہاد سا بانکا

دل سینہ میں بیتاب جو ہے ذرّہ کی مانند
منظر کے تئیں کھول کے اب کس نے یہ جھانکا

دیکھے جو خرابات کا یک بار کرشمہ!!
پھر شیخ مرید آن کے ہو پیر مغاں کا

یک قطرہ خون تیر مژہ دل سے نہ چھوڑے
ہیں حلقہ بگوش آج ہم ابرو کی کماں کا

اک طالب دیدار ہیں ایمان قسم ہے
ہم کو تو کبھو فکر ہے یاں کا نہ وہاں کا

---

[۳۵]

اک شب وہ دلربا اس دلگیر تک نہ پہنچا
نالہ کبھو ہمارا تاثیر تک نہ پہنچا

وہ صید کیوں نہ ہووے محروم لذت مرگ
ابروکمان صنم کی جو تیر تک نہ پہنچا

زلفوں کے سلسلے میں پابند بسکہ ہو گئے
جوش جنوں ہمارا زنجیر تک نہ پہنچا

ہیں خو پذیر اتنے آداب عشق سے ہم
یکبار مطلب دل تقریر تک نہ پہنچا

شہر بتاں میں اکثر کرتے ہیں قتل اسکو
جس کا گنہ ثبوت تقصیر تک نہ پہنچا

ہر چند آگ دی ہے سو بار عشق نے پر
سیماب دل ہمارا اکسیر تک نہ پہنچا

ایمانؔ عاشقوں میں ایسا کوئی نہ دیکھا
آخر کو کام جسکا تشہیر تک نہ پہنچا

[۳۶]

جب چمن کی سیر کو میرا وہ رشک مہ گیا
باغ میں ہر ایک گل منہ دیکھ اس کا رہ گیا

ہاتھ سے دل کی گرفتاری کے مرتے دم تلک
کونسا وہ جور تھا جس کو نہ میں نے سہہ گیا

کل بھری مجلس میں مجھکو دیکھکر اے ہم نشیں
کیا کہوں جو کچھ کہ اسکے منہ میں آیا کہہ گیا

ایک دن شاید کہ آنکھوں سے نکل جاوے گا جی
دل تو سیلِ اشک میں اب خون ہو کر بہہ گیا
ہاتھ سے کافر بتوں کے کیا کہوں ایمان اب
خانۂ دل جسکو کعبہ بولیے سو ڈھہ گیا

جب سے کہ میرے دل میں محبت ہوئی پیدا
تا کام و دہاں اور ہی لذت ہوئی پیدا
کس کے مجھے دیدار کی یارب ہے تمنا
اب صورتِ آئینہ جو حیرت ہوئی پیدا
مشاطہ نے جس آن کہ عارض پہ رکھا تل
اک تازہ میری جان کو آفت ہوئی پیدا
میں تو سرِ مو زلف سے واقف ہی نہیں تھا
کیدھر سے الٰہی یہ ملامت ہوئی پیدا
تھا مغبچہ اک آفتِ جاں گھر میں مغاں کے
اب دخترِ رز اور قیامت ہوئی پیدا
اک بوسۂ شیریں کے لیے اتنے ہوئے تلخ
فرمایئے کیا اس میں قباحت ہوئی پیدا
خط سے جو ہوا سبز ترا گلشنِ رخسار
بوسہ کی مجھے اور بھی حسرت ہوئی پیدا
آغوش میں آیا وہ گل اندام ہے جس دم
اک تازہ ہی کچھ اور نزاکت ہوئی پیدا
حمام سے جس وقت کہ نکلا وہ پری رو
کچھ اور ہی اس آن لطافت ہوئی پیدا

[٣٨]

نہ شبنم کی طرح گلشن میں ہرگز چشم تر لیجا
گرہ میں باندھ کر مانند غنچہ مشت زر لیجا
چمن کی سمت یا دشت جنوں میں کھینچ کر لیجا
ترا اے عشق بندہ ہوں جدھر چاہے ادھر لیجا
عصا کی طرح بس ہے دستگیری ایک محسن کی
نہ مثل رشتۂ تسبیح حاجت دربدر لیجا
سمجھیو قدر اے یاقوت لب دل کی مرے ورنہ
یہ لعل بے بہا دینے کے لایق نہیں ہے پھیر لیجا
رسائی زیست میں ہرگز نہ تھی اپنی تو گلشن تک
قفس سے اب اڑا کر اے صبا یہ مشت پر لیجا
نہال اللہ نے تجھ کو کیا ہے گا تو لازم ہے
بخیر اس باغ سے کچھ نیک نامی کا ثمر لیجا
اگر ایماں یاروں کے لیے کچھ ارمغاں چاہے
سخن دو چار رنگیں ہیں یہ از لعل و گہر لیجا

[٣٩]

جواہر خانہ دکھلا دے اگر یہ چشم تر اپنا
تو سنگ رشک سے سر پھوڑیں لعل و گہر اپنا
تجھے جس دن سے دیکھا ہے نہیں اس دن سے پھر ہرگز
دم اپنا ہوش اپنا اور دل اپنا جگر اپنا
جواہر سرمہ ہووے جسکی آنکھوں میں مروت کا
وہی ہے گوہری زادوں میں منظور نظر اپنا

بلا وسواس بیٹھو لوٹو پوٹو مسرور ہو صاحب
سمجھے بندہ خانہ کو مقرّر آپ گھر اپنا
سپاہی زادہ خونریز ہے تو من جلاتا ہے
دلا میں کیوں کہوں بدخواہ ہے تو کس قدر اپنا
مگر دلدار نہفتہ ہے صنم کا کوچہ دل کش
نہیں پھرتا جو ادھر سے کوئی نامہ بر اپنا
اگر سیمرغ سے سیمرغ ہوویں ہوش اوڑجاویں
کریں جس جائے ہم اظہار زور بال و پر اپنا
برنگ شمع پا مردی ہے گر امر ریاست میں
کہ سر کٹ جائے پھر بھی چھوڑے کب تاج زر اپنا
برہمن دیر کے زنار اپنے سب جلا دیویں
جھمکا ٹک دکھا دیوے جو وہ زاہد پسر اپنا
ہزاروں رنگ کے سرسبز وہاں گلزار ہوتے ہیں
خیال آجائے ہے بیٹھے ہی بیٹھے ٹک جدھر اپنا
تکے ہے تشنہ لب ایماں کب سے تیری آنکھوں کو
اشارہ کر دے اے ساقی کہ تو بھی جام بھر اپنا

[۴]

فزوں ہر دم جو دیکھا حسن اسکی نوجوانی کا
کہوں کیا یک قلم رنگ اڑ گیا چہرہ سے مانی کا
مرے ہی زخم دل پر اس کو رہتی ہے نمک پاشی
جہاں میں شور ہے جس شوخ کی شیریں زبانی کا

کروں کیوں کر کو نہ ملنا ترک میں اب سارے عالم سے
مجھے رہتا ہے اندیشہ کسی کی بدگمانی کا

چمن میں ہم صفیروں کو سلام شوق کہہ دیجو
صبا سے ہے یہی پیغام مرغ آشیانی کا

مجھے اس لعل نوشیں کا ہے بس اے خضر یک بوسہ
نہیں ہوں تشنہ لب میں چشمہ حیواں کے پانی کا

گزر مت شیوہ احسان سے مقدور تک ہرگز
ثمر ہے گا یہی جاری نہال زندگانی کا

مجھے اب بندگی سے کام ہے سرکار کی صاحب
کہ میں مرہون منت ہوں تمہاری مہربانی کا

خدا محفوظ ہی رکھے کسو کے چشم ازرق سے
تحمل ہو سکے کس سے بلائے آسمانی کا[1]

کرو کچھ نجد کی وادی کی باتیں دوستو مجھ سے[2]
کہ دیوانہ ہوں میں مجنوں و لیلیٰ کی کہانی کا

ترا بسمل کس کو کہتے ہیں سمٹتا بھی نہیں کوئی
عجب انداز ہے شمشیر کے اس کی روانی کا

کرے ہے اک اشارہ میں دل عشاق دو ٹکڑے
تری ابرو کو شاید ہے لقب شمشیر خوانی کا

۱۔ ب "تحمل ہو سکے کیسے بلای آسمانی کا"
۲۔ الف "کرو کچھ نجد کی وادی میں باتیں دوستو مجھ سے"

تجھے بھی یاد کچھ آتا ہے اے سرو رواں پیچ ہے
وہ گل گشتِ گلستاں اور وہ عالم نوجوانی کا
ایچ تانوں کی ہوتی ہے جدا اک پری رو سے
دمادم دور جاری ہے شرابِ ارغوانی کا
لطیفہ ہے جگت ہے ضلع گوئی شعر خوانی ہے
صفائی دل سے یاروں میں مزہ ہے ہمزبانی کا
میرا دل ڈوب ہی جاتا ہے جدم یاد آتا ہے
وہ لہرانا کنارِ جو پہ سروِ بوستانی کا ||

[۴۱]

بے لختِ جگر دیدۂ تر میں نہیں بھرتا
عاشق وہ کبھو اپنی نظر میں نہیں بھرتا

اٹھ ساقی خورشید جبیں صبح ہوئی دیکھ
کیا اب بھی تو مے ساغرِ زر میں نہیں بھرتا

جو رات میری جان پہ یہاں گزری ہے، کوئی
دن ایسے مصیبت کے سفر میں نہیں بھرتا

کب نالۂ گرم آہ نکلتا ہے جگر سے
تا دودِ دل سوختہ سر میں نہیں بھرتا

دانتوں کی صفا جب سے کہ دیکھی ہے تمہارے
الماس کبھو چشمِ گہر میں نہیں بھرتا

کس شکل سے خالی کرے دل اپنا بیچارے
جو سانس ہے ٹھنڈی ترے گھر میں نہیں بھرتا

حیرت ہے مجھے اے بتِ خونریز کہ ٹک میں
داماں تیرا راہ گزر میں نہیں بھرتا

جس روز کہ دیکھے ہے (تجھے) شرم سے خورشید
(وہ) نور تو دامانِ سحر میں نہیں بھرتا

پیکان وہ کس طرح ہو دلچسپ کہ جس کا
سوفار ہی جب خونِ جگر میں نہیں بھرتا

ایمان یہ ہے فیضِ بہار اب کہ زرِ سرخ
وہ کون گل ہے کہ سپر میں نہیں بھرتا

۱- الف "پُر نور کو"

[۴۲]

عنبریں زلف صبا کون چمن سے گذرا
کہ ہر ایک سنبل پر پیچ شکن سے گذرا

نکہتِ گل سے مرا مغز ہوا رشکِ چمن
پاس ہوکر جو میں اس غنچہ دہن سے گذرا

جب سے دیکھا کیئے قد اور بدن کا عالم
باغباں میں ہوسِ سیرِ چمن سے گذرا

کھینچ کر لے ہی گیا چشمۂ سیماب کی طرح
رات جب دل طرفِ چاہِ ذقن سے گذرا

جائے سبزہ کے اگا پنجۂ داماں طلب
ایک دن اپنے شہیدوں کے جو رن سے گذرا

خونِ دل مشک ہوا لے کے تری نکہتِ زلف
قافلہ باد کا جب دشتِ ختن سے گذرا

محو ہو ہاتھ کو ایماں ہر اک نے کاٹا !
بزمِ خوباں میں وہ گل اور پھبن سے گذرا

[۴۳]

تجھ بن اے شمع رد میں جو رونا تھا رو چکا !
اپنے جگر کے داغ جو دھونا تھا دھو چکا !

عاشق کی زیست، مثلِ سمندر، سوزِ عشق
قسمت کا جس کسو کی جو ہونا تھا ہو چکا

پایا نہ وہ مزاج کبھو بر سرِ وفا !!
میں اپنے جان و دل کو جو کھونا تھا کھو چکا

گذری شبِ جوانی و پیری کی صبح ہوئی
غافل ملک اب تو جاگ جو سونا تھا سو چکا

ایماں بو گئے گلِ معنی کے تخم کو !!
اے یار اس زمیں میں جو بونا تھا بو چکا

[۴۴]

موجزن تھا آب جس دم خنجرِ جلّاد کا
شور تھا چاروں طرف سے ہر جگہ بادا باد کا

باغباں مشتاق کب ہوئیگا ترے شمشاد کا
میں تو بندہ ہوں کسی کی قامتِ آزاد کا

آج گل رو کی حنا بندی کی ہے پھر تہنیت
کیوں نہ رنگیں تر بندھے مضموں مبارکباد کا

صاحبِ ہمّت کو کیا درکار ہے خود و زرہ
ہاتھ میں شمشیرِ عریاں گوٹ ہے فولاد کا

شعر تیرا عینِ عشرت جانتے ہیں اہلِ سخن
فیض، ہے ایماں تجھ پر حضرتِ استاد کا

[۴۵]

کس روز الٰہی وہ مرا یار ملے گا!
ایسا بھی کبھی ہوگا کہ دلدار ملے گا

جوں چاہیے ووں دل کی نکالوں گا ہوس میں
جس دن وہ مجھے کیف میں سرشار ملیگا

اک عمر سے پھرتا ہوں لیے دل کو بغل میں
اس جنس کا بھی کوئی خریدار ملیگا

مل جائے گا پھر آپ سے یہ زخمِ جگر بھی
جس روز کہ مجھ سے وہ ستمگار ملے گا

یہ یاد رکھ اے کافرِ بدکیش قسم ہے
مجھ سا نہ کوئی تجھ کو گرفتار ملے گا

ایمان نہ کہتا تھا میں تجھ سے یہ ہمیشہ
جو شوخ ملے گا سو دل آزار ملے گا

[۶۴]

سلاسل کا قیدی کبھی یکبار چھوٹا — نہ اس زلف کا پر گرفتار چھوٹا
ہوا روکشِ آفتابِ زمانہ! — جب آئینۂ دل سے زنگار چھوٹا
جنون تیری دولت تو اب تک بھی ہم سے — نہ جنگل ہے چھوٹا نہ کہسار چھوٹا
تماشے کے قابل ہے نالہ ہمارا — انار اس طرح کب شرر بار چھوٹا
ہوا اب جو پیوند عاشق زمیں کا — اذیت سے بارے یہ بیمار چھوٹا
جنوں کا زیر دست اتنا ہے پنجہ — گریباں کا جس سے نہ ایک تار چھوٹا
اچک ہی لیا مرغ دل کو جنوں نے — کدھر سے یہ شہباز خونخوار چھوٹا
کیا ہم نے سب اوسکی مرضی موافق — پر اس کا چلنا نہ زنہار چھوٹا

ہوئی عہد ایمان سو بار لیکن
نہ ادنی بھی یاں کا گناہ گار چھوٹا

ردیف "ب"

[1]

...پ ہے مشہور جگ میں شاہ خاور آفتاب — حسنِ عالمگیر کا تیری ہے چاکر آفتاب
...سے چہرہ کے تیرے انوار کا ہے مقتبس — شرق سے لے غرب تک کھینچے ہے لشکر آفتاب
...شہ اقلیم خوبان ہر سحر تیرے حضور — بھر شراب نور سے لاتا ہے ساغر آفتاب
...سا ہے، خط شعاعی نورافزا صد ہزار[1] — کب تیرے دستار زریں کے ہو ہمسر آفتاب

---

1. الف "گو رکھے خط شعاعی نور افزا صد ہزار"
ب "گو کہ ہے خط شعاعی نور افزا صد ہزار"

بسکہ ہے تو نور بخش دو جہاں اے بادشہ — ناصیہ سا ہر سحر ہے تیرے در پر آفتاب
گرچہ ہے وہ نور افروز زمین و آسماں — پر ترے آگے تو ہے ذرہ سے کمتر آفتاب

یا نبیؐ ایماںؔ کو سایہ ہیں اپنے دو جگہ
جب سوا نیزہ پر آوے روز محشر آفتاب

[۲]

میرا دل بیتاب کہاں ہووے گا یا رب
جی کو بھی کبھو میرے اماں ہووے گا یارب
قمری کی طرح میری بھی فریاد ہے کوکو
کس باغ میں وہ سرو رواں ہووے گا یارب
آئینہ نمط خانۂ دل صاف کیا ہوں
آنا کبھو اسکا میرے یاں ہووے گا یارب
مدت سے تمنا ہے یہی روبرو اس کے
میرا بھی کسو روز بیاں ہووے گا یارب
عاشق کے بھی دل کو ہو ٹک آرام کی صورت
خوش ہووے گا وہ آپ جہاں ہووے گا یارب
جوں تیر گزرتا ہے ہر ایک دم میں جگر سے
کس غمزدہ کا شور فغاں ہووے گا یارب
ایماںؔ کی ہے غرض تیرے جلوہ کی حاطر
بہتر کوئی دل سے بھی مکاں ہووے گا یارب

[۳]

گھر سے جانے کا میرے عزم نہ کر آخر شب — کہ مسافر کو ہے چلنے میں خطر آخر شب
ہے سر زلف میں اس دل کا گزر آخر شب — دزد کر جاتے ہے اپنا تو ہنر آخر شب

ن کی وہ پہنچتا ہے کہاں گرد کو صبر
راہ رو سو رہا جو کوئی اگر آخر شب

نے دیکھا تیری چوٹی میں پڑا سرخ موباف
کہاں آئے گا شفق آج نظر آخر شب[۱]

گلشن میں کرے کیوں نہ چمن کیسہ زر
چو نرگس آتا ہے سینے میں بھی در آخر شب*[۲]

بلبل نے یہ فریاد چلا جب گل پہ جب
لے گیا کاٹ کسو کا کوئی سر آخر شب+

گردش میں گواتا ہے کدھر پیر فلک
ساغر گلگونہ شبنم سے تو بھر آخر شب+

ق

بھکو نہیں اتنی کہن سالی پر
آب میخوار کو رکھتا ہے ضرر آخر شب+

رائی کے تصور سے نہیں تھمتا ہے
شل شبنم یہ میرا دیدۂ تر آخر شب٭

عیار ہے بیخود وہ کہیں ملتا ہے
بات آجاوے تو آجاوے مگر آخر شب

آہ سینہ میں نہیں رکھتی ہے ایمان کبھو
چلے آفاق میں جب باد سحر آخر شب

[۴]

سا کیوں کر نہ ہو اغیار مصاحب
ہر گل کا چمن میں ہے سدا خار مصاحب

فلق سے محبت اسے رہتی ہے شب و روز
شکوہ کروں میں جبکہ ہوں دو چار مصاحب

تیرے چشم کی ہے نرگس شہلا
بیمار کا دیکھا یہاں بیمار مصاحب

وہ ملک زلف سوا کس کی رسائی
ہو کیغ کا لازم ہے کہ ہر مار مصاحب

ہوے نہ بلبل کے تئیں گل سو بجا ہے
ہرگز کرے مفلس کو نہ زردار مصاحب

شہ کو صدا جام سے آمیزش دل ہے
میخوار کا ہو بزم میں میخوار مصاحب !

ایمان نہ کر اس بت بدکیش کی حسرت
کافر کا نہ ہووے کوئی دیندار مصاحب

ب ''کہا آیا ہی شفق آج نظر آخر شب'' ★ یہ اشعار نسخہ الف میں نہیں ہیں
یں کھلا

[۵]

کٹی فصل ہے نوجوانی کی اب
ہوس کس لیے زندگانی کی اب

یہاں دل سے دل مل گیا نامہ بر
نہیں بات باقی زبانی کی اب

نہیں اب تو ایمان عشاق سے
نہیں بات شیریں بیانی کی اب

کریں سر فدا راہ معشوق میں
دکھا دیں ہوس جانفشانی کی اب

نہ خسرو کی دہشت نہ حرمت کا پاس
رہے دہن بندھے یار جانی کے اب

کہاں کا وہ فرہاد اور بے ستون
یہ باتیں ہوتی ہیں کہانی کی اب

لے آیا ہے ایک کوہکن جوئے شیر
کوئی نہر تو لاوے پانی کی اب

[۶]

بندش نہ ایک طرّۂ طرار کی عجب !!
قامت عجب ہے طرز ہے رفتار کی عجب !

نرگس کے جس کو دیکھ کے آنسو ٹپک پڑے
صورت ہے ان دنوں تنِ بیمار کی عجب

ہے عندلیب گرچہ خوش آواز باغ میں
لیکن صدا ہے مرغ گرفتار کی عجب

طوطی برنگ آئینہ حیراں ہے روبرو
شیریں دہن کی طرز ہے گفتار کی عجب

ثابت نہ شکل بدر رہا کوئی باکمال !!
گردش کئی دنوں سے ہے سیّار کی عجب

خاموش بھی نہ کیجئے نہ روشن ہے مدعا
اس شمع رونے رات کو گفتار کی عجب

پل مارتے ہوا ہے جہاں رشک گل زمین
بارش ہے آج [illegible]

ہے اشکبار شبنم و نالاں ہے عندلیب!!
تیرے بغیر شکل ہے گلزار کی عجب
ٹک پاس آکے پیار کی آنکھوں سے دیکھ لے
حالت ہے تجھ سے دور ترے زار کی عجب
فردوس میں اگرچہ ہیں آرام صد ہزار
راحت ہے ایک سایۂ دیوار کی عجب!!
صحبت کے گرم ہوتے ہیں یہ سرد مہرباں
تو نے تو آشنائی مرے یار کی عجب
پروانہ آپ جل کے گرا پائے شمع پر
دیکھی ہے معذرت یہ گنہ گار کی عجب
لیوے کبھو نہ جان نہ بخشے کبھو گناہ
کیا پوچھتے ہو خو ہے ستمگار کی عجب
ظالم پہنچ شتاب وگرنہ ترے بغیر
جانا نہیں ہے جان کا دو چار کی عجب
ایمان ایک سے ہی نباہی نہ آج تک
خصلت ہے آشنائی میں دیندار کی عجب

[۷]

تجھ سے صنم دل کی عبث رکھتے ہیں عشاق طلب
ہم تو خدا کی قسم ہیں فقط اشتیاق طلب
شمس و قمر گرچہ ہیں یاں شام و سحر نور افزا
تیری ہی نت جلوہ گری کی رکھے آفاق طلب

اشک کا ہر قطرہ تو ہے مثل شرر گرم طپش
جنبش مژگاں ہی سے اب ہم تو ہیں چقماق طلب
نوکری کی ہم نے سدا ایک ہی بوسہ کے لیے
آپ کی سرکار سے کیونکر ہوئے بیباق طلب
فاقہ چلا ہے انہیں آج افاقہ جو ہوا !!
شیخ جی اب نہ کریں قیمہ دقیماق طلب
جو ہیں آزاد منش عرصہ ہستی بیں وہ ہیں
عالم قید سے ہیں عالم اطلاق طلب !!
سبزۂ خط جب کہ ہوا زہر مسکر حق میں منم
بوسہ لب سے تیرے کیوں نہ ہوں تریاق طلب
دیجے ہم کو بھی کبھو بوسۂ شیریں بخوشی
طبع پہ سرکار کے اب گو کہ ہے یہ ساق طلب
اس کی ثنا پھر بھی کبھو ہووے نہ ایمان ادا
برگ درختوں سے اگر کوئی ہوا اوراق طلب

(۸)

مجھکو دے اپنے عشق کی ہر دم شراب رب !!
حشر میں پھر تو لینا ہے آخر حساب سب
کرتا ہوں چاک چاک گریبان برنگ گل
غنچہ دہن وہ مجھ سے کرے ہے حجاب جب
ایسا تو سرو قامت دگلگوں بدن ہے یار
بوئے دہن سے نکہت دبرگ گلاب لب

گر عزم ہووے سیر کا اس شاہ حسن کو
حاضر ہوئے جلو میں نشان آفتاب تب
بوڑھا سمجھ کبود فلک کو نہ ہو سوار!
اور ماہ نو کے گہنے لگاوے رکاب کب
ایمان جب کہ بزم میں آیا وہ شمع رو
پروانہ ساں نثار ہوئے شیخ و شاب سب
تمہیں تو کام نہ تھا رات کچھ سوائے شراب
پینا ہوں خوں میں اپنا یہاں بجائے شراب
رقیب دیکھ کے جل جل کباب ہو جائے
تو اپنے ہاتھ سے جس دم مجھے پلائے شراب
نگاہ چیں بہ جبیں میں ہے عجب کیفیت!
کہ قشرہ میں کوئی جس طرح ملائے شراب
وہ جام زہر ہلاہل ہو ساقیا لیس مرگ
ہمارے نام پہ پہلے نہ گر بہائے شراب
عیاں ہے اس پہ ہی ایمان جزو کل کا حال
پیا ہے جس نے کہ جام جہاں نمائے شراب

ردیف (پ)

خوشنما رخسار سے ہوتا ہے کاکل کا ملاپ
عارض گلشن ہو جیسے زلف سنبل کا ملاپ
تو تو ہم آغوش ہوتا ہی نہیں دل کھول کر
اس قدر مجھ سے ہے کیوں تجھکو تامل کا ملاپ
عشق میں ہم درد ہیں اے باغباں میں اور وہ
فصل گل میں مجھ کو خوش آتا ہے بلبل کا ملاپ
خون دل آتا ہے بھر کر چشم میں تیرے بغیر
بزم میں شیشے سے ہو جب ساغر مل کا ملاپ
بلکہ گر ہنس ہنس کے ملتے ہیں پری رو جیسے
خندہ کبک روی سے شور قلقل کا ملاپ
ہم بجا ہیں اس کے ہوویں آشنا جس کے ہزار
باغباں بلبل کو ہی منظور ہے گل کا ملاپ
ماہ رو ایمان ملتا ہے کبھو دن عید کے
پر مجھے بھاتا نہیں ایسا تغافل کا ملاپ

ردیف ت

[۱]

ہے چار دن ہی بیں کلفت جہاں یہاں الفت
نبا ہے عمر تلک یار سو کہاں الفت

کسو بھی دن مجھے چاہا نہ تو نے اے بے مہر
ہزار حیف گئی میری رائیگاں الفت

نکل ہی جائے ہے پھر خاک میں ملا اک روز
رکھے ہے جسم سے ہر چند اب تو جاں الفت

یہ سب سلوک ہیں دل لینے کے سمجھتا ہوں
کرے ہے کون کسو سے اے مہرباں الفت

ادھر کو شمع جلی ہے ادھر کو پروانہ
جہاں کے بیچ ہے ان دونوں کی عیاں الفت

اسی کا نام ہے عالم میں مجمع البحرین
بڑھے ہے دونوں طرف سے جو ہر زماں الفت

بدل عداوت جانے سے ہووے آخر کار
غرض کے دیکھا ہوں ایماں ہے جہاں الفت

[۲]

کس کس طرح سے چلتی ہے باد بہار مست
زاہد بھی دیکھ ہو گیا جوں بادہ خوار مست

پہنچے ہے مے پرست کو تجھ چشم کے کہیں
بلبل اگر ہو ساغر گل سے ہزار مست

ساقی اگر دے اک مے ارغواں کا جام
ایسی غزل پڑھوں کہ ابھی سب ہوں یار مست

دامن تلک ہو چاک گریباں رگل اگر !
سنبل کی طرح جیب کریں تار تار مست

اب کے چمن میں آئی ہے وہ نو بہار مست
گل مست غنچہ مست ہے اور خار خار مست

بھرتی ہے یہ بھی لطف سے اپنی لہر میں
ہر ایک عندلیب ہے گویا ہزار مست

پی پی کی بڑھ میں ہے یہ پپیہا نشہ کے بیچ
قمری جدی ہے کو کو میں ایک خاکسار مست

یاقوت کا ہے جام ہر اک گل کے ہاتھ میں
سکتہ ہے سب چمن پہ جو ہو لالہ زار مست

فوارہ بات بات میں پڑتا ہے اب اچھل
دیکھو جو آبشار کو بھی اشکبار مست

مطرب ترانہ سنج ہے موج ہوا کو دیکھ
ابر سیاہ آوے ہے بے اختیار مست

مینائے سرو سے جو دو بالا ہوئی ہے کیف
بیٹھے ہیں جوئبار کے اب وار پار مست

چشمک زنی حباب کی ہوتی ہے دم بدل
یعنی ہے عالم آب کا ہر اک بار مست

ایمان آج اور ہے کیفیت چمن !!
دیوار و در ہیں مست ہر اک برگ و بار مست

[۳]

چھپتے نہیں ہر چند کہ آثار محبت
پر اپنی زباں سے نہ ہو اظہار محبت

کب شمع کرے گرمی بازار محبت
پروانہ نہ ہووے جو خریدار محبت !!

سر پر میں چڑھاتا ہوں اسے گل کی طرح سے
چبھتا ہے میرے پاؤں میں گر خار محبت

جز خون جگر ساغر دل بھرتے نہ دیکھا
جو کوئی ہو ادھر میں میخوار محبت !!

اب کیوں کر شفا پاوے نہ زخم دل عاشق
ہے سبزۂ خط مرہم انکار محبت !!

اقرار میرا ہے یہ تیرے جور و ستم سے
ہوتا ہی نہیں مجھ سے تو انکار محبت

ہر بت کے گلے بیچ ترے عشق میں کافر
مانند رگ سنگ ہے زنار محبت

اے لالہ رو سینہ کے مرے پھیوٹک داغ
پھولا ہے عجب رنگ سے گلزار محبت

جاں بخشی بیمار کو تجھ چشم کی پیارے
بہتر دم عیسیٰ سے ہے گفتار محبت

اس جور و جفا پر بھی فدا ہوتا ہوں جی سے
مجھ سا تو نہ ہووے گا گرفتار محبت

ایماں عداوت سے رقیبوں کی نہیں خوف
جو ہووے سو ہو میں ہوں طرفدار محبت

عـ ب پیارے

[۴]

یہ بہار نو جوانی سمجھ اے صنم غنیمت — جو خوشی کے ساتھ گذرے وہی جا[ن]
رہے کچھ نہ کچھ علاقہ شب و روز دلبروں سے — جو نہ ہووے مہربانی تو ہے پھر ستم
تجھے دے خدا وہ جوہر جسے کہیئے قدردانی — کہ ہیں عاشقوں میں تیرے میری جان
ہیں بندگی پذیرا تو جواب صاف دیجئے — میرے حال پر تمہارا ہے یہی کرم غنی
تجھے دیر تک بتوں کی جو نہیں ہے رسائی — تیرے حق میں شیخ کیونکر یہ نہ ہو حرم
ہیں اور اس جہاں میں کوئی لطف زندگی کا — بجز ان بتوں کی صحبت نہ سمجھو کم
شب و روز طے ہوں کیونکر یہ بدوں مشغلے کے — نہ ہو عیش گر میسر تو ہے تو ہے نشہ
کروں اپنے گریہ کا میں کہو کس طرح سے شکوہ — تپ دل کی آگ بجھانے کو ہے چشم تر
تو ہر اک زمیں میں ایماں جو لکھے ہے تازہ مضموں — لگے ہاتھ یہ کہاں سے تیرے یک قا

ردیف ٹ

(1)

یوں سراپا رہوں یارب قد جانان سے لپٹ
عشق پیچاں رہے جیوں سرو گلستان سے لپٹ

میری مشہد سے جو گذرے وہ کبھو حسرت دل
گرد کی طرح چلی گوشہ داماں سے لپٹ

یاد کر اپنی وہ پابندی آزادی ہم ہے!!
ہوئے گل روز ہر ایک طفل دبستان سے لپٹ

داغ ہوتا ہوں سراپا میں ہر اک محفل میں
جلے پروانہ اگر شمع شبستان سے لپٹ

بسکہ حیراں میری صورت کا ہوں اے آئنہ رو
رہے جیوں در نجف اشک بھی مژگاں سے لپٹ

ایک دیوانے کو ایماں چمن میں دیکھا
پڑ گئے اس تلوے کو پر سنبل و ریحاں سے لپٹ

ابرئے یار یہ بے طرح ہوا دل مائل !
دمبدم جاوے ہے اس خنجر پر اس سے لپٹ

فائدہ کچھ ہنیں جون شمع مجھے آب سرشک
آتش عشق گئی اب تو میری جاں سے لپٹ

یارب آغوش ہے ابتک جو کھلا مثل ہلال !
رات کو سوتے تھے ہم کس مہ تاباں سے لپٹ

روز روشن ہو میری چشم میں گویا شب تار
شانہ جاتا ہے جب اس کا گل پیچاں سے لپٹ

کھیولے باد صبا تو بدم سرد یہی !! — گوش دلدار کے اس گوہر غلطاں سے لپٹ
یاد آئی ہے کسی غنچہ دہن کی رخصت — روئے جب صبح کو شبنم گل خنداں سے لپٹ
لخت دل چشم سے یکبار نکلتے ہیں ہزار — ہار بن جاتے ہیں پھر تار گریباں سے لپٹ
دیدہ دیدار کا اتنا ہے ندیہ پیارے — جاوے اس بیت کو پڑھ سرو خیاباں سے لپٹ
اے خوشا وقت کہ اک پل میں ملا نور بصر — پیر کنعان جو رویا تھا کنعاں سے لپٹ

ردیف ث

(۱)

عاشق کے قتل کے لیے تدبیر ہے عبث ع!
وہ آپ جان نثار ہے شمشیر ہے عبث

دل آپ صید ہو کے تڑپتا ہے پاؤں پر
ابرو کمان اور مژہ تیر ہے عبث !!

ایک شب بھی مجھ سے دست درازی نہ ہوئی کبھو
خاطر کسو کی زلف کی دلگیر ہے عبث !

عاشق کے لیے قتل کی تدبیر ہے عبث

غیرت اگر ہے عشق کی تجھکو لے کوہ کن کی !!
شیریں کی پھر تو کھینچنا تصویر ہے عبث
آیا نہ ایک روز بھی وہ سنگدل ادھر
آہ سحر یہ سب تیری تاثیر ہے عبث
دیوانہ تیرے رشتۂ الفت میں قید ہے
یہ حلقہ حلقہ زلف کی زنجیر ہے عبث
احرام قبلہ رو کا جو باندھا تو چل نکل
ایمان کار خیر میں تاخیر ہے عبث

[۲]

نہیں ہے گل کہ ہو بلبل ہزار کی میراث
یہ حسن ہے میرے ہی یار کی میراث
یہ چار دن ہے تصرف خزاں کا گلشن میں
زمین باغ ہے آخر بہار کی میراث
تو پھول پھول عبث جھکتی ہے اے بلبل
کہ شاخسار تو ہے برگ و بار کی میراث
ترے تو کوچہ میں گر پڑ کے جائے لے رہنا
ہے نقش پا کی طرح خاکسار کی میراث
جہاں میں علم ہے ارمان دولت عظمیٰ !
کہ انبیا ہیں یہاں دیندار کی میراث

اں ب "یہ حسن بھی کہ ہے میرے ہی یار کی میراث"

(۴)

بجز مَن اور کب وحشت کے ساماں کا ہوا وارث
کہ میں ہی بعد مجنوں کے بیاباں کا ہوا وارث

وہاں شانہ ہوا اس زلف پریشاں کا ہوا وارث
یہاں دستِ جنوں ہر ایک گریباں کا ہوا وارث

نہ پوچھو انقلاب دہر کی سفلہ نوازی کو
کہ جن سے دیو بھی ملک سلیماں کا ہوا وارث

گواہی دیدہ دانستہ دیتا ہے یقیں اکثر
یہ طفل اشک جیسے فوج مژگاں کا ہوا وارث

زلیخا کو ملی گویا کہ ہفت اقلیم کی شاہی
عزیز مصر جس دن ماہ کنعاں کا ہوا وارث

کہاں ہیں شورشیں تیری رہیں اے اضطرار دل
یہاں زخم جگر کا اب تو ہر ٹانکا ہوا وارث

جو تھے زہرہ جبیں جادو نگہ سب ہو گئے باطل
کہ تم جب سے اسکی چشم فتاں کا ہوا وارث

بجا ہے بند شلوار اس پری کی ناف پر نازاں
کہ اکثر اژدہا ہی گنج پنہاں کا ہوا وارث

ہزاروں حسرتیں دن رات ناحق قتل ہوتی ہیں
دیار دل کا اپنے جب سے وہ بانکا ہوا وارث

چراغ افسوس لاتا ہے کوئی کب خاک پر اپنی
کہ داغ دل یہاں گور غریباں کا ہوا وارث

سخن کرسی نشیں کیوں کر نہ ہو ایمان کا یارو
کہ یہ بھی رفتہ رفتہ اب تو دیواں کا ہوا وارث

ردیف ج

[1]

نعیمہ تیرا تکمہ دار ایسا ہے جہاں تن سے آج
کوئی خوبی لے گیا یوسف کے پیراہن سے آج

سنبل و نرگس نے کھولا باغ میں جا اے صبا
بوئے مشک آتی ہے مجھکو نکہت گلشن سے آج

قطع ہوتی ہے تیرے قامت پہ قبائے دلبری
ہاتھ اٹھانے کا نہیں پیارے تیرے دامن سے آج

قامت دلدار نے برپا قیامت کر دیا ع۱
سرو رعنا کیوں نہ پیدا ہوں میرے مدفن سے آج

بارش مژگاں کی شدت نے کیا لپٹے یہ اوج
یہ جو طاق ہفت آسماں چھنتے ہیں ہر روزن سے آج

خانۂ تاریک کو ایمان کے خورشید رو
رشک مشرق کر تو اپنے چہرۂ روشن سے آج

[۲]

یار کے ابرو کی اے دل کیوں نہ ہو تصویر کج
جوہر شمشیر ہے اس میں جو ہے تصویر کج

ع۱ الف گر گیا

کوئی مہمان نے نہیں گردوں میں پایا راستی
کچھ بنا ہی سے پڑی اس گھر کی ہے تعمیر کج
لا گئے ہیں صاف یہ برگشتہ مژگاں ہی عجب
کام کا کیا اے کماں ابرو جو ہووے تیر کج
خضر طول عمر سے کیا فائدہ ہے جوں ہلال
عاقبت زیر فلک ہوتی ہے پشت پیر کج
جا پڑا چاہ ذقن میں عزم کر زلفوں کا دل
عشق کے جنگل میں پڑتی ہے رہ شبگیر کج
شور موج بحر سے اکثر شناور ہوئیں غرق
راستی اس میں کہاں ہے جس کی ہو تقریر کج
کچھ سخن میں سقم یوں ایمان کے اب ہو تو ہو
جوں بیاضوں میں کریں اشعار کو تحریر کج

[۳]

محتسب کے ہاتھ سے جاتی ہے میخانے کی لاج
تیری ہی آنکھوں نے رکھ لی آج پیمانے کی لاج
بد زبانی ہم نے سکھلائی تجھے اے غنچہ لب
کب ہمیں آتی ہے تیری گالیاں کھانے کی لاج
دیکھ کر سوز جگر میرا نہ پگھلا دل تیرا
شمع کو کب ہووے پروانے کے جل جانے کی لاج

ع اچھپتے ہیں پرویزن سے آج

بائی کھائی تو کبھو مجھ سے ملا کر گاہ گاہ !!
ہے تجھے ہر چند میرے گھر میں چل آنیکی لاج

لطف کیا رکھتا ہے ساقی دور ساغر دمبدم
کچھ بھی آتی ہے تجھے مجلس کے چل جانیکی لاج

تا کہ شبنم ہی اڑا مت دے ہوا اے گلستان
کچھ تو رکھ اے عندلیب اس آب اور دانے کی لاج

گھر مرے آیا ہے چل کر چلا ہے سو کہہ لے وہ اب
ہے مجھے ایمان اس تشریف فرمانے کی لاج

[۴]

دیکھ تیرے عہد میں مہر و محبت کا رواج
اٹھ گیا اے بیوفا عالم سے الفت کا رواج

جس طرف دیکھو تو ہے جور و جفا عاشق پر
ملک خوباں میں نہیں اے دل مروت کا رواج

گل کو بلبل سے لگا دیں، شمع کو پروانہ سے
تیری مجلس میں تو ہے بے طرح تہمت کا رواج

خوب ہنسنے میں نکل آتے ہیں آنسو یار ہا
یہاں تو ہے سامان عشرت بیچ حسرت کا رواج

آشنا گل کے ہزاروں دیکھتا ہے عندلیب
کب ہے مشرب بیچ بلبلوں کی غیرت کا رواج

فتنۂ عالم ہے از بس حسن تیرا اے نگار
کیوں نہ ہو خلقت میں چاروں سمت وحشت کا رواج

جشن ہے نو روز کا ایران جوں گل شاد ہو
دیکھ لے ہر بزم میں ہے عیش و عشرت کا رواج

[۵]

کون جز چشم حباب اب جانے ہے تحریر موج
غیر دریا کوئی سمجھے ہے کہاں تقریر موج
حسن اس چین جبیں کا دیکھ مانی نے کہا
چشمۂ خورشید پر کھینچے ہے یہ تصویر موج
پائمالی سے مری مت خوف کر اے خوش خرام
کب خس و خاشاک ہو سکتا ہے دامن گیر موج
کٹ گیا ہر ایک ماہی کا گلا بسمل کی طرح
بسکہ دریا میں چلی ہے رات دن شمشیر موج
تشنہ لب کیجو نہ غفلت ٹک دل بیتاب کی
دام اندازی میں ہے طرح ماہی گیر موج
کیونکہ ہر غرقاب کے زنداں سے جاں بر وہ جسے
طوق گر ڈالے گلے میں پاؤں میں زنجیر موج
بحر طوفاں جوش قدرت جبکہ ہو آشوب خیز
ناخدا سے ہو نہیں سکتی ہے پھر تدبیر موج
بسکہ بے پروا خرابی ہے محیط ناز ؟ !!
غرق ہوتے ہیں نہیں کشتی کی کچھ تقصیر موج
گوہر معنی سے ہے ایمان از بس آشنا
خوب بحر شعر میں اس سے ہوئی تسخیر موج

[٦]

سخت یاروں ہیں تمہارے ہاتھ سے ہوں لاعلاج
کیوں ستاتے ہو مجھے کیسی دوا کس کا علاج

قیس کی وابستہ ہے جانے لیلیٰ سے ہے زیست
سود یہاں حاصل نہیں کرتا ہے جز سودا علاج

کوئی جاتی ہے مسیحا تجھ سے یہ دل کی طپش
ہو اسی یاقوتی لب سے مگر میرا علاج

مجھکو ان بیمار آنکھوں ہیں شفا ممکن ؟ نہیں
اے طبیب اٹھ میرے بالیں سے پرے سر کا علاج

تب تو میں نے صاف یہ خدمت میں اسکی عرض کی
کیا کروں مجھ سے نہیں زنہار ہو سکتا علاج

شربتِ لب سے تمہارے جب نہ ہوں میں کامیاب
آپ ہی فرمایئے پھر دردِ دل کا کیا علاج

میں تپِ ہجراں سے مثلِ شمع پہنچا جاں بلب
آفریں صد آفریں تم نے کیا اچھا علاج

ایک دن اس شوخ نے ایمان مجھ سے کیا کہوں
دردِ دل کے ہاتھ سے دیکھا جو مجھکو لاعلاج

چشمِ ترچھی ہو کے چھاتی سے لگایا اور کہا
مجھکو . . . کر نہ کرتا رہے اپنا علاج

ردیف چ

[1]

اے آہ گو کہ ہے تجھے افلاک تک پہنچ
لیکن اس آستاں کی نہیں خاک تک پہنچ

اپنے غبار کو تو صبا ہو نہ زینہار؟ !!
اس گرم رو کی توسن چالاک تک پہنچ

دل پائمال خاک پہ ہوتا ہے تو عبث
اے صید ناتواں سر فتراک تک پہنچ

رشیوں کی جائے اپنی رگ جاں بدل کریں
ہو دست میکشاں کو اگر تاک تک پہنچ

تار نگاہ چشم بتاں کی تجھے قسم !!
اے سوزن مژہ دل صد چاک تک پہنچ

شب تیرے انتظار میں پیارے ہر ایک دم
جاں پھر گئی ہے دیدہ نمناک تک پہنچ

مجھ ناتواں سے گرمی بازار حسن ہے
آتش بلند جس سے ہو خاشاک تک پہنچ

دیوانگی کو خانۂ زنجیر سے ہے تنگ
اے خون گرفتہ قاتل بے باک تک پہنچ

ایمان دل کو جسم میں قدرت ہے بیشمار
خرمن بنے ہے دانۂ پنہاں خاک تک پہنچ

[۲]

یہ حسن عارض جاناں ابھی ہے عرق کے بیچ
دھرے ہیں گوہر غلطاں گویا طبق کے بیچ

حنا کو شوخ کے ناخن پہ دیکھ پا بہ رکاب
ہلال نعل در آتش ہوا شفق کے بیچ

نہ راہ بزم میں دے بوالہوس کو اب زنہار
خلل نہ آوے کہیں جشن کے نسق کے بیچ

میں نام ہجر سے جوں بید برگ لرزاں ہوں
خدا نہ ڈالے یہ صحرا کے لق دق کے بیچ

ہاتھ آبرو سے دھووں کہ باز آوں عشق سے
اب تو ہی کچھ بتا مجھے اے بے وفا صلاح
کعبہ کو جاؤں یا کہ کروں میں طواف دل
ایماں کچھ خدا کے لیے اب ہے کیا صلاح

[۳]

تجھ سے اے خورشید رو ازبسکہ شرماتی ہے صبح
دیکھتے ہی منہ ترا اک دم میں چھپ جاتی ہے صبح
خون دل پینے کا شکوہ کیوں نہ ظاہر ہو فلک
منہ کو غنچوں کے صبا کے ہاتھ کھلواتی ہے صبح
اب شب فرقت کی میں یار درازی کیا کہوں
سامنے میرے قیامت تک نہیں آتی ہے صبح
لالہ رو تجھ عشق میں ہر اک دن سینہ کا داغ
پھاڑ کر اپنا گریباں جگ کو دکھلاتی ہے صبح
گر نہیں ایماں اس کو دل فگاروں کی تلاش
مرہم کافور کس کے واسطے لاتی ہے صبح

[۴]

چہرہ سے اٹھے ہے جوں نقاب شام صبح
دور ہو لیوں اس پری کا حجاب شام صبح
وعدہ دیدار تو فردا سو ممکن نہیں
نکلے ہے ڈوبا ہوا جہاں آفتاب شام صبح
یہ شب ہجراں بدل یارب ہو روز وصل سے
ہے زمانے میں ہمیشہ انقلاب شام صبح
شمع کی مانند تیری بزم میں خورشید رو
پھر نظر آتے نہیں ہیں باریاب شام صبح

ا۔ الف " لی " ۲۔ ب " تجھ عشق میں "

جب کیا عزم سفر تب خاطر احباب سے
پھر کیا ناچار اکثر یا تراب شام صبح

غور کیجے ماہ نو کے معنیٔ باریک کو
کب نظر آتی ہے یہ مسطر کتاب شام صبح

صف بہ صف مجرے کو آتے ہیں جوانِ روم و زنگ
نکلے ہے جب وہ شۂ عالیجناب شام صبح

انقلاب دہر کے ہاتھوں سے اپنے بار ہا!!
بزم کی ہر گز نہ دیکھی آب و تاب شام صبح

شمع کا بھی پھر نظر آیا نہ وہ سوز و گداز!!
اور نہ پروانہ کا دیکھا اضطراب شام صبح

خوشنما تب ہے کوئی ابیات حسن ہوشاں
یہاں غلط ہوتا ہے اکثر انتخاب شام صبح

ردیف خ (۱)

ازبسکہ ہے نظارہ گل پیرہن میں شاخ
کیا پھول پھول جھوم رہی ہے چمن میں شاخ

ہم ٹک چھوئیں تو کھاتے ہے بل اور صبح و شام
شانہ نکالے زلف کی ہر اک شکن میں شاخ

دیکھے جو اس کے ابروئے مشکیں کو چشم تر
ڈہ جائے ویسا فراق غزال ختن میں شاخ

یوں ماہ نو بھی روبرو اس کے ذلیل ہے
پھوٹے ہے کوئی جیسے کہ بام کہن میں شاخ

باد بہار چلنے میں کیا باغ باغ ہے!!
جور خزاں سے بسکہ تھی رنج و محن میں شاخ

پھونکی صبا نے آن کے کیا گل کے کان میں
پھولوں نہیں سماتی ہے جو پیرہن میں شاخ

سمجھے ہے اپنی جائے کہ ہوں شاخ زعفران
پھوٹی ہے تازہ اب جو درخت کہن میں شاخ

زنہار اس کے روبرو ہووے نہ کہکشاں
نکلی نہ ایسی کوئی نہال سمن میں شاخ

کیوں بے کلی سے لرزے ہے اے عندلیب زار
رکھے جو تپ نہ عشق کی اپنے بدن میں شاخ

کیا ہی طرح یہ ڈالی ہے اردی بہشت نے
ہے گل فردش شمع کی بھی انجمن میں شاخ

ایمان سو چمن سے ہے رنگیں مشاعرہ
یہاں ایک تازہ نکلی ہے ہر اک سخن میں شاخ

[۲]

ہجر دیدوں کے نہو صرف جگر میں سوراخ
ابر کی طرح سے ہیں دیدۂ تر میں سوراخ

جب سے کرتے ہیں مژہ آہ جگر میں سوراخ
ایسے کب کرتے ہیں فولاد کے بر میں سوراخ

سفلہ پرور تو ہے یہ چرخ سیہ رو اتنا
رشتہ کے واسطے کرتا ہے یہ گھر میں سوراخ

کیا ہوا گھر سے جو باہر وہ نکلتا ہی نہیں
اس کے دروازے کے ہیں اپنی نظر میں سوراخ

نیش زن ہو کر ہو زنبور کے مانند اس کے
تیر آفاق کرے سینکڑوں گھر میں سوراخ

گل بے خار کسے دے ہے زمانہ کہ یہاں
پھول کے واسطے ہوتے ہیں سپر میں سوراخ

ناوک آہ سے ایماں کے ڈر آئے ظالم
یہی کرتا ہے دل شمس و قمر میں سوراخ[1]

ردیف د (۱)

ناصح سے ہو وہاں کیونکہ گریبان کا پیوند
ہو چاک گریباں جہاں دامان کا پیوند

تصویر میں لیلیٰ سے جو ہمدوش ہے مجنوں
بھالا بید ہوا سرو گلستان کا پیوند

یکسوئی مجھے کیوں نہ ہو گل پیرہنوں سے
سر رشتہ الفت ہے میری جان کا پیوند

آداب سے آدم کے مرقع پہ نظر کر
یہاں فقر ہوا خلعت سلطان کا پیوند

سبتہ نہ پھٹے کیوں کہ بھلا دیکھ کے جس دم
ہو پارہ دل دامن مژگان کا پیوند!!

بلکہ نہ کبھو چادر مہتاب پہ دیکھا
ہر چند کلف ہے مہ تابان کا پیوند

الفت کا یہی پھل ہے شگوفہ نہیں تازہ
دل کیوں نہ ہوا اس سیب زنخدان کا پیوند

لے حور سے تا بہ پری خلق میں تجھ بن
ملتا ہے کب اس بے سر و سامان کا پیوند

ایماں کے اشعار سب ازبسکہ ہیں رنگین
گلبرگ سے ہو کاغذ دیوان کا پیوند

(۲)

ہر ایک دم ہے مجھے اپنے دلربا کی یاد
کہ جس طرح سے ہو بیمار کو شفا کی یاد

کہو تو کیونکہ نہ مجنوں کہے انا لیلیٰ
کرے ہے آپ سے بیگانہ آشنا کی یاد

جو مست چشم ہے وہ اشک و آہ کیا بھولے
شراب خوار کو ہو ابر اور ہوا کی یاد!!

مجھے ہے شاہد و ساقی سے اب فراموشی
اگرچہ دختر رز کو بارہا کی یاد!!

---

[1] ردیف خ کی ایک غزل ضمیمہ میں شامل ہے۔

نہ چاہیے آپ کو جو کوئی ذکر کیا اُس کا
عبث ہے اتنی بھی دلدارِ بیوفا کی یاد!
خدا ہی دام سے زلفوں کے اب رہائی دے
ہر ایک شب ہے مجھے آہ کس بلا کی یاد
بساں شست مرے دل میں بھی تو اے ماہی
کھٹک رہی ہے وہ ابروے کج ادا کی یاد
بتوں کے عشق میں کیا ہاتھ آئے گا پھر
خدا کے واسطے ایمان کو خدا کی یاد

[۳]

نہ آوے بر میں مرے گلعذار سے ہے بعید
چمن میں جلوہ نہ دے یہ بہار سے ہے بعید
فلک کے ہاتھ سے دریا میں غرق ہوتا دیکھ
کرے کنارہ اگر یار ' یار سے ہے بعید
نہ آوے عید کو بھی میرے پاس تو ملنے
میاں یہ بات تو قول و قرار سے ہے بعید
جفا و جور تو ہے رسم دلبراں لیکن
خلاف وعدہ ترے اعتبار سے ہے بعید
گئی ہے قیس کے ملنے کو بارہا لیلیٰ
نہ لاوے پاس تجھے انتظار سے ہے بعید
صنم کے چشم کو بیمار دیکھ کر ہر دم !!
نہ ہو وے صدقے اگر جاں نثار سے ہے بعید

تو اپنے دوست کی ایمان رنج و محنت میں
خبر نہ لیوے کبھو دوستدار سے ہے بعید

غم نہ کھا زنہار تو ہوتے سے اپنے مو سفید
شکر کر ناداں کیا اللہ نے اب رو سفید
خون دل چھوٹ نکلے ہے کیا آنکھ سے آنسو سفید
اس پہ بھی میری طرف سے ہے تیرا ابرو سفید
بسکہ دکھلایا ہے مرگ قیس نے روز سیاہ
روتے روتے ہو گئے ہیں دیدۂ آہو سفید
کہکشاں پر خندۂ دنداں نما کرتا ہے چرخ
دیکھ اس کی مانگ میں گوندھی ہوئی لولو سفید
لولی دنیا نظر میں اس پہ بھی ہے خوشنما
شکل ماہ نو ہے اس کی گرچہ ہر ابرو سفید
ترک کر صحبت جوانوں کی کہے ہے پیر عقل
ہے سیہ کاری عبث جس دم ہوئے گیسو سفید
غش سے ہو جاتے ہیں سب رنگیں قبایان چمن
پہنتا ہے جس گھڑی پوشاک پیارے تو سفید
آہ کس گلچیں نے دی ہے دل کو بلبل کے شکست
غیر خون بہتا نہیں گلشن میں آب جو سفید
جب سے وہ غارت گر ایمان آیا بزم میں
گل رخوں کے ہو گئے ہیں رنگ ہر یک سو سفید

ردیف ڈ (۱)

خط آنے سے گیا نہیں رخسار کا گھمنڈ
ہووے زیادہ سبزے سے گلزار کا گھمنڈ

رکھتا ہے یار ابروے خمدار کا گھمنڈ
ہووے سپاہی زادے[1] کو تلوار کا گھمنڈ

اشہد یہ میری آن کے دامن کشاں چلا
اللہ رے ستمگر خونخوار کا گھمنڈ

کیا سرکشی ہے غنچہ و گل کو بہار میں
اے عندلیب آج ہے زردار کا گھمنڈ

توبھی ٹک اک چال کے دکھا دے خرام ناز
کبک دری کو اپنی ہے رفتار کا گھمنڈ

گلدستہ فرق عرش کا سمجھے ہے آپ کو
بل پہ صنم کے طرہ دستار کا گھمنڈ

پروانہ ساں نثار ہوں میں پر وہ شمع رو
رکھتا ہے اپنی گرمی بازار کا گھمنڈ

تیرے لبوں کے ہلتے ہی واں اڑ گئے حواس
طوطی کو گرچہ اپنی تھا گفتار کا گھمنڈ

سرمہ ہو جل کے برق تجلی سے کوہسار
پھبتا ہے اس کو جلوہ دیدار کا گھمنڈ

جوں جوں میں اپنی جان کو کرتا ہوں اب نثار
ووں ووں زیادہ ہووے ہے دلدار کا گھمنڈ

وحشت نے میری وادی مجنوں میں سربسر
پامال کر دیا ہے ہر اک خار[2] کا گھمنڈ

ایماں گرچہ اب وہ کہاں نو بہار حسن
پر مجھ سے اب تلک ہے وہی یار کا گھمنڈ

ردیف ذ (۱)

زبان خلق پہ ہر چند ہے نبات لذیذ
شکر لبوں کی مکر فہم میں ہے بات لذیذ

ہمیں تو پستہ و بادام و سیب ہے مرغوب
کہ باغ حسن کے ہیں یہ میوہ جات لذیذ

یہ بات اپنے تو نزدیک نقل مجلس ہے
کہ ہے سرش لب شیریں سے لوزیات لذیذ

۱۔ ب ”سپاہ زاد کو“ ۲۔ ب ”بیار“

شکر شکن ہے گویا طوطی ہزار زباں؟
عجب ہی عاشق بیدل کے ہیں نکات لذیذ
حلاوت اور بھی ایمان کو کی ہے ایسی
جہاں کے بیچ میں ہے جسقدر حیات لذیذ

[۳]

صبا کے ہاتھ میں بھیجا ہوں یار کو کاغذ
کہ برگِ گل پہ لکھا نو بہار کو کاغذ
سوائے برق نہ ہو اور نامہ بر میرا
اگر لکھوں میں دلِ بے قرار کو کاغذ
جگر کے خون سے اب صفحۂ حنائی پر
کیا ہے میں نے رقم گلعذار کو کاغذ
سوائے بندگی و عاجزی قلم کرتا
لکھا ہوں اپنے اگر افتخار کو کاغذ
خدا کے واسطے پیارے کیا کر اب تحریر
کبھو کبھو کوئی امیدوار کو کاغذ !!
جہاں کے بیچ ہے ایمان کی قسم یہ رسم
کہ دوستدار لکھے دوستدار کو کاغذ

ردیف ر (۱)

تیرے گلشن خوبی ہوا ہے تازہ اے دلبر
میرے سے گلخن محنت ہوا ہے شعلہ زن اکثر
تیرے توحسن کا شہرہ جہاں میں ہے ہر سو
ہوا ہے سب پہ یہ روشن تیرا ہی رخ ہے انور

کبھو تو آن کے صورت دکھا مجھکو کہ ہے حسرت
تترے ہی ملنے کی خاطر رہے ہے دل مرا مضطر
کوئی ہوگیا ہے خوشرو بہار ناز کہ جادو
نہ ہووے اے میان ہرگز تترے وہ حسن کے ہمسر
کیا ہوں دل تنترے قربان ہمے تو جان بھی دوں ہیں
نہیں ہے مجھکو اے گلرو تترے سے اب کوئی بہتر
کبھو تو آن کے بارے گلے سے ملیو اے پیارے
مجھے تو ہجر کا دن اب ہوا ہے ہمسر محشر
تترے تو شعر کے ایمان سننے سے کیوں نہ ہو حیران
جیسے کہ دعوی اوزان ہوا ہے بحر کے اندر

[۲]

ازبس ہے جوں نسیم مجھے جستجوئے یار !
ہر گل کے بیچ ڈھونڈھتا پھرتا ہوں بوئے یار
شب بیخودی گئی تھی مجھے لے کے سوئے یار
میرا یہ سر تھا اور در و دیوارِ کوئے یار
جرأت کہاں کہ عرض کروں آرزوئے دل
حیرت زدہ ہوں آئینہ ساں روبروئے یار
اے شانہ اسکی زلف کو آہستہ کھولیو !
وابستہ تار جان سے ہے ہر تار موئے یار
اوروں کے ساتھ لطف و عنایات ہے مدام
اب تک ہے ایک مجھ سے وہی گفتگوئے یار

جور و ستم یہ مجھ پہ شب و روز تا کجا
یارب ٹک ایک بدلے کس طرح خوئے یار
آئینہ پاش پاش کروں دل کے بیں یدل
ہووے اگر نہ بیچ میں ایمان روئے یار

[۳]

اے مرغ دل اب صبح ہوئی شام قفس پر
صیاد نے پوشیدہ کیا دام قفس پر
جوں غنچۂ دل بلبل نالاں ہو شگفتہ
کرتا ہے نظر جبکہ وہ گلفام قفس پر
یاں کسکو تلاش آب کی یا دانہ کی خواہش
موقوف رکھے ہم نے یہ سب کام قفس پر
فریاد ہے یہ مرغِ گرفتار کی اے گلشن
افلاک کا اب ٹوٹ پڑے بام قفس پر
کیا بلبل نالاں کو ہے ایمان سروکار
زینت کا ہوا گو کہ سرانجام قفس پر

[۴]

سمجھے ہے کب منادیں اسی کو ہزار پیار
مجھ سے ہی جب تلک کہ نہ ہووین نثار یار
شانہ ہے آئینہ ہے مسی اور تو تیا
خلوت میں اس کی پاتے ہیں ہر دن نیا نیا بار
ہر اک مژہ کی نوک پہ میرے یہ لخت دل
جب ہوئیں چشم چار تو بٹ جاویں چار چار
صبر و قرار و طاقت و دل لے گئی نگاہ!
کرتی ہیں ایک تیر میں آنکھیں شکار چار
ایمان آپنے مصحف دل کا یہ رنگ ہے
لالہ کی طرح ہیں ورق داغدار چار

ا۔ الف ” نالہ

[۵]

کودک اشک نہ ہو جو رہے گھر سے باہر
مردمک سادہ رکھے پاوں نہ در سے باہر
ضعف سے اشک نہ ہو دیدہ تر سے باہر
کبھو نکلے ہے تو کس خون جگر سے باہر
داغ دامن پہ نہ آنے دے ذرا جوں خورشید
گرچہ رہتا ہے وہ تا شام سحر سے باہر
ناتواں کو بھی رسائی ہے کہاں تک ٹک دیکھ
رشتہ نے سر کو نکالا ہے گہر سے باہر
سرو قامت سے ہی امید بر آوے یارب
نکلے جس دن کہ ثمر شاخ شجر سے باہر
ناصحا عشق سے زلفوں کے نہ کر منع مجھے
یہ نہیں ہونے کا سودا میرے سر سے باہر
تیغ بیدار فلک اس پہ چلے مثل کشف
جس نے یہاں سر کو نکالا ہے سپر سے باہر
حسن ایماں ترقی پہ ہے اس کا جوں مہر
ہر سحر نکلے ہے وہ رنگ دگر سے باہر

[٦]

پھرتا تھا سلیمان اگر شاد ہوا پر ! — سر کھینچے ہے میرا بھی وہ شمشاد ہوا پر
افسون محبت سے میں شیشہ میں اتاروں — پرواز کرے گو کہ پریزاد ہوا پر
یوں دیکھوں ہوں ہر وقت میں نالہ کے اثر کو — رکھتا ہے نظر جیسے کہ صیاد ہوا پر
آفت یہ تبر کے سر پہ ہی لاوے گا ستم ہے — مت پھینکو تیشہ کو اے فرہاد ہوا پر

جاتی ہے چلی آہ یہ فرہاد ہوا پر — پیہا تیرے دل میں کبھو جاوے اثر نے

اڑ جائے شرر کی طرح آزاد ہوا پر — بیتاب ہو تجھ یاد میں ہر دم دل سوزاں

جس طرح سے شبنم کی ہو ایجاد ہوا پر — آنسو تو نکل آتے ہیں پلک آہ کے بھرتے

جس مرغ نے دانے کو کیا یاد ہوا پر — ہوتا ہے گرفتار وہیں دام میں ناگاہ

ایمان نثار باد بہاری پہ نظر کر

گویا کہ ہے نقاشی بہزاد ہوا پر

[۷]

دیجیو مجھے اک جام کھنچوں ہوں کب سے خمار — ٹک تو ادھر بھی نگاہ ساقی گلگوں عذار

آیا ہے ساقی امنڈ زور ہے ابر بہار — پینے اب وہ شراب کہتے جسے آفتاب

کون سا تیرا گناہ ہم نے کیا اے نگار — مے جو ہندی کے ساتھ دل کو کیا پائمال

دل کو تو تیرے بغیر آوے ہے کیونکر قرار — اے نسیم بہار کیجیو ہرگز نہ دیر

دیکھوں نہ اے عندلیب ہو دیں جو گلزار ہزار — جیسے میرا حبیب ہو مجھے وہ ہی نصیب

چہرہ ہے وہ رشک حور ہے مجھے باغ دہار — صرف ہے میرا قصور ہووے جو گلشن کا شوق

دیکھیو ایمان آہ بسکہ ہے وہ رشک ماہ

کرتے ہیں اس پیارے کا اہل چمن انتظار

[۸]

گلابی لے کے اے ساقی شراب ارغوانی بھر

پیالے میں دم صبح آفتاب ارغوانی بھر

غبار خاطر نازک ہے سرمہ ہم نے دیکھا ہے

نہ آنسو سے تو چشم نیم خواب ارغوانی بھر

تیرا در پردہ ہنسنا بھی کھل جاتا ہے اس سے کیا کم ہے

انہیں پھولوں سے دامان نقاب ارغوانی بھر

نہیں اک ساغر گل ہی میں گلگوں پہ تیری خاطر
سحر خورشید بھی لاتا ہے قلب ارغوانی بھر
غبار کو بلا کر زندگی میں چشم کا سرمہ
یہی اپنے کفن میں بھی تراب ارغوانی بھر
شرف پاتا ہے اس خورشید رد سے حسن نوروزی
خموں میں ساقیا صہبائے ناب ارغوانی بھر
زبس نوروز اب آیا ہے رنگ ارغوانی بھر
جواہر کشتیوں میں بھی خوش آب ارغوانی بھر
عرق افشاں بہار آتی ہے اب تدبیر کو اس کی
پھر ایک غنچہ کے شیشے میں لعاب ارغوانی بھر
طبق بھر بھر کے رنگیں لخلخوں سے رکھ شتابی سے
ادھر پچکاریوں میں بھی شہاب ارغوانی بھر
لباس جامہ زیبوں پر چھڑکنے کے لئے اب کی
ہر اک شیشوں میں رنگ انتخاب ارغوانی بھر
کہ دے سر دیں بھی اور غنچوں کی گلابی میں
شتابی اب ہئی لب لباب ارغوانی بھر
کباب سرکشی سے آج کے دن تجھکو لازم ہے
نمکداں اک طرف شیشے کے قاب ارغوانی بھر
ستاروں کی یہ چشمک ہے شب مہتاب میں ساقی
پیالہ ماہ کا لے آفتاب ارغوانی بھر!!
عجب ہیں شیرازہ بند اوراق گل یکجا
تو اپنی نظم سے اب یہ کتاب ارغوانی بھر!

(۹)

بسکہ ہے طوبیٰ سے بہتر ہر نہال کوئے یار
ہو سکے باغ ارم کیوں کر مثال کوئے یار

جوں بگولا سرکشی سے دشت گردی ہے عبث
گرد رہ کی طرح رہئیے پائمال کوئے یار

یہاں ہوائے باغ کی کسکو ہوس ہے اے نسیم
ہے مجھے گلبرگ سے بہتر سفال کوئے یار

تیغ کی دوری سے کہ سرگشتگی کے چاک پر
کاسہ سر ہی اتارے ہے کلال کوئے یار

مت سیہ کیجیو ادھر تو چشم کو اے بوالہوس
بہتر از صید حرم ہے ہر غزال کوئے یار

گاہ غرفہ گہ لب بام آہ تھا سیر نظر
کس تماشے سے کٹے ہیں ماہ و سال کوئے یار

دیدہ افلاک یاں ہیں فرش خاک راہ پر
پوچھیے جبریل سے جاہ و جلال کوئے یار

پھر ہوائے زندگی بھی طبع سے ناشاد ہو
یاد آوے جب ہوائے اعتدال کوئے یار

وہاں قدم پڑتا نہیں سر سے گزرنا صرف ہے
بوالہوس زنہار مت کیجیو سوال کوئے یار

نقش پا ہوتا ہے کوئی بدر اور کوئی ہلال
یہ تو سب عالم میں روشن ہے کمال کوئے یار

شیخ کعبہ کے در و دیوار میں کیا خاک ہے
خانہ دل سے ہے اپنے اتصال کوئے یار

گلشن فردوس بھی ہو تو نہیں لگتا ہے جی
جس گھڑی یاد آتا ہے خیال کوے یار

[۱۰]

سر مو بھی نام بغیر یاں نہیں رکھتے جبکہ نشاں کمر
جسے دست غیب ہو کچھ نہ کچھ وہی پائے تری میاں کمر
نہ ہی ایک ذرہ پڑا نظر ہو ہوے نہ یہ جلوہ گر
یہ گمان و وہم ہے سربسر وہ کدھر دہن ہے کہاں کمر
جو وہ سانس لیتے لچک گئے تو گیا نکل ہی ادھر کو جی
کہ مجھی سے زار و نزار کی نہیں جھوٹ ہے رگ جاں کمر
نہ خیال اسکو تو پائے ہے نہ تو فکر میں وہ سمائے ہے
ہی اب تو دھیان میں آئے ہے کہ ہے محض اپنا گماں کمر
نہ سپہر ہے پارہ میغ ہی کہ برنگ برق وہ تیغ ہے
نہیں دمبدم یہ دریغ ہے جو نہ باندھے آج تو وہاں کمر
رگ گل میں ڈھونڈھے کوئی نشاں کوئی پیچ اسکو کرے گماں
یہ بھی ہیں وہم کے درمیاں کہ نہیں ہے وہ جہاں کمر
نہیں دور ہے یہ خیال سے وہ کفل ہیں گرچہ خیال سے
رکھے باندھ دونوں کو بال سے وہ تیہ ہے تنعبدہ داں کمر
نہ نفط ہے مو ہی منفعل کہ پلنگ بھی ہے سدا خجل
نہ ہی تہہ پیچ سے نا چکل ہے نظر سے گرچہ نہاں کمر
جو ہیں مو شگاف جہاں میں وہ سدا رہتے ہیں گماں میں
نہیں لاک بھی آتے ہیں دھیان میں تری وہ جان جہاں کمر

مہ و خور کی عینک اگر بنا کرے غور پیر فلک سدا
نہ دکھائی اس پہ بھی دے ذرا کہوں کیا کرے ہے قران کمر
یہ سراب ہے یہ خیال ہے کہ نزاکت اس کا کمال ہے
یہ مکر ہی دل کا وبال ہے ایمان نہیں وہاں کمر

[۱۱]

یہ دود نفس نہیں دل بیتاب میں زنجیر — بجلی کی پڑی چشمہ سیماب میں زنجیر
یوں زلف ہے رخ پر شب مہتاب میں زنجیر — لنگر کے ہو جسطرح پڑے آب میں زنجیر
گلگشت چمن ہے نہ پئے گردی صحرا — دیوانہ کے حائل ہے ہر ایک باب میں زنجیر
قہقہہ کا ہوا چار طرف زور ہے ایک غل؟ — ٹوٹے جو مری محفل احباب میں زنجیر
دل کیوں نہ ہو اب حلقہ کاکل میں گرفتار — آئی تھی نظر رات مجھے خواب میں زنجیر
مالک زلف سیہ دیکھ خوش ابرو کے تو اے شیخ — کعبہ کی لٹکتی ہے یہ محراب میں زنجیر
پھر یاد دلاتی ہے خط سبز کسو کا ! — دکھلائے ہے جوہر یہ سیہ تاب میں زنجیر
پابوسی دیوانہ سے رکھتی ہے سروکار — کوتاہی نہیں کرتی ہے آداب میں زنجیر
الجھے ہے مہ نو سے میری آہ رسا یوں — آویختہ جسطرح ہو قلاب میں زنجیر
یہ موج نہیں بادیہ نجد میں ہرگز ! — مجنوں کی بھی پھرتی ہے سیلاب میں زنجیر

ایمان علائق سے نہ کسطرح ہو آزاد
ہے پاؤں کی یہ عالم اسباب میں زنجیر

[۱۲]

تجھ سا کوئی وجیہہ نہیں آسمان پر
کیونکر کرے نہ ناز زمیں آسمان پر
نالہ ستم کشوں کا ستم کردہ تیر ہے
لرزے ہے جس سے عرش بریں آسمان پر

وعدہ کیا ہے وصل کا اب مجھ سے شاید آج
زہرہ ہوا ہے مشتری سے قریں آسمان پر
تیری ہے بنت غلامی کا اے بادشاہ حسن
رکھتا ہے ماہ داغ جبیں آسمان پر
پرواز اوج قصر پہ تیرے نہ کر سکے
وہ مرغ جو ہے سدرہ نشیں آسمان پر
دولت سے ہووے وصل کے جس روز سرفراز
پھینکے کلاہ کو یہ حزیں آسمان پر
ٹوٹا نہ یہ شہاب ہے ایمان بے سبب
پہنچی ہے میری آہ کہیں آسمان پر

[۱۴۳]

جس گھڑی آغوش سے میری ہوا دلدار دور
چشم دریا بار کا گزرے فلک سے پار پور
تنگ ہے عرصہ دنیا میں ایسی چال چل
جو نہ ہووے پاؤں کے نیچے کوئی مسمار مور
پوچھتے کیا ہو کہ اب سنگ جفائے یار سے
شیشۂ دل ہو گیا اک آن میں ناچار چور
چشم پوشی پر بھی دشمن کے نہ ہوا ہے من کبھو
ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر ہووے ہے دشمن مکار کور
جس پہ ہے ایمان روشن بزم وحدت خلق میں
مثل پروانہ نظر آدے اسی کو نار نور

[۱۴]

آئی چمن میں فصل بہار | کرتے ہیں دلکش نغمہ ہزار
نرگس جادو بادہ پرست | زلف معنبر ہے سب تار
خون سے عاشق کے ہے مدام | ہاتھ پہ تیرے رنگ نگار
گردش چشم سحر فروش | فتنہ اٹھا دے لیل و نہار
پاس سے میرے گزرے ہے روز | گرم عنان وہ شاہ سوار
دیکھ کے اسکا چہرہ خوب | غنچہ و گل سب ہوویں نثار
کیوں نہ مجھے دے اب تو فریب | بھول گیا وہ قول و قرار
نشہ دنیا بس ہے خراب | دور نہ ہووے اسکا خمار

سن لے میاں ایمان کی بات
رکھیے نہ دل کے بیچ غبار

[۱۵]

گلبدن غنچہ دہاں ہے بہتر | شمع رو چرب زباں ہے بہتر
تندرستی ہی بڑی نعمت ہے | جان بہتر تو جہاں ہے بہتر
جب کہوں میں کہ کروں جی قربان | ہنس کے کہتا ہے کہ ہاں ہے بہتر
جگ کے شمشاد قدوں میں قمری | وہ میرا سرو رواں ہے بہتر

رہ تو ایمان ملازم ہر دم
دل سے بھی کوئی مکاں ہے بہتر

ردیف ڑ

(۱)

اب ''تندرستی ہی بڑی ہے نعمت''

جاؤں کدھر میں کوچۂ گل پیرہن کو چھوڑ
جاتی ہے عندلیب کہیں بھی چمن کو چھوڑ

کیا قدر لعل کی ہے بدخشاں کے ملک میں
گر چاہتا ہے رتبۂ شاہی وطن کو چھوڑ

اس چاہ میں تو غرق ہوئے ہیں ہزارہا
اے دل کسی طرح بھی خیال ذقن کو چھوڑ

تن پروری کے واسطے منعم نہ مر عبث
جاتی ہے جان خاک میں آخر بدن کو چھوڑ

ایمان اور کچھ نہیں مقدور اگر تجھے
عالم میں یادگار تو اپنے سخن کو چھوڑ !

ردیف ر (۱۶)

سوتا ہے جب پری رو لے کر نقاب منہ پر
میں آنسوؤں سے چھڑکوں اسکے گلاب منہ پر

ازبسکہ ہے تصور مجھکو کسی کے رخ کا
جاتا ہوں جسطرف کو ہے آفتاب منہ پر

دانتوں کو تیرے جب سے دیکھا ہے اے پری رو
ہرگز نہیں رہی ہے گوہر کے آب منہ پر

کس کس مصیبتوں سے جسکو زباں سکھائی
اب وہ لگا ہے دینے ہر دم جواب منہ پر

بوسہ کا قصد جسدم آتا ہے میرے دل میں
وہ پنجۂ نگاریں ہووے حجاب منہ پر

منظور میری الفت تجھکو اگر نہیں ہے
جو کچھ کہ دل میں ہووے کہدے شتاب منہ پر

جو شوخ ہم پیالہ تھا مجھ سے ایک مدت
اب پھینک مارتا ہے جام شراب منہ پر

فصل بہار میں بھی یہ حسن گل نہ دیکھا
ہے جس قدر کہ اسکے جوش شباب منہ پر

لیکر نشان نالہ فوج سرشک نکلے
آتا ہے چڑھ کے میرے جس دم سحاب منہ پر

ایمان وصل کی شب اک آن میں ہی گزری
آنکھوں سے بہہ رہا ہے اب خون ناب منہ پر

[۱۷]

نکلے جب تیر و کماں وہ صید افگن باندھ کر
ہیں جلو میں کیوں نہ تب حاضر ہوں دامن باندھکر

کوچۂ سرکار کا اے قبلۂ عالم مدام
آتے ہیں احرام سب شیخ و برہمن باندھکر!!

خوب ہے جو کامیاب اسوقت مجاہد کوئی
کب تلک کھوگے تم محرم میں جوبن باندھکر؟

صاحب من آہ کب کوئی لگا سکتا ہے ہاتھ
آپ نے چوٹی میں اک رکھی ہے ناگن باندھکر

عشق میں شیریں لبوں کے جی ہوتا فرہاد سا
بیٹھے اب کوہ کے دامن سے دامن باندھ کر

منہ تو دیکھو سامنے اپنے جو ٹھیرے ایک دم
آوے چار آئینہ بھی ہر چند دشمن باندھکر

یوں دکھاتے ہیں سپاہی دور سے مژگان یار
جس طرح آتی ہے صف میدان میں پلٹن باندھکر

آئی ہے فصل بہار اب گھر میں کیا بیٹھے ہیں آپ
پاؤں کو اپنے حنا اے صاحب من باندھ کر

گل کھلے ہیں باغ میں اور کس مزے سے نہر پر
سرو ہیں باہم کھڑے دامن سے دامن باندھکر

خاک بھی اب تو مضامیں کی نہیں باقی رہی
لے گئے خرمن کے خرمن باندھ کر!!

جنکا مصرع ہے ہر اک ایمان شمع بزم نطق
نازدہ کرتے نہیں مضمون روشن باندھ کر

[۱۸]

ہووے بے وجہ و سبب چیں بہ جبیں میرے پر
کرنے اثبات تحمل وہ بت چیں میرے پر

ماہ رو شب جو ہوا یار نظر سے غائب
یک بیک ٹوٹ پڑا چرخ بریں میرے پر

نگہ دیدۂ خوں ریز ہر ایک گوشے سے
ترک تازی ہی کی کرتی ہے کمیں میرے پر

جانتا ہوں میں اسے خوب سنا اے ہمدم
پیار آتا ہی نہیں اس کے تئیں میرے پر

ان دنوں شکر خدا ہے کہ بت سنگیں دل
لطف فرما ہے یہاں ہیں میرے پر

ہم نواؤں سے یہی کہیو صبا گلشن میں !!
کیا کروں آہ کہ کھلتے ہی نہیں میرے پر

دام صیاد میں لا مفت پھنسایا مجھ کو !!
اور تو کیا کہوں اڑ جائیں کہیں میرے پر

آشیانے کو قفس سے تو پہنچنا معلوم
ہوں گے برباد کس روز یہیں میرے پر

بیٹھنے کا نہیں زنہار میں چلمن کے قریب
تہمت آجائے نہ اس طرح کہیں میرے پر

کبھی ---- بیماری کبھی بادام کبھی بن کبھی لونگ
گاہ گل پھینکے ہے وہ پردہ نشیں میرے پر

ہووے ایمان اسے غیب سے ناگاہ شکست
گر کمر باندھے کوئی دشمن دیں میرے پر

[۱۹]

نقاش سپہر کو اندیشہ تصویر !
سر سبز د ہیں ہووے رگ وریشہ تصویر

سایہ بیں نہ ہو بیدکی گر صورت مجنوں
کچھ لطف وہ رکھتا ہی نہیں پیشہ تصویر

تصویر کی ہو بزم نہ کیوں عیش سے خالی
ہے بادہ حیرت سے بھرا شیشہ تصویر

رکھتی ہیں نہیں دھاں دخل زمانے کی دورنگی
سر سبز ہی رہنا ہے سدا بیشۂ تصویر

بھولے نہ سر مو ہے وہ مجنوں کا تصور
تشریح کرے جو کہ رگ وریشہ تصویر

ٹک غور سے دیکھو تو سخن سچ ہے گویا
ہر چند خوشی ہے کہ فقط پیشہ تصویر

کھنچا نہ سر مو بھی تیرا نقشہ دلکش
مانی نے قلم لے کے بہ اندیشۂ تصویر

شیریں سا کو پسند آئے کیوں الفت فرہاد
کیا سنگ پہ کھینچا ہے رگ وریشہ تصویر

ایماں کہیں دیکھ کے تصویر کسو کی
ہم نے بھی پسند اب تو کیا پیشۂ تصویر

ردیف ز (۱)

نہ ہے شوق غرفہ اسکو نہ ہوائے بام ہرگز
نہ ہو جلوہ گر کہیں بھی وہ مہ تمام ہرگز

مجھے بندگی ہی کرتے ہوئے سالہا برس اب تک
شیریں کبر سے اسکے نہ لیا ہے کام ہرگز

ہوئی ایک عمر مجھکو پھروں ہوں سر برہنہ
وہ غزال مجھ سے اب تک نہ ہوا ہے رام ہرگز

جو ہزار بولے کوئی کہ نہ ملیو عاشقوں سے
تو نہ کیجیو پیارے یہ خیال خام ہرگز

کہو کس طرح بلاوے مجھے اپنے گھر ہیں یارو[1]
وہ صنم کہ جس نے میرا نہ لیا سلام ہرگز
تجھے مجھ سے اب عداوت بہ خدا ہی جانے کیا ہے
نہ دیا جو تو نے ساقی مجھے ایک جام ہرگز
یہی آرزو ہے ایماں کہ ہوں لب بلب میں اس سے
کہ حیا سے جس نے میرا نہ لیا ہے نام ہرگز

[۲]

اشک ٹپکے نہ کبھو دیدۂ تر سے ہرگز
عجب کہ باقی نہ کچھ خون جگر سے ہرگز؟
یہ بھی ایک شیشۂ نازک ہے نہایت رنگیں
مت پٹک دل کو مرے یار نظر سے ہرگز
متصل ابروئے خمدار کے ہے خال سیاہ
یہاں سروکار نہیں تیغ و سپر سے ہرگز
نام سنتے ہی رہے دہر میں عنقا کی طرح
کچھ نشاں ہم نے نہ پایا ہے کمر سے ہرگز
مغز کھا جاتے ہے ناصح کی سراسر بکواس
گفتگو ہم نہ کریں ایسے لچر سے ہرگز
لوگ جاتے ہیں ادھر ہی سے چلے سوئے عدم
پھرتے دیکھا نہ کوئی ہم نے ادھر سے ہرگز
چاہیے ایماں کہ ہو دولت بیدار نصیب
رہیو غافل نہ کبھو وقت سحر سے ہرگز

[۳]

عارض جاں جاناں پر اب ہے خط خوش آب سبز
مخمل خوش قماش میں جیسے کہ ہوئے خواب سبز
خیمۂ ابر کے ہوئے جبکہ ستون سرو باغ
موج ہوا کے تن گئے چار طرف طناب سبز

۱۔ ب "کہو کیونکہ بلاوی مجھی گھر اپنے یارو"

عالم آب میں مدام بسکہ مجھے ہے بے خودی
صاف عنب کے دانہ کو سمجھا ہوں میں حباب سبز
چوم لئے قدم وہیں برگ حنائی آن کر!
ٹک جو نظر پڑا کہیں شوخ کا وہ جراب سبز
آتش تر سے ساقیا دل تو کباب ہو گیا
آج تو نشہ وہ پلا کہتے ہیں جسکو آب سبز
اس کے تو اب تیغ کیوں نہ ہوں تشنہ دمبدم
زہر کو جسکے ہاتھ سے سمجھوں ہوں میں شراب سبز
باغ میں ایمان جل کہتے ہیں تجھ سے ہمدم آج
اس گل نو بہار کے رخ سے اٹھا نقاب سبز

[۴]

نقطہ نہ ایک خط سے ہوا تھا رقم ہنوز!
تب سے ہے سرنگوں میرا صاحب قلم ہنوز
آگاہ دلبری سے نہیں ہے صنم ہنوز
نہ طرز لطف جانے نہ رسم ستم ہنوز!!
جا نا تو ہے یہاں سے پہ کچھ یادگار چھوڑ
مشہور روزگار میں ہے جام جم ہنوز
جو آیا اس چمن میں سو برباد یوں ہوا
مثل حباب لینے نہ پایا تھا دم ہنوز!!
محراب تیغ ابرو کے دیکھا تھا قبلہ رو
اس دن سے آسمان کی ہے پشت خم ہنوز
کیا جانیے گئے ہیں کدھر ما سلف کے لوگ
حیراں ہے دیکھ دیدہ نقش قدم ہنوز
گلشن میں دہر کے ہے کہاں خندہ طرب
شبنم کے دیکھتے ہیں یہاں چشم نم ہنوز
ایمان گرچہ مجھ سے نہوئی بندگی کبھو
لیکن ہے میرے حال پہ اس کا کرم ہنوز

[۵]

مجھکو خوش آتی ہے تیرے بزم میں آنے کی طرز
کس سے یہ سیکھا ہے تو نے دل کے لیجانے کی طرز
مانگتے ہی ایک بوسہ ہنس کے نیچے دیکھنا
کھب گئی جس میں تیری اس وقت شرمانے کی طرز
پونچھ ٹک روتے کے آنسو گھر کو اٹھ جا ناشتاب
خوب آتی ہے تجھے عاشق کے سمجھانے کی طرز
ہم کبھو جو تجھ سے کرتے ہیں محبت کا گلہ
دل کو بھاتی ہے تیرے اے شوخ جھنجھلانے کی طرز
ہم نے یہ صنعت نہ دیکھی کیمیا گر میں کوئی
اس میں ہے ایماں جو کچھ دل کے پگھلانے کی طرز

ردیف س (۱)

جو داغ ہے دل کا سو برنگ پر طاؤس ۔ ہو کیوں نہ خجل دیدہ تنگ پر طاؤس
سو رنگ کی ازبسکہ سدا جلوہ گری ہے ۔ آئینہ کے خاطر پہ ہے زنگ پر طاؤس
ملک کاغذ آتش زدہ کو غور سے دیکھو ۔ گلزار فنا میں ہے برنگ پر طاؤس
گر داغ کرے عشق کا ملک شعلہ فروزی ۔ جوں برق شتابان ہو ورنگ پر طاؤس
جس فصل میں دیکھو تو وہ ایک رشک چمن ہے ۔ ہو چشمہ پیر کیونکر نہ دنگ پر طاؤس
ہے مرہم زنگار کا دشمن دل پر داغ ۔ یاں شہپر طوطی سے ہے جنگ پر طاؤس
کیا وزینت کے وہ قبا بر میں ہی اسکی؟ ۔ اڑ جائے جسے دیکھ کے رنگ پر طاؤس
شاید دل پر داغ کوئی سینہ میں تڑپا ۔ مسموع ہو ہوتے ہیں ترنگ پر طاؤس
اب فصل بہاری میں ہے داغ انکے ہی ہاتھوں ۔ تھی رنگ چمن جتنی کہ ننگ پر طاؤس

نیرنگی گلشن میں ایماں جو دیکھا تو
آنکھوں سے گرا نقش فرنگ پر طاؤس

[۲]

قیس کو ہے کارواں کی اور نہ منزل کی ہوس
ہے فقط ہمراہی لیلیٰ سے محمل کی ہوس

دانہ اشک آہ بر پا دشت وحشت میں تو کیا؟
اس زمین شور سے ہے کسکو حاصل کی ہوس

روشن اختر سینکڑوں دیکھے ہیں روز سیاہ
کیجیے پھر کیونکہ اس رخسار کے تل کی ہوس

زلف مہ رویان کافر کیش ہے جن کا وبال
تو نے یہ بیٹھے بٹھائے ناحق اے دل کی ہوس

ایک دن تو مارے بیرحم قاتل اس طرف
تڑپے ہے مقتل میں اب تک تیرے بسمل کی ہوس

عشق کا دریا بے پایاں و طوفان خیز ہے
یہاں تمنا اور کے رہی دل ہی بس ساحل کی ہوس

چشم و گوش و عقل و جان و دل کو ہے تیری ہی چاہ
چاروں پانچوں نے بھی آپس میں مل مل کی ہوس

میں ہی ایک تنہا نہیں مشتاق ہوں اے شمع رو
کون ہے جسکو نہیں ہے تیری محفل کی ہوس

دیکھنا بس دلا پھر کیا چلی تھی وصل کیسے؟
کس لیے کس واسطے یہ اور شامل کی ہوس

رہ سبک روح خانہ کیا درکار ہے لوح مزار
اور بھی چھاتی پر اپنے مت کر اک سل کی ہوس

غنچۂ دل پر شگفتہ کیوں نہ ہو ایمان کا !!
رکھتا ہے مشکل کشا سے حل مشکل کی ہوس

[۳]

کیوں نہ ایسا ہو وہ اب شوخ گلو گیر کہ بس
رات کچھ مجھ سے ہوئی ایسی ہی تقصیر کہ بس

روبرو ہوتے ہی جیسے مژگان سے کمان ابرو کی
دل بیتاب پر اتنے ہی چلے تیر کہ بس

دیکھ کر مانی و بہزاد وہیں نقش دیوار
کھینچی اللہ نے ایسی تیری تصویر کہ بس

بے گناہ مارا ہے پروانہ جلا کر جب سے
کیا گلو گیر ہوا شمع کا گل گیر کہ بس

قیس کا جب سے گیا سلسلہ شور و فغاں
کس قدر سن ہے پڑا خانہ زنجیر کہ بس

دولت وصل سے تھا پاس کہ ہوں شادی مرگ
آج کی آہ نے کی کچھ ایسی تاثیر کہ بس

دل کے ایمان کی صیاد خبر لے جلدی
کیا بری طرح تڑپتا ہے یہ نخچیر کہ بس

ردیف ش

(۱)

زباں پر شعلہ زن پایا لب تقریر سے آتش
زیادہ شمع کے ہو کس طرح گل گیر سے آتش

میں وہ دیوانہ آتش نفس بیتاب وحشت ہوں
کہ مثل برق جھڑتی ہیں میری زنجیر سے آتش

نہ ہوگا دل کباب اے عشق بیدار آگ بنے سے
حرم کے کیا عجب بھاگے اگر نخچیر سے آتش

خدا جانے بجھے ہے کون سے پانی سے اے ظالم
برنگ شعلہ جھلکے ہے تیری شمشیر سے آتش

تپاک عشق لازم ہے دل بیتاب خصلت سے
کرے ہے گرم جوشی جس طرح اکسیر سے آتش

یہ سوز عشق میرا استخواں سے اب نہ جاویگا
کہ رستی ہے نیستاں کی نہایت دیر سے آتش

بتاں جس دل میں ہوں منزل گزیں ایماں باور کر
کہ یہ دنیا بھلا اس گھر کے تئیں تعمیر سے آتش

[۲]

یہ جور و ظلم ہمیں پر اے بے وفا شاباش
ہزار آفریں تحسیں و مرحبا شاباش

فریب و مکر ہی دے دے کے جی لیا آخر
مجھ ہی سے تو نے یہاں خوب دغا شاباش

ہدف پہ دل کے جو پہنچا اچک تیر نگاہ
پکار کر یہ ہر اک شخص نے کہا شاباش

دیا نہ بوسہ شیریں نہ کی نگاہ کرم !
یہ مفت مفت ہی اب دل کو لے اڑا شاباش

الگ ہی سیر کو گلشن کی تو گیا پیارے
ادھر میں راہ تمہری دیکھتا رہا شاباش

ہزار کینہ سینہ سے نقد جاں لے جا
مری نظر میں ہے عیار تو بھلا شاباش

بتوں کے عشق سے ایماں خوب کی توبہ
کہ یوں ہی چاہیے اے رحمت خدا شاباش

[۳]

اے دل اس خونریز کے مژگاں نہیں گو خنجر فروش
میں بھی ہوں ایک عشق کے بازار میں آ کے سر فروش

یاد آتی ہیں عرق آلودہ زلفیں تب مجھے
جب اندھیری رات میں ہو آسماں اختر فروش

خشک مغزوں کا ہوا سودا ہے تازہ ہر طرف
زلف ہے اس گلبدن کی اس قدر عنبر فروش

بلبلوں کے ہاتھ آئی دولت بے انتہا !
غنچہ گل باغ میں جب بنا ہے زر فروش

ہے برستا ابر نیساں دہر میں ہنگام پر　　روز و شب یہاں دیدۂ عشاق ہے گوہر فروش
سبز تر تھا گریۂ مجنوں سے کوئی عصر میں　　ہر قدم پر خار صحرا اب ہوا نشتر فروش
کون ہوتا ہے خریدار اب ہنر کا عیب ہے [۴]　　آئینہ ایماں ہووے جس گھڑی جوہر فروش
کیونکر ہووے کہکشاں گلشن میں ہم رنگ روش　　ہو سکے قوس قزح بھی جب نہ پاسنگ روش
بسکہ گلریزی سے ہے کچھ اور ہی رنگ روش　　کیوں نہ ہو یاقوت کا ہم رنگ ہر سنگ روش
بلبل و قمری ہوئے قرباں خرام ناز پر　　سرو قد نے جب کیا گلشن میں آہنگ روش
لائق گلگون شیریں کیوں نہ ہو اے باغباں　　شہسواروں کے ہے شایاں کو جو تنگ روش
بسکہ ہے جوش گل نسریں سے رشک کہکشاں　　کیوں نہ کھینچے دامن دل باغ میں چنگ روش
باغباں کو ہے صفائی خاطر گلشن سے کام　　سبزۂ بیگانہ کو سمجھے نہ کیوں زنگ روش
ماہ رو آوے چمن میں جب خرام ناز سے　　بستر ہونا جز گل مہتاب ہے ننگ روش
تاج زر خورشید کے مانند سر پر ہے دھرا　　شاہ گل کو کیوں نہ زیبندہ ہو اورنگ روش
بسکہ لبریز صفائی عکس گل ہے جلوہ گر　　تختۂ آئینہ بھی اب کیوں نہ ہو دنگ روش

باغ میں ایماں آئی اس روش فصل بہار
دنگ ہے طاؤس بھی اب دیکھ نیرنگ روش

ردیف س (۱)

رقیب سے نہیں چھپتا ہے یار کا اخلاص　　کہ ناگزیر ہوا گل کو خار کا اخلاص
ہم اسکے ہوتے ہیں کب دوستدار اے بلبل　　جو[۱] گلعذار کرے ہے ہزار کا اخلاص
سرے ہی گریہ سے تازہ ہے لالہ زار جگر　　چمن کو خوب ہے ابر بہار کا اخلاص
بتاں کے چشم سے حاصل نہ ہو سوا مستی　　کہ بادہ خوار کرے بادہ خوار کا اخلاص

۱۔ ب "جو گلعذار سے ہووے ہزار کا اخلاص"

میں اسکے پاوں پہ رو رو کے سر پٹکتا ہوں
کہ جیسے سر کرے جوے بار کا اخلاص

بھلا ہے اب بھی میری جان بھر دے دل کو؟
نہیں پسند گو اس جان نثار کا اخلاص

نہ رکھ کسو سے تو ایمان یعنی دنیا میں
کہ کام آوے ہے اک روز چار کا اخلاص

[۲]

آنکھیں تو دلفریب ہیں کاکل علی الخصوص
نرگس ہی دیدہ زیب ہے سنبل علی الخصوص

ابر و ہوا میں نغمہ و گلزار ساقیا
دل چاہتا ہے سب قدح مل علی الخصوص

مطرب ہے لے کہ تا بسر و دور رباب و چنگ
نغمات روح بخشی ہیں قلقل علی الخصوص

گلشن میں سرو و سنبل و ریحان و یاسمین
مرغوب اپنی طبع کے ہیں گل علی الخصوص

عالم میں لے کہ قمری و پروانہ تا چکور
عشاق پاکباز ہیں بلبل علی الخصوص

پیارے حیا و حلم تو آثار ہوتی ہیں
ہر اک سخن کے بیچ تامل علی الخصوص

ایمان کج ادائی و جور و ستم مجھے
یہ سب ہیں ناگوار تغافل علی الخصوص

ردیف ض [۱]

بس ہے تصور اب ہمیں دلدار کے عوض
اور داغدار سینہ ہے گلزار کے عوض

نرگس ہی چشم یار کی عاشق ہے ورنہ یاں
بیمار کون ہوتا ہے بیمار کے عوض

زاہد بہک گیا ہے یہ جوش بہار میں
مانگے ہے بادہ جبہ و دستار کے عوض

مانند شمع دیکھ تو عشق بتاں میں
ثابت ہے رشتہ جان کا زنار کے عوض

تجھ حسن یوسفی کا ہے سودا عجب عزیز
کھولا ہے چاک سینہ کا بازار کے عوض

جاتا رہا ہے دل پہ تڑپتا ہے جی ہنوز
دلال پھنس رہا ہے خریدار کے عوض

ا۔ الف "تاج کو"

ڈس جائے اژدہا بھی تو ایمان ہے قبول — ڈستے ہیں یار جان تلک یار کے عوض

[۲]

اے طبیبو نہ ہووے کسو بیمار کی نبض — کہ ہے سر گرم طپش اسکے دل افگار کی نبض

ہووے یکساں نہ کبھو غافل و ہشیار کی نبض — فرق رکھتی ہے بہم خفتہ و بیدار کی نبض

ہم نے جانا کہ ہے بیمار کسی دانتوں کا — مضطرب برق سے ہے ابر گہر بار کی نبض

کیف کم پر ہے خط جام دلیل اے ساقی — دے ہے سستی سے خبر جیسے کہ میخوار کی نبض

عکس کرتا ہے وہی مدنظر کو اس کی — جیسے دیکھے ہو کبھو کیف سرشار کی نبض؟

پائی خون گرمی الفت نہ کہیں تک ہم نے — چڑھ گئی ہاتھ جو اس شوخ دل آزار کی نبض

جو شفق بر قان خزاں سے تو ہوا اشارے — تھا جو ہر ریشہ یہاں نخل ثمر دار کی نبض

سو سر انگشت بنا لائی مثل شانہ؟ — پائی تب کہیں اس زلف کے بیمار کی نبض

دیکھ لیتے ہیں غم فرہاد میں بے حرکت و حس — کہ رگ سنگ ہے یہاں پیکر کہسار کی نبض

اے نبض ہم ہیں مزاجوں سے تمہارے آگاہ — ہاتھ میں اپنے ہے سر رشتہ زنار کی نبض

میں نے پایا ہے ترا طبع چمن میں سودا — عشق پیچاں کو سمجھتا ہوں میں گلزار کی نبض

ایک سکتے کا سا عالم ہے اسے آئینہ رو — ہے رگ گل کی طرح تیرے گرفتار کی نبض

ہے یہ اپنی تجھ سے حکیم مطلق؟! — منتوی ہی رہی صد سال میرے یار کی نبض

غور کر جحت ترکیب کو ہر مصرع میں — سقم رکھتی ہی نہیں اپنے تو اشعار کی نبض

کہے ایمان فلاطون سے کہ اکثر اس نے — دیکھی ہے طبع سلیم اور تن زار کی نبض

[۳]

پہنچے اگر نہ انکو کسی چشم تر سے فیض — پاوے نہ پھر جہاں میں کوئی بحر و بر سے فیض

ظاہر کے نظم و شان پہ نجا تو ہما کو دیکھ — ہوتا ہے بادشاہی کا اک مشت پر سے فیض

۱۔ الف "بے شمار"

شمشاد قامتوں سے کوئی کیونکہ ہو نہال — پہنچے ہے خلق کو شجر بارور سے فیض
کامل جو ہو تو اسکو نہ ہووے فنا کبھو — جاری ہے تا بحشر مزار بشر سے فیض
تحت السرا میں جاکے الٰہی وہ خاک ہو — ہووے کبھو کسی کو نہ کچھ سیم و زر سے فیض
اشعار کو ہے درد سے سودا سے آبرو — جوں ہو جواہرات کو شمس و قمر سے فیض
قطرہ نہ ایک بندہ فیاض سے ہو کم — ہر چند مثل ابر شب و روز برسے فیض
شبنم کی طرح کیوں نہ فلک پر ہو اسکی جائے — پایا ہو تیرے قہر کی جس نے نظر سے فیض

کم مایہ سے کرم کی نہ ایمان رکھ امید
جاری نہ مثل بحر ہو آب گہر سے فیض

[۴]

مجھکو تو یار شام و سحر سے نہیں غرض — تیرے بغیر شمس و قمر سے نہیں غرض
ہم خانہ کوے یار میں نقش قدم سے ہوں — مطلب نہیں وطن سے سفر سے نہیں غرض
کیوں ہونٹ چابتا ہے مجھے دیکھ دیکھ کر — مجھکو کسو کے لعل و گہر سے نہیں غرض
میں کیا کروں کہ روز تولد سے ہے ناصحا — جوں طفل اشک مجھکو تو گھر سے نہیں غرض
تیر نگہ کا جب سے نشانہ ہوا ہوں یار — دل سے نہیں ہے کام جگر سے نہیں غرض
وہ شمع رو جو مجھ سے کٹا جائے بزم میں — مجھکو کسو کے طرہ زر سے نہیں غرض

اشعار آبدار سے ایمان ہوں غنی
ہرگز مجھے تو گوہر تر سے نہیں غرض

ردیف ط [۱]

دنیا بھی دل کی خوب ہے دلدار ہو بشرط
تک ایک گاہ گاہ تو غمخوار ہو بشرط

ابرد ہوا کے لطف کا پھر پوچھنا ہی کیا
مطرب ہو اور ساقی و گلزار ہو بشرط

قیمت ہے ایک بوسہ مزیدار پیار سے
ہم بیچتے ہیں دل کو خریدار ہو بشرط

اس شمع رو پہ جاتے ہیں پروانہ وار وار
پردے سے جسکا حسن نمودار ہو بشرط

پہنچے ہے جلوہ رخ خورشید رو فلک
شبنم کی طرح دیدہ بیدار ہو بشرط

حاصل ہو دل کی آرزو اس دن ہی یاد سے
خلوت ہو اور کیف میں سرشار ہو بشرط

تھا ایک دل سو پہلے ہی ایثار کر چکے
حاضر ہے جی بھی آپکو درکار ہو بشرط

ایدھر سے جاں نثاری اودھر سے دلدہی
ہم بھی اسی تلاش میں ہیں یار ہو بشرط

رہیے کسی دیار میں ایمان کی قسم
سردار ملک سا جہاں سردار ہو بشرط

[۲]

ملنے کا مجھ سے وعدہ نہ کر اے صنم غلط
کافر ترا ہے قول غلط اور قسم غلط

بلبل نہ جا تو اس کے تبسم پہ زینہار
غنچہ رہا ہے صبح تلک آپ دم غلط

پہنچا ہے کون منزل مقصود کو عشق میں
پڑتا ہے راہ بر کا ہے یکسر قدم غلط

سوگند بات بات پہ کھاتا ہے تو عبث
تیرے سخن کو کیوں کہ کہیں یار ہم غلط

دل ہی جہاں نما ہے ازل سے ابد تک
ہرگز نہ کر تلاش کہ ہے جام جم غلط

اے مایہ سرور یہ کہتا ہوں میں صحیح
تشریف تیرے لانے سے میرا ہو غم غلط

نوخط کو جب میں نامہ لکھوں ہوں فراق کا
ایمان طفل اشک کرے سب رقم غلط

[۳]

کرتا رہا میں آہ نیستاں کی احتیاط
پر ہو سکی نہ نالہ و افغاں کی احتیاط

اے جوش گریہ دیکھیو اے مرد مان چشم
بارش میں ہے ضرور شبستاں کی احتیاط

میں بھی ہوں ایک گوشہ میں بلبل ہم عصر
کر باغباں تو اپنے گلستاں کی احتیاط

دل تفتگان خاک سے گذری ہے جس گھڑی
کرتا ہے ہر قدم میں وہ داماں کی احتیاط

داغ جگر بجھا دے اسے اشک و آہ نے
ہر چند کی ہے سینہ سوزاں کی احتیاط

طوفان باد و آب میں روشن ہے پر تو بات
ممکن نہیں کہ ہووے چراغاں کی احتیاط

شمشیر ابر و پھرتی ہے یاں دلربا بہت
ایمان کیجے سر و ساماں کی احتیاط

[۴]

آرام عشق میں تو میری جاں نہیں ہے شرط
یہاں درد دل ہی شرط ہے درماں نہیں ہے شرط

اب گنجفہ میں اصابت شمشیر بنہ سہی
لینا کسی تراش کا تاواں نہیں ہے شرط

پروانہ ساں خموش ہے جانباز عشق یہاں
اے عندلیب نالہ و افغاں نہیں ہے شرط

یہ یاد ہی رہے نہ فراموش ہو کبھو
اس تند خو سے باندھنا آساں نہیں ہے شرط

تجھ سے تو اس بہار میں اے پنجۂ جنوں
رہنے کی ایک تار گریباں نہیں ہے شرط

توبہ اگرچہ ہم نے تو کی ہے برائے مغاں
پیمانہ ہاتھ آوے تو پیماں نہیں ہے شرط

سر عاشقوں کے ہوں عوض کوئی پائمال
اس حال کی تو بازی چوگاں نہیں ہے شرط

کیا مجھ سے ہی نہیں ہے وفا شرط جب، کہوں
منہ پھیر کر کہے ہے کہ ہاں ہاں نہیں ہے شرط

شہرہ تیری مفت کیوں نہو سرسبز ماہ رخ
اس کشت کو ترشح باراں نہیں ہے شرط
دل دے کے جان پر جو لگایا ہے تو نے داؤ!
یہ مجھ سے تجھ سے پہلے ہی جاناں نہیں ہے شرط
ایماں رزم عشق میں ہیں دل فگاریاں!
سینہ پہ یہاں تو زخم نمایاں نہیں ہے شرط

ردیف ظ

[۱]

شمع ساں مجھکو نہیں سر سے گذرنے کا لحاظ
اور اشک آتشیں سے چشم بھرنے کا لحاظ
ہاتھ سے جوش جنوں کے جب چلے باد بہار
ہو نہ گل کو بھی گریباں چاک کرنے کا لحاظ
جامہ ہستی کو پھاڑے ایک دم میں جوں حباب
ہو نہ جس کم ظرف کو اپنے ابھرنے کا لحاظ
شمع رو روشن ہیں پروانے کے تجھ پر رنگ ڈھنگ
کب رہے دیوانے کو جینے کا مرنے کا لحاظ
صاف ہو آنکھوں میں نشہ تب ہے گلشن کی بہار
درد کے ساقی رہے ذرہ نتھرنے کا لحاظ
جب صبا نے زلف اپنی کھول دی ہے باغ میں
غنچہ کو رہتا نہیں دل کے بکھرنے کا لحاظ!

---

۱ شہیں کھلا

شاعران عصر سے ایمانؔ ہے تھا
ہے فقط انکے تئیں اک نام دھرنے کا لحاظ

[۲]

نگاہ بد سے صنم کو خدا رکھے محفوظ
معاندوں کے حسد سے خدا رکھے محفوظ

نہ جانیو کہ یہیں تعویذ سحر پڑھا باندھا
تجھے مدام ہماری دُعا رکھے محفوظ

ہزار شیشۂ دل پاش پاش ہوجاویں
کسو کی چیز کو تیری بلا رکھے محفوظ

جفائے یار کا قابو نہ چل سکا ہرگز
کہ اپنی جان کو اپنی وفا رکھے محفوظ

بڑا ہی جاتا ہے قاتل کی تیغ ابرو سے
بھلا کہو تو کوئی دل کو کیا رکھے محفوظ

وہ آپ حافظ و ناصر اگر ہو روز نبرد
تو یک نفس بھی بدن کو قبا رکھے محفوظ

زرا سے خود سے ایمانؔ کیا اسے سروکار
خدا کا نام جسے بارہا رکھے محفوظ !!

ردیف ع

[۱]

عارض و روئے ذقن ہے لالہ و گرداب و شمع
ناف و ساق و حلقہ پا ہالہ و گرداب و شمع

طوق زریں فندق انگشت و تعویز طلا
ہیں یہ رشک آتشیں پرکالہ و گرداب و شمع

بزم ہے اور روشنی اور سیر دریا جلد آ
لطف کھتی ہے مئے یک سالہ و گرداب و شمع

ساغر مئے کا حباب اور شیشۂ صہبا کی شرح
ہیں مجھے تیرے بن تبخالہ و گرداب و شمع

میرے سوز دل پر اور سرگشتگی اور اشک پر
رشک رکھتے ہیں ہمیشہ ژالہ و گرداب و شمع

چشم و قد و زلف و غبغب عارض و رو اسکے ہیں
نرگس و شمشاد و سنبل لالہ و گرداب و شمع

داغ کی میرے رطوبت اور آہ آتشیں
دیکھ لی ہیں شعلہ جوالہ و گرداب و شمع

ہوں ترے دشمن ملول و غرق آب و سوختہ
جب تلک دنیا میں ہیں گے نالہ و گرداب و شمع

کیا کروں ایمان عوض ورد شنی دگل کہ ہیں
عارض دغب غب قد اسکا لالہ وگرداب شمع

[۲]

آہ ہر چند کہ ہے پردہ فانوس میں شمع — جلتی ہے شوخی سے پروانہ کے افسوس میں شمع
شعلہ رو عشق بھی تیرا ہے عجب شعبدہ باز — داغ کی دی ہے لگا ہر ہر طاوس میں شمع
کوئی تو دیکھے مجھے محفل مہ رویں کبھو — سوچے ہے نت یہی اپنے دل مایوس میں شمع
دوری یار زلبس روز سیہ ہے میں نے — آہ سوزاں کی لگائی رہ جاسوس میں شمع
خون پروانہ دم صبح کرے پردہ فاش — چھپ سکے تا بہ کجا پردہ فانوس میں شمع
سرکشی کا نہیں دیکھا کہیں انجام بخیر — جان دیتی ہے ندان اپنی ہی مایوس میں شمع

مجھکو پروا نہیں ایمان اگر ہے روشن
محفل دوست کے غسر و طاوس میں شمع

[۳]

گو نہیں مہر و محبت سے دل لیلی وسیع
ہاتھ آیا قیس کے ہے دامن صحرا وسیع
شرق میں فنجان مہر اور غرب میں جام ہلال
کس قدر ہے دیکھ بزم عالم مینا وسیع
نقش خاطر ہے زمانے کے تب اسکی سرگزشت
کوہکن کو مل گیا تھا تختۂ خارا وسیع
طفل اشک آنکھوں سے جاتے ہیں نکل ہر روز دیکھ
واسطے مشق تمنا کی صفحۂ دریا وسیع !
دل مرا آیا ہے اس کاغذ منقش سے بتنگ
گوشۂ خاطر کی چوتھائی نہیں دنیا وسیع

فرش کی خلقت سے بسکہ عرشیاں وہ چند ہیں
کب نہ ہو زیر فلک سے عالم بالا وسیع
سے ہیں ایماں تنگ گزران کرنے کے لئے
اک سرد سایہ بس تنگ ہووے یا وسیع

[۴]

جو تیرا اے نگار ہے مجمع
رشک باغ و بہار ہے مجمع
جس کو دیکھو سو ہے وہ رنگیں تر
دانہ ہائے انار ہے مجمع
بے تکلف برنگ دستۂ گل
ایک کا ایک یار ہے مجمع
شکل آئینہ خانہ ہو سورت
بے گزر بے غبار ہے مجمع
ساغر لعل ہاتھ میں سب کے
تختۂ لالہ زار ہے مجمع
جشن جمشید کا نہ لیجے نام
یہ عجب بادہ خوار ہے مجمع
شمع روئی سے مثل پروانہ
تجھ پہ یہ سب نثار ہے مجمع
گرچہ اب زیر چرخ رنگا رنگ
مثل گلشن ہزار ہے مجمع
مجھکو ایماں ایک یار سے کام
یاں تو لیل و نہار ہے مجمع

[۵]

شام سے لے صبح تک کس کے لئے روتی ہے شمع
نور اپنے چشم کا ہر بزم میں کھوتی ہے شمع
کیا کسو کے ہم کو رشتے سے جگر کے کام ہے
لوگ کہتے ہیں کہ پروانے کی کچھ ہوتی ہے شمع

شعلہ رو ہے عشق تیرا کس بلا کا دل نشیں
داغ کو اپنے جگر کے اب تلک دھوتی ہے شمع

برگ ریزی پر پروانۂ گل کیوں نہ کرے
اشک کے دانے زمین عشق میں بوتی ہے شمع

ہو کہ ہیں ایماں روشن دل نہیں غفلت انہیں
ایک بھی پل کوئی شب ہرگز نہیں سوتی ہے شمع

ردیف ف [1]

[۱]

یہی چاہتا ہے ساقی مست نگاہ رہے دور دور چار طرف
گل و سنبل و نرگس و سرو سخن سے بہار چمن ہے ہزار طرف

جیسے ماہی نہ ذرہ یہ مہر سحر کہاں ایسی شتاب ہے سیر قمر؟
تری گردش چشم کی یک نظر ہی نہ ہو سکی لیل و نہار طرف

گل و غنچہ ہزار چمن میں کبھو کرے لطف سے رنگ برنگ نمو
کسی وجہ نہ ہو سکی اے پری تیرے چہرے کی ذرہ بہار طرف

تجھے جب سے ملا ہے وہ عہد شکن ہیرے قتل کے اسکو سکھاتے ہے فن
کہیں دوست کو چھوڑ کے اے دل من نہیں کرتے ہیں غیر کی یار طرف

مجھے ہے ایماں خدا کی قسم کروں دیدہ و دل کو میں فرش قدم
کبھو شل بہار راہ کرم آوے میرے ونگار طرف

---

[1] ردیف غ کی غزلیں ضمیمہ میں شامل کی گئی ہیں

[٢]

تم پری زاد ہو یا حور ہو تقصیر معاف
کتنے اللہ رے مغرور ہو تقصیر معاف

میں اگر آپ کے نزدیک برا ہوں صاحب
پھر مرا کاہے کو مذکور ہو تقصیر معاف

مل گئے خاک میں ہم نقش قدم کی مانند
تم جفاکار بدستور ہو تقصیر معاف

ہے وہی قابل فرمائش ساقی واللہ
کچھ بھی جس شخص کو مقدور ہو تقصیر معاف

ہاتھ سے کاوش مژگاں کے نہیں ہے لازم
دل مرا خانۂ زنبور ہو تقصیر معاف

اور کچھ آج مجھے تم سے ہے منظور اخلاص
شمع محفل کہیں کافور ہو تقصیر معاف

پھینکیے گا نہ ادھر سنگ ملامت زنہار
شیشۂ دل نہ کہیں چور ہو تقصیر معاف

آپ کے پاس ہی رہنے سے مجھے ہے آرام
میرے پہلو سے نہ تم دور ہو تقصیر معاف

عید کا روز ہے ایماں سے ملیے صاحب
آج یہ عرض تو منظور ہو تقصیر معاف

[٣]

جاتا رہا بغل سے میرے گلعذار حیف
تن سے نکل گیا نہ مرا جی ہزار حیف

کس خون دل سے رام ہوا تھا وہ من ہرن
کیا مفت ہاتھ سے گیا آخر شکار حیف

ہر ایک شمع رو پہ ہے پروانہ سا نثار
اپنا تو دل پہ ٹک بھی نہیں اختیار حیف

سیراب سب چمن ہوا ابر بہار سے
ساقی مجھے ستائے ہے اب تک خمار حیف

کہیو صبا تو غنچہ دہن سے یہی پیام
کرتا ہوں اب تلک میں ترا انتظار حیف

انصاف ہے کہ غیر نہیں تیری بزم میں
جوں شمع مری چشم رہی اشکبار حیف

در پہ ہر ایک رنج کے راحت ہے بے گماں
ایماں اسقدر بھی نہ کر بار بار حیف

[۴]

اشک سا پاکیزہ گوہر کب رکھے ہر یں صدف
شل رجوزا گرچہ یکتا ہے . . . . . ہیں صدف
غرق دریا ہے ولیکن لب نہیں کرتا ہے تر
قطرۂ نیساں کا سودا رکھے ہے ہیں صدف
حسرت صاف بناگوش بتاں سے رات دن
گوہر اشک اپنے رکھے دیدہ تر ہیں صدف
اس در دنداں کے سائے کو پہنچنا ہے محال
سالہا ہو غوطہ زن گر حوض کوثر ہیں صدف
پرورش کرتا نہ گوہر سے اگر کم مایہ کو!
سینہ چاکی کے نہ پڑتا حال ابتر ہیں صدف
لعل لب کی شرم سے دنداں ہوئے در آب بہ
کیوں نہ پھر بہتا پھرے اب موج گوہر یں صدف
آب و دانہ پر زبس قانع ہے وہ مقسوم کے
موج دریا کو نہ آنے دے کبھو گھر یں صدف
ہے در شہوار معنی بحر یں اشعار کے
آئے ہے کب خاطر پاکیزہ گوہر یں صدف
غور کر ہر بحر یں تا گوہر معنی ملے!
پہنچے ہے خیر غوطہ کب دست شناور یں صدف
ہوتے ہیں سوراخ ہر گوہر کے دل یں آر پار
اس صنعت مژگاں کے ٹک دیکھے ہے جب بر یں صدف
کس نہ پہنچاوے لنگ ایماں اس کو روزگار
شاہد گوہر رکھے ہے تہ بے در یں صدف

ردیف ق

[۱]

ہے مرے دل میں گرہ گلگوں قبا کا اشتیاق
جسقدر غنچہ کو ہو یاد صبا کا اشتیاق

کہتے ہیں کحل الجواہر مردم بینا اسے
ہے مری آنکھوں کو تیرے خاک پا کا اشتیاق

سر پہ تیرے تاج کرمنا دھرا ہے بے خبر
کیوں تجھے ہے سایہ بال ہما کا اشتیاق

کشتہ الفت ہو یہ جوہر ہے سب کا بادشاہ
مت رکھ اپنے دل میں ہرگز کیمیا کا اشتیاق

عاشقوں کی جان کے لالے پڑے ہیں رات دن
دلبروں کو بسکہ ہے رنگ حنا کا اشتیاق

میرے گھر میں سو رہا مستی میں اپنا گھر سمجھ
آج ہی پورا ہوا ہے سالہا کا اشتیاق

فیض سے جس کے قدم کے ہووے عالم گلستاں
ہے مجھے ایماں اب اُسی رہنما کا اشتیاق

[۲]

ہو ہوتا تھا گرچہ نامہ سے فی الجملہ کم فراق
شکر خدا کہ دور ہوا ایک قلم فراق

آمد آمد و شد نفس نہیں بیت کے درمیان
عاشق پہ تیرے کھینچے ہے تیغ دو دم فراق

کیا کیا کر سکے وہ اپنے شب تار کا بیان
روز سیہ کی کھائے ہے جس کی قسم فراق

پروانہ اور شمع کا روشن ہے ارتباط بہتر ہے مجھکو وصل سے تیرا بہم فراق
چلنے دے ہاں نسیم بہاری کو باغ میں دل کی طپش دکھائیں گے پھر تجھ کو ہم فراق
جوں شمع تن پگھل کے بہے ہے تمام شب ہونٹوں پہ جان لاتی ہے تا صبحدم فراق

ایماں فوج اشک رواں ہو تو ساتھ ساتھ
آہ رسا کا لے کے چلے ہے علم فراق

[۳]

تیری جناب میں اب یہ ہے التجا فندق مت کر لہو کے مساوات لگا حنا فندق
کسو نگار کی دیکھی ہے انگلیوں اوپر ہے تو تسبیح ہے باندھی ہے خوشنما فندق
حنا ہی ہاتھ میں رہتی ہے اس رنگیلی کے جو باندھوں پنجۂ شانہ کو ہے بجا فندق
نہ ہوں میں قدموں سے اسکی کبھو جدا یا رب اٹھا کے ہاتھ یہ مانگے ہے نت دعا فندق

ترا ہے ریختہ ایماں دل میں ناخن زن
عجب تراش سے باندھا ہے جابجا فندق

ردیف ک (۱)

ساقی بھلا کباب میرا دل ہو کب تلک
پہنچا نہ ایک جام بھی مجھ تشنہ لب تلک
بے رحم پوچھ مت میرے احوال کی خبر
مرتا ہوں تیرے واسطے جیتا ہوں جب تلک
کل دل نے یہ کہا مجھے کوئی دنوں میں اب
پہنچے ہے تیرا کام جس عیش و طرب تلک
وہ جشن وہ نشاط ترے گھر ہو جو کبھو یا
آدم سے لے کوئی نہ کیا ہووے اب تلک

دولت سرا کے تیرے ہر ایک مکان میں
قائم سے لے کے فرش ہو یکسر قصب تلک
آئینہ رو ہوں یہاں ستین تیرے حضور میں
شہرہ ہو جن کا چین سے لے کر حلب تلک
جام شراب بزم میں جیسے ہلال عید
نزدیک یا بعید ہو پہنچے ہے سب تلک
مہتاب رو ہے گود میں لے شب سے تا بروز
اور ناچ راگ رنگ ہے ہر روز شب تلک
تب میں کہا وہ کون ہے راحت کہ جس کا یہاں
---ال ہووے نہ رنج و تعب تلک
اے دل حباب وار تو چشم طمع نہ کھول!
دم کا کسے بھروسہ ہے اے یار تب تلک
کیا دیکھتا ہے ذات کو ایمان عشق میں
یاں پوچھتے نہیں ہیں حسب اور نسب تلک

(۲)

منظر چشم میں شاید تو نہ ٹھہرے اے اشک
احتیاطاً ہیں یہ پلکوں کے کٹہرے اے اشک
بسکہ ہیں رنگ طلائی رخ دلدار کے محو
لخت دل اپنے ہیں یک لخت سنہرے اے اشک
بھر گئے ایک ترے سیل کے لہرانے سے
خلق میں جتنے کہ تالاب تھے گہرے اے اشک

بسکہ دریا سے زیادہ ہے ترا جوش و خروش
کان عالم کے ہوئے شور سے بہرے اے اشک
فوج غم پر یہی ایمان کا ہے فتح نشان
کھول دے دامن مژگان کے پھریرے آنسک

[۳]

مجلس میں دلبروں کی نہ جاؤں کہاں تلک
دل کے تئیں بغل میں چھپاؤں کہاں تلک
اس روٹھ روٹھ جانے سے بیزار ہو گیا
صدقے نثار ہو کے مناؤں کہاں تلک
غمزہ، ادا، نگاہ، تبسم، خرام سے
میں ایک اپنی جان بچاؤں کہاں تلک
ہر استخواں ہے شمع کی مانند شعلہ زن
جنگل سلگ گیا ہے بجھاؤں کہاں تلک
ہر روز تیرے واسطے اے جان عاشقاں
اک تازہ دل بھڑکتا لے آؤں کہاں تلک
خط آنے سے تو اور بھی سودا بھڑک گیا
قسمت کے میں لکھے کو مٹاؤں کہاں تلک
ایمان اب تو ناک میں آیا ہے جی میرا
نکتوڑے دمبدم کے اٹھاؤں کہاں تلک

[۴]

ہے وصل و ہجر میں اپنا دماغ تازہ و خشک
کہ جوں بہار خزاں میں ہو باغ تازہ و خشک

لکھا ہوں نامۂ اشفاق کا جواب یہی !!
کچھ ایک سینہ پہ اب تک ہیں داغ تازہ و خشک
تھی کس کے باغ میں گلچیں یہ رات فرمائش
پھرے تھا دیکھتا لے کر چراغ تازہ و خشک
مزاج جب سے کہ ایماں کا ہوا موزوں
لکھے ہے شعر سراپا فراغ تازہ و خشک

[۵]

اے نظرباز نہ چاہِ سیہ خاک میں جھانک
جلوہ بو قلموں ہے خمِ افلاک میں جھانک [۱]
روکشِ رخنۂ دیوار گلستاں ہے گا !!
لالہ رو آ کے سیر سینۂ صد چاک میں جھانک
حورِ جنت کی طرف تاک لگایا ہے عبث
ٹک تو اے شیخ تو مینا کے منہ تاک میں جھانک
خاک کے بیچ ملا دیوے گی بیشک تجھ کو
زاہد اب نہ کبھو کیسۂ زرپاک میں جھانک
دیکھ تو کیا ہی تکے عشق کا پھولا ہے چمن
ٹک تو ایماں کے پیارے دل غمناک میں جھانک

—

۱ ب "سیر بو قلموں کو خم افلاک میں جھانک"

[۶]

دل سے نہیں گئی ہوس دید اب تلک
آیا نہ مجھ طرف وہ مہ عید اب تلک

عقل و ہنر حیات ابد ہے کہ دہر میں
مشہور جام سے تو ہے جمشید اب تلک

گردش کو تنے کے چشم کی دیکھا تھا ایک دن
تب سے پڑا ہے چرخ میں خورشید اب تلک

ہرچند سرد آتش نمرود ہو چکی !!
شعلہ کو تری خو کی ہے تقلید اب تلک

مجھ سے وہی ہے جنگ وہی بدزبانیاں
منظور ہے رقیب کی تائید اب تلک

مجھ سے تو راز عشق کا افشا نہیں ہوا
لیکن چلے ہی جائے ہے تاکید اب تلک

ایماں بہیکر دل کی بر آئی ہے آرزو
اسکے کرم سے میں نہیں نومید اب تلک

[۸]

کون دل سوختہ با دیدہ نم ہے تہ خاک
سوت پانے کی جو ہر ایک قدم ہے تہ خاک

ظاہرا رنج و غم و حادثہ کم ہے تہ خاک
جو ترقی پہ سدا ملک عدم ہے تہ خاک

سیر گلزار کی زنہار نہیں مجھ کو ہوس
جب تک اے بزم نشینو دل ہم ہے تہ خاک

جان دی قامت دلدار کے غم میں جس نے
عیش اسے عالم بالا سے بہم ہے تہ خاک

ابروے جور پہ کب چشم وہ کرتا ہے سیاہ
دھیان میں جسکے تیری تیغ کا خم ہے تہ خاک

ہے پس از مرگ تیری حسرت دیدار جسے
نالہ ہر ایک اسے تیغ دو دم ہے تہ خاک

جس نے ہونٹوں پہ دیا یار کے جان شیریں
اسکو ہستی سے مزید ار عدم ہے تہ خاک
مجھ سے کل گور غریباں میں کہا عقل نے یوں
اور کچھ یاں نہ سوا حسرت و غم ہے تہ خاک
پھر تو دو نقش مزاروں کو دکھا کر یہ کہا
یہ فریدوں یہ سیاوش یہ جم ہے تہ خاک
دیکھ نوشاں کا ٹک انجام بچشم عبرت
اب کہاں دولت و اقبال و حشم ہے تہ خاک

دولت عشق سے ایماں ہیں بعد فنا
دل پر داغ ہے اک گنج درم ہے تہ خاک

ردیف گ (۱)

خورشید نکل شرق سے جس طور ہو گلرنگ
ہر صبح تنکر چہرہ پہ یوں آوے ہے تل رنگ
بیٹھی ہے پری آنکھ لڑاتی ہوئی گویا !
شیشہ میں دکھاتی ہے عجب طرح کا مل رنگ
ہے باد بہاری کے تموج سے یہ عرفان
توڑے ہے کوئی دن میں ہر ایک شاخ کا پل رنگ
اٹھتا ہے غبار اب پر طاوس سے ہم چشم
تا موج ہوا صحن سے گلشن کے ہے گلرنگ
یہاں ہر ایک مرغ چمن نغمہ سرا ہے
ڈالی ہے بہار آنے سے کچھ روز سی غلاف رنگ

ردیف ل

[۱]

رکھے نہ فقط جام سے یاں دیدۂ تر میل !
دامن میں سدا اپنے رکھے لخت جگر گل
ہو پیش قدم ایک اگر آب کا قطرہ
جوں آبلہ لازم ہے کہ آراستہ کر گل
یوں حسن ہے اسکا شب مہتاب سے ہمرنگ
جس طرح کہیں شیر میں جاوے ہے شکر گھل
پیری میں بھی اب داغ سے کر دل کا ہے روشن
یہاں شمع بھی ہوتی نہیں ہے وقت سحر گل
دیکھوں ہوں سدا بزم میں اس آئینہ رو کو
پارہ کی طرح جائے ادھر اور ادھر ڈھل
مجنوں کے نہ اک غم میں ہے گل چاک گریباں
صحرا میں ہوئے خار بھی ہیں خاک بسر گل
جب بند قبا وا کرے ایمانؔ وہ گل رو
غنچہ بھی وہیں باغ میں جائے ہیں ادھر کھل

[۲]

باغ میں چل اے نگار آیا ہنگام گل
مے سے طرب کے ہزار بھر بھر پیئں جام گل

آئی نسیم بہار گلشن میں صبح دم
سن کے ہوئے شاد بلبل پیغام گل
چاہیئے ایسا کمال پیدا کریں عشق میں
جس میں ہو اے عندلیب روشن اب نام گل
مت یہ شفق سرخ جان دامن پر چرخ کے
کرتی ہے اب بیشمار خونریزی شام گل
پہنچی ہے فصل بہار بلبل زو جمع کر
فیض رساں ہے مدام سب پر انعام گل
دیکھ لب جوئے بار اوپر اکس کس روش
کرتے ہیں ناز و خرام سب گل اندام گل
رنگ چمن بیقرار لذبس ایہا ں ہے
اڑ گئے اپنے حواس سن کر انجام گل

[۴]

ٹک دیکھ تو پہنچا ہے کہاں سلسلہ دل
کاکل سے نہیں یک سر مو فاصلہ دل
اس کے دم خونریز کا ٹک لیوے جو بوسہ
وہ تیغ کہاں اور کہاں حوصلہ دل
کیا شرح کروں درد جدائی کی مصیبت
پکتا ہے پڑا شام و سحر آبلہ دل
تو یوسف ثانی ہے کرے جنس نیاز اب
پھرتے ہیں ترے کوچہ میں سب قافلہ دل

ان دونوں نے ایمان کیا مجھکو ہے تاراج
اب چشم کا شکوہ میں کروں یا گلہ دل

[۴]

وہ سرو قد جو گھر کو چلا اٹھ چمن سے کل
قمری کی جاں نکل ہی گئی ویں تن سے کل
کیا ہی صبا نے اسکی اڑائی ہے دھجیاں
غنچہ ظرف سے ہوا تھا کسی کے دہن سے کل
زلف میں جبکہ چہرہ روشن چھپا لیا
عالم سیاہ ہو گیا سورج گہن سے کل
مہتاب رو کے میں قد رعنا کو یاد کر
رو یا لپٹ کے باغ میں سرو سمن سے کل
پامال کر کے خاک میں ظالم چلا گیا
ناگاہ جو اپنے دل کو میں اس دلشکن سے کل
اس کے مزار سے گل و نسریں اگے ہیں آج
گاڑھا تھا جس شہید کو خونی کفن سے کل
پھر آج کیوں کہوں کہ کسی سے نہ بات کر
ملزم ہوا تھا آپ میں اپنے سخن سے کل
بالیں سے مت کیوں پر بلبل نہ نکلیں آج
ہم خواب میں تھا کسی گلبدن سے کل
ایمان ماہ رو مجھے ناگاہ مل گیا
نکلا جو اپنے رات میں بیت الحزن سے کل

[۵]

دشت وحشت میں نکل جاتے ہیں تاب تاکل کے بل
پاؤں میں چھالے پڑے ہیں زہر و عاجل کے چلے
بسکہ ہے علامہ وہ اب سب فنون و علم ہیں
بات میں ہے ہونٹ والے ہیں ہر اک کامل کے مل
عاشقوں کے کشت و خوں کا کچھ نہیں ہوتا شمار
جابجا لب ہو گئے ہیں ہاتھ سے قاتل کے مل
یار اگر دریا پہ گزرے کھول کر بند قبا
جی سے نکلے سب غبار اور عقدے ہوں ساحل کے حل
نام لے مشکل کشا کا جنگ میں ہو فتح یاب
ہیں مدد ایمان تجھ کو اس شہ عادل کے دل

[۶]

جیسے کہئے جام جہاں نما سو نہیں جہاں میں سوائے دل
بخدا اگر اپنے خیال میں بہ از آئینہ ہے صفائے دل
کوئی آتا عالم غیب کا نہ غریب ملک شہود میں
جو یہ عنصروں کی چہار سو میں نہ ہوتی آہ سرائے دل
نہیں کوئی ایسا چمن میں گل کہ ہزار کا نہ ہو آشنا
کسی غنچہ لب کے تو ساتھ یاں کوئی کسطرح سے لگائے دل
ترے عشق کا ہے جسے مرض نہ طبیب سے ہے اسے غرض
نہ تلاش اور علاج کر کہ ہے دل دہی ہی دوائے دل

شب و روز کی تیری جھڑکیاں یہ غضب ہیں میری بلا سے[1]
مجھے کھینچی پڑی ذلت اب کسی طرح کی ہے برائے دل
نہ برنگِ غنچہ شگفتگی وہ رہی ہے باغ و بہار سے
کہ ہے ایک آبلہ آتشیں مرا اب تو پہلو میں جلائے دل
نہ رہی ہمیں ایمان کچھ ہوس و ہوائے گل و چمن
کہ جہان و اہل جہاں سے کوئی جس طرح کہ اٹھائے دل

[۷]

دیکھا نہ میں نے کدھر گیا دل ۔۔۔ ایسا یکایک جاتا رہا دل
لیتا ہے بوسہ تیغ دو دم کا ۔۔۔ صد مرحبا دل صد مرحبا دل
مجھ پر یہ بیدار کیونکر روا ہے ۔۔۔ انصاف کیجو اے شاہ عادل
پالا تھا میں نے تجھکو بغل میں ۔۔۔ اے بے وفا دل، اے بے وفا دل
اب تو ستالے جس طرح چاہے ۔۔۔ سمجھیں گے اک دن ہم بھی بھلا دل
فصل بہاراں گلشن میں آئی ۔۔۔ کرتے ہیں نغمے ہر سو عنادل

چلیے نہ ایمان سیر چمن کو
گھر میں نہایت اب تو رہا دل

ردیف م

[۱]

ہم بار پاتے نہیں تیرے تئیں یک آن ہم
پھر بھلا دل کے نکالیں کس طرح ارمان ہم
ہر قدم پر جس کے اعجاز مسیحائی فدا
اس ادا اس ناز، اس رفتار کے قربان ہم

---

[1] ج "شب و روز کی تیری جھڑکیاں یہ دگر نہ میری بلا سے"

عمر بھر ساقی نہ چھوڑیں میکدہ کی بندگی
ایک ہی پیمانے پر کرتے ہیں یہ پیمان ہم

کوئی تو دعوت بتا دو اس طرح کی شیخ جی
ایک شب تو اپنے گھر اسکو رکھیں مہمان ہم

ہاں مگر صلوات پڑھنا دیکھ تجھ کو دمبدم
اور کیا رکھتے ہیں تیری شان کے شایان ہم

جی میں ہے برپا کریں زنجیر کا غل اے جنوں
وادیٔ مجنوں کو دیکھیں کس طرح سنسان ہم

رات دن صحبت ہے جنکو بے تکلف آپ سے
پوچھنا کیا وہ تو بہتر بھلا ہیں اے جان ہم

تو نے دزدیدہ نگاہیں جب لڑائیں غیر سے
ہو گئے ناچار پیارے جان کر انجان ہم

ہم نشیں سرکار کے ہی جا بجا غماز ہیں !!
کیجئے تحقیق لے کرتے نہیں بہتان ہم

سیر کو آتا ہے وہ ایمان جاکر باغ میں
کھول دیویں چار دن آگے ہی گل کے کان ہم

[۲]

راضی ہے ہم سے اب وہ صنم اور صنم سے ہم
رکھتا ہے عشق جس سے حرم اور حرم سے ہم

اس رنگ اتحاد پہ کیوں کر نہ ہو فدا
مہندی سے خوش ہیں اسکے قدم اور قدم سے ہم

اخلاص کیونکہ اس بت پیمان شکن سے ہو
لرزے ہے جسکی خو سے قسم اور قسم سے ہم
تو وہ ہے اس زمانے میں سفاک بد شعار
اسکے پناہ جس سے ستم اور ستم سے ہم
باد بہار ہم تیرے مشتاق کیوں نہ ہوں
گل گل شگفتہ تجھ سے ارم اور ارم سے ہم
کیونکر نہ التفات کی تم سے رکھیں امید
وابستہ آپ سے ہے کرم اور کرم سے ہم
ایمان فکر شعر میں رکھتے ہیں اتفاق
دل سے قلم قلم سے رقم اور رقم سے ہم

[۳]

یہ دمبدم کھے ہے جگر اور جگر سے ہم
وابستہ تیغ یار سے سر اور سر سے ہم
ہے بے ثبات ہستی موہوم اس قدر
نسبت رکھے ہے جی سے شرر اور شرر سے ہم
وہ باغ حسن ہے تو سراپا کہ جیسے اب
گل گل شگفتہ ہووے نظر اور نظر سے ہم
اتنا ہے دلفریب دہن جسکی فکر میں
باریک تر ہے مو سے کمر اور کمر سے ہم
رکھتے ہیں قول و فعل کا الفت میں اتحاد
دل سے زبان زبان سے جگر اور جگر سے ہم

جانا شب وصال کا آفت ہے اور غضب
ہے چاک جیب جس سے سحر اور سحر سے ہم
الماس پاکر آہن وفا دارا ہے اے صنم
ناجسر ہے تیرے دل سے اثر اور اثر سے ہم
ابرو کمان و تیر سے تیری نگاہ کا
مانگے پناہ جس سے سپر اور سپر سے ہم
وعدہ کی شب شمار کی خاطر رکھیں ہیں ربط
پل سے گھڑی گھڑی سے پہر اور پہر سے ہم
تو وہ ہے آفتاب سپہر جمال کا!!
لے نور تیرے رخ سے قمر اور قمر سے ہم
نام و نشاں کے واسطے ایمان کو بیچ
مشہور ہے جہاں میں ہنر اور ہنر سے ہم

[۴]

نظریں لڑا چکے ہیں اگرچہ پری سے ہم
ڈرتے ہیں تیری آنکھوں کی جادو گری سے ہم
اس سرو قد کے عشق میں مسرور ہیں مدام
قمری کی طرح کسوت خاکستری سے ہم
لعل و پلک اشک خون آلودہ تو نہیں
پوچھیں گے ایک روز کسی جوہری سے ہم
ساعت وہی ہے نیک ملے جبکہ ماہ رو
زہرہ سے کام رکھتے ہیں نہ مشتری سے ہم

غنچہ کا حال دل نہ کہیں گل کے کان میں
بادِ سحر کی ڈرتے ہیں پردہ دری سے ہم
فتنہ اٹھاتے گزری ہے ہر دن رقیب کو
مل بیٹھیں ایسے کیونکہ بھلا سنتری سے ہم
پروانہ اور شمع جلیں دونوں رشک سے
ہوں کامیاب جب تری ہم بستری سے ہم
یادِ چراغ ہے نفسِ عیسوی یہاں
پاتے ہیں جان تازہ تیری دلبری سے ہم
ایمان گزری بادیہ پیمائی میں جو عمر
بیزار ایسی دولت اسکندری سے ہم

[۵]

آپ کا الطاف اگر پائیں ہم !!
غیر کے گھر کاہے کو پھر جائیں ہم

اب کے ترے یہاں سے اگر جائیں ہم
شرط ہے یہ پھر نہ کبھو آئیں ہم

تو ہی اگر پاس ہووے جان جان
زیست سے پھر کاہے کو گھبرائیں ہم

اپنے ہی دل نے یہ خرابہ کیا
غیر پر کس واسطے جھنجھلائیں ہم

لالہ خجالت سے ہو شبنم میں غرق
داغِ جگر اپنے جو دکھلائیں ہم

کہتا ہے چل دور ہو یہ کون ہے
ٹھہر کے در پہ جو کہیں آئیں ہم

منزلِ مقصد کو الٰہی دیکھا
شکل جرس کب تئیں چلائیں ہم

اپنے تو یہاں زر ہے نہ افسوں ہے کچھ
کیوں کہ دلارام کو پرچائیں ہم

خون جگر پیتے ہی اک عمر ہوئی
کب تلک ایمان یہ غم کھائیں ہم

[٦]

...ا تیرا ہی نہ یہاں سر کٹے ہے آہ قلم | ہزار سر ہوئے اس جا پہ بے گناہ قلم
...شبیہ زلف کی بہزاد بھی نہ کھینچ سکا | کہ وہ مصور قدرت کا ہے سیاہ قلم
...ہی عیب ہے دنیا میں دو زبانی کا | ہوا ہے ایسی ہی باتوں سے روسیاہ قلم
...نہ بزم جہاں بیچ طبع روشن کو | کہ یہاں کریں ہیں سر شمع خواہ مخواہ قلم
...ب خط بتاں باوجود چاک جگر | عجب تراش سے کرتا ہے سر براہ قلم
...ست لبستہ نہ ہو کیونکہ یہ غزل تحریر | کہ اپنے ہاتھ میں آتا ہے گاہ گاہ قلم

کچھ ایک مشق سخن صاف ہو تب ہی ایماں
رواں ہو صفحۂ کاغذ پہ سال و ماہ قلم

[٧]

سیری نہ ہووے تب بھی اگر ہوں ہیں چار چشم
ہوویں ہزار ہیں کی طرح گر ہزار چشم
رو یا ہوں تیری یاد میں یاں تک کہ جیوں حباب
پھرتے ہیں دوش آب پر اب تک سوار چشم
ہے عیب جس کی نظروں سے گلرو برنگ شمع
مژگاں سے پیرہن میں رکھے ہے وہ چار چشم
پاتے ہیں نقش پا کا تیری جس جگہ سراغ
چھانی ہے اپنے پردوں سے واں کا غبار چشم
ایماں عین نور سے مملو ہے مثل ماہ
خورشید رو کی جب سے ہے آئینہ دار چشم

۔ الف حیات

[۸]

کرے کبھو تو یہ کس منہ سے خاکسار سلام
کہ دل پہ آئینہ رو کے ہو جب غبار سلام
وہ کب کسو کے تئیں دیوے سرو قد تعظیم
کہ شاخ گل کرے جھک کر جسے ہزار سلام
ہمیں وہ نامہ کہاں بھیجتا ہے اب جس نے
لکھا نہ غیر کے بھی خط میں ایک بار سلام
یہ منت خاک بھی ہو سر بلند تا بفلک
کبھو جو لیوے ہمارا وہ شہسوار سلام
فقط نہ سرو ہے ایمان اس کا مجرائی
کہ بید مجنوں بھی کرتا ہے بے شمار سلام

[۹]

گل کھلے باغ میں تو بھی چل اے صنم
بلبل اب چہچہے کرتی ہے دمبدم
جو کوئی روز و شب بندگی میں رہے
اس پہ اے بے وفا کب روا ہے ستم
سب کے ہاں جلوہ گر مثل مہ تو ہوا
اس طرف بھی کبھو دلربا کر کرم !!
اے فلک مجھکو ہی یار سے ہجر ہو
بلبل و گل رہیں باغ میں نت بہم
فرش رہ چشم کریں کروں شوق سے
ریختہ گر اس طرف وہ کرے ٹک قدم

ترک کر عشق کو بیٹھے ایک طرف
جی خفا ہوگیا تا بہ کئے رنج و غم !!
بحر کا آشنا بسکہ ہے خوب ہی
کیوں نہ ایمان سے ریختہ ہو رقم

[۱۰]

ے عندلیب از بس ہیں دلفگار ہم تم — نالے چمن میں کرلیں بے اختیار ہم تم
م فرصت زیادہ دیکھیں تو کسکو ہے یاں — کرلیں جناب اپنے دم کا شمار ہم تم
حرتیں کہ دل میں آویں سو لابیان ہیں — جس وقت اے پیارے ہو دیں دوچار ہم تم
دریائے اشک میرا از بسکہ درمیاں ہے — اے آشنا ہمیشہ ہیں وار پار ہم تم !!
ازم رقیب کو ہے کہتا پھرے ہر ایک جا — آپس میں روٹھتے ہیں پیارے ہزار ہم تم
یاران کربلا کی کربا د تشنہ کامی ! — اے ابر مل کے رو دیں اب زار زار ہم تم

مثل زجاج ساعت ایمان مل کے باہم
جا کے کریں کسی دن دل کا غبار ہم تم

ردیف ن (۱)

عرصۂ ہستی میں کچھ مختار ہوں بھی اور نہیں
سایہ آسا صاحب رفتار ہوں بھی اور نہیں
حوصلہ روشن ہے میرا تجھ پہ اے خورشید رو
مثل شبنم لائق دیدار ہوں بھی اور نہیں
وصل سے ہوں دور اب تک باوجود اتحاد
ساغر مے کی طرح میخوار ہوں بھی اور نہیں
سلسلہ میں کفر و دیں کے رشتہ تسبیح سا
زاہدا میں صاحب زنار ہوں بھی اور نہیں

سر سے پا تک داغ ہوں تجھ بزم میں اس رشک سے
شمع ساں میں قابل گفتار ہوں بھی اور نہیں

کیا کروں ایثار جب آوے وہ رشک نوبہار
غنچۂ گل کی طرح زردار ہوں بھی اور نہیں

ہر جگہ طاؤس کی مانند چار دن فصل میں
یک چمن میں صورت گلزار ہوں بھی اور نہیں

واسطے جور و جفا کے اور بزم عیش کے
میں تجھے اے بے وفا درکار ہوں بھی اور نہیں

کیوں کر پہچانے کوئی ایمان جوہر کو مرے گر
مدح کی مانند کچھ اظہار ہوں بھی اور نہیں

(۲)

شب کو تجھ بن جو نپٹ داغ جگر جلتے ہیں
شمع کی طرح سے ہم تابہ سحر جلتے ہیں

آشیانہ خس و خاشاک کا باندھو اے بلبل
آتش رنگ گل ہی سے اس باغ میں گھر جلتے ہیں

باوجودیکہ نہیں فرصت یک چشم زدن
اتنی ہستی پہ بھی ہم مثل شرر جلتے ہیں

مشعلۂ حسن تیرا جب سے ہوا بزم افروز
رشتۂ شمع صفت تار نظر جلتے ہیں !!

سوزش عشق کو اے بوالہوس آسان نہ سمجھ
یہ وہ آتش ہے سمندر کے بھی پر جلتے ہیں

آبِ گریہ نے بھی جیوں شمع نہ چھڑکا ہم پر
باوجودیکہ رکھیں دیدۂ تر جلتے ہیں!
بسکہ ایمانؔ کی ہے شعلہ زبانی روشن
گرمیٔ شعر سے سب اہلِ ہنر جلتے ہیں

[۳]

عاشق ہوں، فدا ہوں، باوفا ہوں | میں اس کا قدیم مبتلا ہوں
دیوانہ و محوِ ہر ادا ہوں! | آغازِ شباب سے میں اس کا
کس کس انداز کو سراہا ہوں | غمزہ، عشوہ، کرشمہ و ناز
پر میں نہ کسی کو دل سے چاہا ہوں | یوں مجھ سے ملیں ہزار گلرو
ہیں ٹک بھی خفا نہیں ہوا ہوں | اس نے کی ہے اگرچہ رنجش
پر اپنی طرف سے میں تیا ہوں | ہو اس کی طرف سے بے وفائی
بیچارہ غریب میں تو کیا ہوں | خسرو کو نہ مانے جب وہ شیریں
اتنا ہیں خوب جانتا ہوں | ایمانؔ بقولِ حضرت دردؔ باقی

بیگانہ وہ مجھ سے پھر رہے ہے
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں

[۴]

پری رو عاشقوں کو بیچ دلوانے بناتے ہیں
وہ کبھی انکھڑیاں دکھلا کے مستانے بناتے ہیں
ہوس اس لب کے بوسہ کی نہیں جاتی قیامت تک
ہماری خاک سے اب تک بھی پیمانے بناتے ہیں
تصوّر میں ترے دانتوں کے جب روتے ہیں جیوں تسبیح
ہم اپنے آنسوؤں کو صاف دُردانے بناتے ہیں

بتوں کے عشق سے باز آخدا کے واسطے اے دل
یہ کافر مسجدوں کو توڑ بت خانے بناتے ہیں
حباب آسا نہیں پائداری[1] بحر ہستی میں
دوانے ہیں یہ منعم یہاں جو کاشانے بناتے ہیں
ہوا قصّہ پرانا بسکہ اب فرہاد و مجنوں کا
ہمارے عشق کے عالم میں افسانے بناتے ہیں
صنم کے زلف کا ایمان کیونکر بال ہو بیگا
کہ اپنے پنجۂ مژگان سے ہم شانے بناتے ہیں

[۵]

گو کہ ہم لائق تعزیر و گنہگار تو ہیں!
تیری بخشش کے غرض پھر بھی سزاوار تو ہیں
ابھی پردے سے نکل آئیں تو غش کھاکے گریں
لاکھ ہم اپنی جگہ گرچہ خبردار تو ہیں!!
کیا کہیں اپنی وفاداری و دانائی کو!!
اب تلک دام محبّت میں گرفتار تو ہیں
گو کہ کچھ اور نہیں ہیں یہ غزل خوان تیرے
شور بلبل کی طرح رونق گلزار تو ہیں۔!!
اسقدر کیا ہے صبا تجھکو ہوائے گلشن
ہم بھی چلنے کو ترے ساتھ ہی تیار[2] تو ہیں

۱۔ ب " ناپداری " ۲۔ الف " طیار " ب " طنّاز "

زیباں زور نہ زر ہے نہ ہنر ہے نہ فسوں
کیا کریں ہم کہ سبھی طرح سے ناچار تو ہیں
جی کسی طرح سے بھرتا ہی نہیں اے ناصح
ہم بھی قائل ہیں کہ معشوق دل آزار تو ہیں
کچھ کبھو ہم کو بھی ارشاد ہو اے شیریں لب
خوانِ نعمت کے ترے ہم ہی نمک خوار تو ہیں
گو کہ ایمان تجلی نہیں ہوتا ذرہ !!
ہم بھی موسیٰ کی طرح طالب دیدار تو ہیں

[۶]

ناتوانی کے سبب اب لب سے دم بڑھتا نہیں
دل تو بڑھتا ہے بہت لیکن قدم بڑھتا نہیں
شوق نے مجھکو بڑھایا بارہا لے اعتبار
پر ادھر سے ہائے وہ کافر صنم بڑھتا نہیں
حسن کو اس کے ترقی ہے تو میرے عشق کو
دیکھئے جو غور سے تو یہ بھی کم بڑھتا نہیں
دفتر ہستی میں مثل صفر کر دیکھا حساب
بن گھٹائے آپکو کوئی رقم بڑھتا نہیں
خون دل کی وہ شفق ریزی کہے تیں دیکھ تو اب
تا سر مژگاں کبھو آنکھوں سے نم بڑھتا نہیں
کھینچ کر زلف گرہ گیر اسکی مانی نے کہا
یک سر مو یاں سے اب آگے قلم بڑھتا نہیں

کون چڑھ سکتا ہے منہ ایماںؔ فوج عشق کے
یہ وہ میداں ہے کہ خسرو کا علم بڑھتا نہیں

[۷]

گر نہ اٹکی ہو تمہاری زلف کی زنجیر میں جان
آہ جاتی رہے ایک نالۂ شب گیر میں جان
آب حیواں سے بجھا ہے مگر اس کا پیکان
تازہ پڑتی ہے ترے تیر سے نخچیر میں جان
وہ جو گستاخ ہیں کیا بات ہے ان کی پیارے
یاں تو جاتی ہے نکل ایک ہی تقصیر میں جان
اس طرف بھی تو کسی روز کماں ابرو چل
نہ رہے صید حرم کی کہیں تجھ تیر میں جان
آوے جس دم کہ تو اعجاز مسیحائی پر
بات کہتے ہیں پڑے قالب تصویر میں جان
اب جو وہ ہنس کے ملاتا ہے نگاہیں ایدھر
کچھ تو پھونکی ہے میری آہ نے تاثیر میں جان
شعر ہوتا ہے کب ایماں کسو کے دل چسپ
جب تلک معنی شیریں نہ ہو تحریر میں جان

[۸]

آنکھوں کے تیری ویسے ہی بیمار ہیں سو ہیں
سارے طبیب در پئے آزار ہیں سو ہیں
لبریز چشم گرچہ ہیں آب سرشک سے
لیکن ہنوز تشنۂ دیدار ہیں سو ہیں

درکار نہیں ہے ساغر لبریز ساقیا
ہم تیرے لعل لب کے طلبگار ہیں سو ہیں
دیدار کا تو روز قیامت ہے انتظار
اب تک وہ مجھ سے وعدہ و اقرار ہیں سو ہیں
اب وہ کہاں ہو او ہوس وہ دل و دماغ
وہ ہی اگرچہ بلبل و گلزار ہیں سو ہیں
کیدھر گیا وہ ناقۂ لیلیٰ کہاں ہے قیس
ہر چند وہ ہی جنگل و کہسار ہیں سو ہیں
مت جانیو خموں کو نہیں کر گئے حریف
وہ ہی شراب اور وہ میخوار ہیں سو ہیں
ایمان گر ہیں اہل خرابات زشت کار
پر رحمت خدا کے سزاوار ہیں سو ہیں

[۹]

یاں آج اگر یار و بیداد ہے اور میں ہوں
کل حشر کے میدان میں جلاد ہے اور میں ہوں
وحشت نے میری یاں تک خوں جوش میں لایا ہے
اک عمر سے ناصح فصاد ہے اور میں ہوں
وہ دن گئے جو دھومیں کرتے تھے ہم اے بلبل
اب فصل بہاری میں فریاد ہے اور میں ہوں
دیکھیں تو بھلا کس کا رہتا ہے قدم ثابت
اس کوہ و بیاباں میں فرہاد ہے اور میں ہوں

زنہار اسیری کا کچھ غم ہی نہیں مجھ کو
صد شکر کہ ہم صحبت صیاد ہے اور میں ہوں

ہر چند نہیں ملتا ہوتا ہے کئی دن سے
اس شوخ فسوں گر کی اب یاد ہے اور میں ہوں

ایماں علائق کے پابند ہزاروں ہیں !!
آزاد گلستاں میں شمشاد ہے اور میں ہوں

[۱۰]

تیری زلف نے بسایا ہے عجب ختن چمن میں
کہ ہر ایک غنچہ نافہ ہو گیا چمن چمن میں !!

بر و بال کی بھی پروانہ تجھے ہے شمع گل سے
کہ نہیں لگے ہے بلبل اب تیری لگن چمن میں

وہیں لوٹے گل سے برہم ہو گیا دماغ بلبل
تو نے رات کو اتارا جوں ہی پیرہن چمن میں

ہوئے عندلیب شیدا ترا دیکھ مسکرانا
کہ کہاں کلی نے پایا یہ لب و دہن چمن میں

نہ کر ناخن ایک کو بھی وہ نہ پہنچے اے پیارے
جو ہزار بار چھولے گل نسترن چمن میں

دل تنگ سے مشابہ ہے وہاں ہر ایک غنچہ
نہ خیال سیر سمجھو تو اے گلبدن چمن میں

نہ خزاں سے تنگ دل ہے نہ بہار سے شگفتہ
کہ تو پہلے ہی سے ایماں تو کیا وطن چمن میں

[۱۱]

دم غنیمت جان مل لے زندگانی پھر کہاں
چار دن ہیں آہ اتنی بھی جوانی پھر کہاں

دیدۂ انصاف سے ٹک دیکھ لے نخوت پناہ
حسن جس دن ڈھل گیا یہ ظلم رانی پھر کہاں

چہچہے کر لے بہار آئی ہے اب اے عندلیب
یہ گلستاں پھر کہاں یہ نغمہ خوانی پھر کہاں

درد دل میرا کرے ہے آپ پتھر کا جگر
کان رکھ ٹک ایک سن ایسی کہانی پھر کہاں

آج کی گستاخیاں معذور رکھ اے مست ناز
یہ نوازش پھر کہاں یہ مہربانی پھر کہاں

قابل نظارہ ہے اے یار گلزار جہاں
سیر کر لے چار دن فرصت ہے یاقی پھر کہاں

ہر گھڑی ایماں سے رنجش مناسب ہے نہیں
قدر نعمت بوجھ ایسا یار جانی پھر کہاں

[۱۲]

ہر پلک ہے تیری اے لال زباں آنکھوں میں
تس پہ سرمے کی دنبال زباں آنکھوں میں

وصف میں تیرے اشارات نگہ کے ہیں دور
پھوٹی نرگس کو جو اس سال زباں آنکھوں میں

خال مشکیں و سخن قند و عجب کیفیت
یہ تو خوبی ہے ترے گال زباں آنکھوں میں

وہ بھی دن یاد ہیں کہ کبھو جاتا تھا
پھنستا تھا میں تیری ڈال زباں آنکھوں میں
سیکھ لے ہم سے تو ایمان مضامیں کی تراش
باندھنا کچھ نہیں اشکال زباں آنکھوں میں

[۱۳]

پریشاں موج مے اب صورت سنبل ہے شیشے میں
پڑا یہ کس کا ساقی سایۂ کاکل ہے شیشہ میں
سراسر بزم ہے رشک چمن آواز قلقل سے
مے گل رنگ گویا بہتر از بلبل ہے شیشہ میں
نہیں ہے یہ حباب، عالم آب آج اے ساقی
کہ رو دے ہے یہ اب مستوں نے باندھا پل ہے شیشے میں
خرابات مغاں زاہد نہیں کم طاق مسجد سے
بجائے چار قل آواز صد قلقل ہے شیشے میں
سوائے عینک تماشا ہے نہیں ہرگز
بچشم غور اگر دیکھو تو ہے گل ہے شیشے میں
ابھی دیوانہ ہو زاہد لگا دے تاک اگر ادھر
بصد افسوں پری اتری نہیں یہ مل ہے شیشے میں
نہیں اب بے سبب ایمان ہا و ہوئے مستاں بھی
جو سمجھو تو بھرا یہ فی الحقیقت غل ہے شیشے میں

[۱۴]

آرام جاں و راحت دل کم بہت ہے یاں
فتنہ فساد دیکھو تو پیہم بہت ہے یاں

یک صبحدم ہی خندۂ گل کی بہار ہے
نسبت سے اسکی گریۂ شبنم بہت ہے یاں

دیکھا نہ لے رقیب کوئی ہم نے خوب رو
ہر گل کے ساتھ خار ہی توام بہت ہے یاں

عالی نسب کا خون جگر قوت ہے مدام
سفلہ کو ہم نے دیکھا تو خرم بہت ہے یاں

محفل غزالہ چشموں کی دیکھا ہوں بار ہا
ہوتے یہ رام کم ہیں و لے رم بہت ہے یاں

یہ خستے اقربا ہیں سو عقرب ہیں نیش زن
تریاق تو محال مگر سم بہت ہے یاں

ابنائے روزگار کی صحبت سے الحذر
دلخواہ دے خدا تو اک ہمدم بہت ہے یاں

ایمان کوئی فرقہ میں آسودگی نہیں
جو کارخانہ دیکھو تو برہم بہت ہے یاں

[۱۵]

عالم میں حسن تیرا مشہور جانتے ہیں
ارض و سما کا اس کو ہم نور جانتے ہیں

ہرچند دو جہاں سے اب ہم گزر گئے ہیں
تسپر بھی دل کے گھر کو ہم دور جانتے ہیں[۱]

۱- الف "تسپر بھی دل کا گھر دور جانتے ہیں"

جس میں تیری رضا ہو وہ ہی قبول کرنا
اپنا تو ہم یہی کچھ مقدور جانتے ہیں ۔۔

سو رنگ جلوہ گر ہیں گرچہ بتان عالم
ہم ایک تجھ کو اپنا منظور جانتے ہیں

لبریز مئے ہیں گرچہ ساغر کی طرح ہر دم
تس پر بھی آپ کو ہم مخمور جانتے ہیں

کچھ اور آرزو کی ہرگز نہیں سمائی
از بس تجھ ہی کو دل میں معمور جانتے ہیں

ایمان جس کے دل میں ہے یاد اس کی ہر دم
ہم تو اسی کی خاطر مسرور جانتے ہیں

[۱۶]

اے پری رو اس طرف ایک دن تو آ کہیں
چہرہ پرنور کو اب مجھے دکھلا کہیں

زلف اپنی کھول کر منہ چھپاتا ہے عبث
ہو نہ جاوے میرے تئیں یک بیک سودا کہیں

اب نظر آتا نہیں بام اوپر ماہ رو ۔۔
یہ زمین و آسمان ہو نہ تہہ و بالا کہیں

چہرۂ گل سے غرض رنگ اڑ جاوے کہیں
باغ میں آوے اگر وہ گل رعنا کہیں

آپ سے میں اس گھڑی جان سے بیزار ہوں
ناصحا اب پاس سے اٹھ کے پرے جا کہیں

اس قدر اے سرو قد مست خرام ناز کر!
خوف ہے مجھکو نہیں حشر ہو برپا کہیں

کیا کہوں ایماں وہ بزم سے جب اٹھ چلا
لٹ گیا مینا کہیں بہہ گئی صہبا کہیں

[۱۷]

کہاں قدرداں جو ہنر آزماویں
نصیبوں کو اپنے کدھر آزماویں!

پھرے چرخ بہتا ہوا جوں حباب اب
کبھو اپنے ہم چشم تر آزماویں

فلک بیچ ہوں سوراخ تاروں کی مانند
اگر آہ کا ہم اثر آزماویں!

دو حصہ برابر ہو کوہ ایک دم میں
اگر اس کی تیغ کمر آزماویں!

عجب زرد رنگی ہے بخت سیہ میں
کسوٹی پہ جس طرح زر آزماویں

کریں شاخ طوبیٰ پہ جا آشیانہ
اگر اپنے ہم بال و پر آزماویں

گزر جاوے پل مارنے میں جگر سے
خدنگ اس نگہ کا اگر آزماویں

عجب دلبراں ہیں کہ جور و جفا کو
غریبوں ہی پر بیشتر آزماویں

خدا کی خدائی ہے ایماں لیکن
بتاں جو کہیں اسقدر آزماویں

[۱۸]

آب شمشیر ہے اس بن مجھے آب باراں
رو سیہ ہوئے کہیں اب سحاب باراں

ساقیا غور سے ٹک دیکھ تو اب عمر حباب
کھل گیا کس کے لئے دیدۂ خواب باراں

آبداری کو بنا گوش کی پہنچے ہے کہاں
در خوش آب ہے گو لب لباب باراں

آتشیں اشک سے ہیں آبلہ سینہ پہ تمام
بحر میں اٹھتے ہیں جس طرح حباب باراں

اشک ریزی میں میرا نالۂ جاں سوز نہیں
برق ہے یا کہ ہے یہ تیر شہاب باراں

سبزۂ خفتہ ہر اک جا سے ہوا ہے بیدار
ابر از بس کہ چھڑکتا ہے گلاب باراں

خم افلاک ہی کچھ جوش نہیں کھاتا ہے
ہالۂ ماہ بھی ہے جام شراب باراں ؛

شور افگن ہے ہر اک ایک قطرۂ آب سے نغمۂ تر
تار کچھ زور ہی باندھا ہے رباب باراں

آبرو اہل خرابات کو ہو دے ایماں
گر قدم رنجہ ادھر ہووے جناب باراں

[۱۹]

تو جو قدم رنجہ کرے ہووے پریخانہ چمن
چاک ہو جب گل کی قبا کیوں نہ ہو دیوانہ چمن

شعلہ فروزی جو کرے عکس ترے رخ کا صنم
شمع بنے سرو بھی جو وہیں پروانہ چمن

بادہ کشی کسی کی اسے مد نظر ہے اے صبا
غنچہ و گل سے جو رکھے شیشہ و پیمانہ چمن

دام مجھے بلبلوں سے بال و پر اب کیونکر ملیں
کب ہے پہنچے مجھکو وہاں ہے تیرا کاشانہ چمن

بیٹھا ہے کیا کچھ ہے خبر جلد اب ایماں پہنچ ؛
صبح ہی اٹھ گھر سے گیا دیکھنے جانانہ چمن ؛

[۲۰]

قیامت کچھ تجھے آتی ہے میری جان دلبریاں
ہزار انداز لاویں پر کہاں پہنچیں تجھے بریاں
شراب تلخ کے دیتے ہی دینا بوسۂ شیریں
ہوئی ہیں ختم تجھ پر صاحب من بندہ پروریاں
نہ عشوہ نہ کرشمہ ہے نہ ہرگز چشم و نے ابرو
مہ و خورشید کس منہ سے کریں اب تجھ سے ہمسریاں
طلائی رنگ عاشق کا بنایا آتش غم سے
نظر میں ہیں ہماری سیم تن سب تیری زرگریاں
کبھو لخت جگر کے لعل آنسو کے کبھو موتی
جواہر سے مری آنکھوں نے دامن کے تئیں بھریاں
قیامت کچھ گل و غنچہ ہی پر گزرے ہیں تنہا
تڑکے اٹھتے ہی گلشن سے ہزاروں بلبلیں مریاں
نہ کر ایمان اس عہد وفا کو یاد سابق کی
کہاں کا ذکر ہے ناداں وہ باتیں سب رہیں دھریاں

[۲۱]

تم ہو اور گلشن ہو اور نرگس کی ستھری کیاریاں
یاں میری آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ آنکھیں پیاریاں
یاں ٹپک پڑتے ہیں آنسو چشم سے بے اختیار
لعل تر سے واں تمہارے جب ہوں گوہر باریاں
تم تو واں عارض پر اپنے رکھتے ہو خال سیاہ
یاں سیہ روزی کے ہاتھوں ہیں مجھے ناچاریاں

واں تو پشت چشم پر افشاں سے ہوتی ہے بہار[۲]
یاں بجائے اشک پلکوں سے جھڑیں چنگاریاں

تم ہو واں اور دھوم ہولی کی ہے اور ہیں راگ و رنگ
خون کی یاں ہر پلک سے چھٹتی ہیں پچکاریاں

سرو کو جا باغ میں کرتے ہو تم واں سرفراز
آہ نے سینہ پہ میرے برچھیاں یاں ماریاں

غنچہ دل سے نہیں وا شد ہے صحن باغ میں
یاں مجھے دلگیریاں ہیں اور دل افگاریاں

ٹک پلک جھپکی تو لے جھٹکیاں دینا جگا
مجھ پہ دن ڈالیں ہیں راتوں کی وہی بیداریاں

جی نکل جاتا ہے پھر دو دو پہر بے اختیار
یاد جب آتی ہیں پیاری وہ تیری دلداریاں

خوں ہو کون مثل میرے چشم تو ہوں شکل جام
یاد آتی ہیں مجھے آپس کی جب میخواریاں

ختم تجھ پر ہو چکی ہیں حسن کے انداز میں
یاربا عیاریاں دلداریاں طراریاں!

جب تلک ملتا نہیں ایمان سے تو اے نگار
تب تلک ہوتی نہیں آسان یہ دشواریاں

[۲۲]

مجنوں کی بھی اگرچہ ہے تصویر ناتواں
تیرا نہیں ہے عاشق دلگیر ناتواں

آتی نہیں ہے یک سر مو بھی خیال میں
کتنی کمر ہے آپ کی تقصیر ناتواں !

تیر نگہ تیرا ہے وہ خوں ریز اے نگار
ہوتے ہیں جس کے سہم سے نخچیر ناتواں

میں ایک ہی ضعیف ہوں ٹک رحم شعلہ خو
ہوتا نہیں ہے لایق تعذیر ناتواں !!

مجنوں کی قید میں رہے غمخوار بسکہ عمر
موج نسیم سے ہوئی زنجیر ناتواں

میرے بھی گوش تک تو پہنچتا نہیں کبھو
کتنا ہوا ہے نالۂ شب گیر ناتواں

ایمان اب تو عشق سے مشکل ہے جاں بری
خصم قوی کے کیا کرے تدبیر ناتواں

[۲۴]

جانتے ہم نہیں کہ ہے دیر کدھر حرم کہاں
کہہ تو خدا کے واسطے پائیں تجھے صنم کہاں

شیریں اگر ہے دلنواز لیلیٰ بھی ہے تمام ناز
ایسے دو چار عشوہ ساز پہنچے ہیں ہم کہاں

ساقی وہ اپنے طور سے ہاتھ اٹھا نہ دور سے
دیکھ تو چشم غور سے جام کدھر ہے جم کہاں

ملتے تھے تم جو ہر سحر رکھتے تھے ہم پر کی نظر
اب وہ ہمارے حال پر صاحب من کرم کہاں

بسکہ ہوا ہے پائمال کہتا ہے یہ ہر اک نہال
مرقع حسن کے غزال کر کے چلا ہے رم کہاں

کیجو کہیں نہ دل کی لاگ شمع کو دیکھ دور بھاگ
جبکہ لگے جگر کو آگ رہتے ہیں اشک تھم کہاں

دی ہے نسیم یہ خبر سیر چمن سے مت گزر
ابر بہار ہے اٹھ پھر تو کدھر ہے ہم کہاں

تجھ پہ تو دل سے اے حبیب کیوں نہ فدا ہو یہ غریب
آج مرے ہے نصیب آئے ہیں یہ قدم کہاں

چھلہ اے ستمگر تو نے تفت پنجہ قہر کی گرفتہ
بندہ نواز بیش رفت ہونیکا یہ ستم کہاں

گو کہ وہ یار سیم بر سامنے سے کرے گزر
دیکھنے دے ہے پھر نظر آہ یہ چشم نم کہاں

کیجئے نہ ایاں کم بھر سلام جب نہ تب
باغ جہاں کے سرو قد ہوتے ہیں اک بھی خم کہاں

[۲۴۶]

کاو کاو مژہ شاید ہے جگر کی تہ میں !!
خون آتا ہے نظر دیدہ تر کی تہ میں !!

چہرہ نور فشاں یوں ہے ترا زیر نقاب
جیسے خورشید ہو دامان سحر کی تہ میں

بحر ہستی میں نہ دیکھا گہر راحت دل
ہم نے جس وقت بصد غور نظر کی تہ میں

دل پہ داغ ہے یوں سینۂ عاشق کے بیچ
ہووے جس طرح دفینہ کسو گھر کی تہہ میں

ہاتھ جس وقت کہ ڈالا ہے ترے دامن پر
چین ہو چین پہ چین اور بھی سر کی تہہ میں

اسکے تو آنکھ دکھانے پہ نہ جانا اے دل
سینکڑوں جس کے ہیں انداز نظر کی تہہ میں

کیونکہ دامن ترا گلشن پہ نہ مارے تختہ
عطر کے ساتھ بندھی بو ہے اگر کی تہہ میں

صاف گزرا ہے کسی دل سے کماں ابرو آج
کچھ نم خون ہے ترے تیر کے پر کی تہہ میں

ہو سکے چہرہ یوسف سے بتاں مصری
گرچہ تھا حسن وطن گرد سفر کی تہہ میں

تہہ بہ تہہ غنچہ نمط ہے وہ قبائے گلگوں!
ڈھونڈے یاں دل کو کہو کوئی کدھر کی تہہ میں

حسن کا اس کے یہ دریا ہے غضب طوفان خیز
لہر پر لہر ہے ہر ایک لہر کی تہہ میں

جب سے ایمان پڑا اسکان میں اس کے بالا
رنگ رخسار چمکتا[1] ہے گہر کی تہہ میں

⁂

۱۔ الف "جھمکتا"

[۲۵]

سُنے ہے گالیاں جس دم تو اے دل ہم بھی سنتے ہیں
نہیں سننے کی باتیں تیرے رشامل ہم بھی سنتے ہیں
بگولے سا بجا ہے رقص تجھکو آج اے مجنوں
ادھر ہی آئے ہے لیلیٰ کا محمل ہم بھی سنتے ہیں
بجا ہے گل گریبان چاک آنا خاک سے تیرا
گئیں ماٹی میں کیا کیا صورتیں مل ہم بھی سنتے ہیں
تجھے نام خدا کس کا ادب ہے او بت کافر
کیے جا گالیوں میں سب کو شامل ہم بھی سنتے ہیں
بجا ہیگا دلا یہ غور کر عشق میں تیرا!!
نہیں اس بحر کا پیدا ہے ساحل ہم بھی سنتے ہیں
دلا پروانہ ساں تیرا بجا ہے رشک سے جلنا
ہوا شب غیر کا وہ شمع محفل ہم بھی سنتے ہیں
سراغ دل میں اے ایمان رہنا ہے بجا تجھکو
اسی ہی رہ سے ہے نزدیک منزل ہم بھی سنتے ہیں

[۲۶]

رکھتا نہیں کچھ دیدۂ نمناک گرہ میں !
ہیں گرچہ ہزاروں گہر پاک گرہ میں
وہ زلف سیہ فام ہے اک گانٹھ کی پوری
رکھتی ہے ہزاروں دل صد چاک گرہ میں

آوارہ صحرائے جنوں جیسے بگولہ
باندھے نہ کبھو جز خس و خاشاک گرہ میں

وہ شیشہ ہے جس میں ہے نہاں حسن پریزاد
جو دانہ کہ رکھتا ہے یہاں تاک گرہ میں

جز مرغ دل مضطرب، عاشق جانباز
باندھے ہے کب اس شوخ کا فتنہ اک گرہ میں

تدبیر سے وابستہ ہے یاں رشتہ و رشد
گو دخل رکھے ناخن چالاک گرہ میں!

فریاد ہے بیداد ستمگار کی جوں نئے
جز نالۂ جاں سوز نے ہے کیا خاک گرہ میں

ایمان جوانان چمن، مست طرب ہیں!
اک غنچۂ لالہ کی ہے تریاک گرہ میں

[۲۷]

تھا ہمیں وہم کہ یہاں دیر و حرم بھی کچھ ہیں
بارے یہ سوچ پڑی آج کہ ہم بھی کچھ ہیں

گل جو نکلے ہے زمیں سے تو یہ ہوتا ہے یقیں
فرق خون خستہ جگر سوئے عدم بھی کچھ ہیں

یہ تو ثابت ہے حدیث نبوی سے زاہد
گرچہ بدکار ہیں پر اہل کرم بھی کچھ ہیں!

شیخ جی زلف بتاں کا جو ہے تم کو سودا
کیجئے جز داغ جبیں، دام و درم بھی کچھ ہیں

ع انسخہ "الف" شور

کبھو سر کوچۂ دلدار کی رہ پر قاصد
دیکھو پہلے کہ وہاں نقش قدم بھی کچھ ہیں
عتبۂ شاہ نجف کے وہ جو ہیں خاک نشیں
ان کے نزدیک کبھو طبل و علم بھی کچھ ہیں
دیکھو ایہام کے استعار بچشم انصاف
اے فصیحان عرب اہل عجم بھی کچھ ہیں

[۲۸]

قدم رکھے ہے وہ جس دم رکاب کے گھر میں
چھپے ہے ترک فلک آفتاب کے گھر میں
جگر کا سوز ہے چشم پر آب کے گھر میں
دیا یہ کس نے لگا یا حباب کے گھر میں
بہ رنگ شمع کہ فانوس سے نمایاں ہو
وہ شوخ چشم چھپے کب حجاب کے گھر میں
کسو کے چشم کی گردش کا یہ تصرّف ہے
کہ دور مے کا ہے شیخ مآب کے گھر میں
حیا و شرم ہی دیکھی ہے ہم نے جوں خورشید
مدام اس بت زریں نقاب کے گھر میں
وہ طفل اشک ہے اپنا کہ مثل گہوارہ!
پڑے ہے چین اسے اضطراب کے گھر میں
صنم کا حسن خداداد دلکش اتنا ہے
کہ بت پرستی ہے اہل کتاب کے گھر میں

نہ جاؤ اس لب شیریں کی شان پر اے دل
کہ نیش ہی ہے بھرا شہد ناب کے گھر میں

مدام رند خرابات کو یہ لازم ہے !!
کہ ایک دو تو ہوں شیشہ شراب کے گھر میں

میں اک غریب تو ہوں کس طرف رسائی اب
کسے ہے اس ستم عالیجناب کے گھر میں !!

سحر کے صنم سے دم سرد کھینچ کر کہیو !!
صبا ہے دخل تجھے شیخ و شاب کے گھر میں

کبھو تو شمع رو پروانگی اسے بھی ہو
کہ پہنچے شب کو ترے خفت و خواب کے گھر میں

یہ بات خلق میں روشن ہے مہ سے تا ماہی
رسائی ذرہ کو ہے آفتاب کے گھر میں

ذرہ تو دیکھیو ایمان اس کے مردم چشم
سیاہ مست ہیں گویا شراب کے گھر میں

[٢٩]

گو کہ چاہیں نہ بتاں ہم انہیں چاہیں لیکن
وہ سراہیں نہ ہمیں، ہم تو سراہیں لیکن

کیا ہوا ہم جو تڑپتے ہیں زمیں پر اس بن
آسماں پر تو پہنچتی ہیں یہ آہیں لیکن !!

پھیر لیں منہ کو مژہ دیکھ اگرچہ مجھکو
گڑ ھی جاتی ہیں جگر بیچ نگاہیں لیکن

دوستی سخت ہی مشکل ہے جہاں میں پیارے
ہم سے نبھتی ہے کہاں آپ نبا ہیں لیکن
صعب ہے بسکہ مرض ہجر کا تیرے عاشق
نالہ ہر چند کریں ضبط کر ا ہیں لیکن
چال پر اس کی جہاں ملک نہیں چلتی تروار
اڑ ہی جاتی ہیں ہزاروں کی کلا ہیں لیکن
ہم تو چلنے کو ہیں ایمان ابھی پا بہ رکاب
حسن کے شہر کی مسدود ہیں راہیں لیکن

[۳۰]

درد و غم ہجر کا مذکور کروں یا نہ کروں
تجھ سے اخلاص بدستور کروں یا نہ کروں
بے وفائی کا تیری ذکر تو چھوڑا ظالم
بد رگی اپنی بھی مشہور کروں یا نہ کروں
دیکھ بدمست تجھے غیر کے ہمراہ مدام
شیشہ دل کے تئیں چور کروں یا نہ کروں
پاس آنے نہیں دیتا ہے اگر اے مردم
یہ بھی کہہ دے نگہ از دور کروں یا نہ کروں
تجھکو کیا کام ہے اے شیخ میرے مشرب سے
حرمت دختر انگور کروں یا نہ کروں
حشر کے روز بھی کہہ اپنے خدا کے آگے
شکوہ تیرا بت مغرور کروں یا نہ کروں
آج تو آئے ہو تنہا مرے گھر میں پیارے
خاطر غم زدہ مسرور کروں یا نہ کروں
لوٹے سبب ذقن کیونکہ نہ چاہوں تم سے
کچھ علاج دل رنجور کروں یا نہ کروں
شیشہ مئے سے ہے بھرا غیر سے حجرہ خالی
کہو دروازہ کو معمور کروں یا نہ کروں
ہنس کے بولا کہو مطلب جو تمہارا ہووے
پھر ہوں مختار اسے منظور کروں یا نہ کروں
ایسے عیار سے ایمان بتا کیا ہے صلاح
دل میں جو کچھ ہے سو مذکور کروں یا نہ کروں

ہ

[۳۱]

جیب سے ہم ہیں دیدہ گریاں و آستین
آلودہ اشک خون سے ہے داماں و آستین

یارب کبھو تو دامن مژگاں بھی خشک ہو
تو آئے چشم تر سے گریباں و آستین

ازبسکہ لخت دل سے وہ رشک بہار ہے
رکھے نہ فرق کوئی گلستان و آستین

داماں یار جیب سے گیا چھوٹ ہاتھ سے
باہم ہیں تب سے پنجۂ مژگان و آستین

یارو نہیں ہے دامن شب میں یہ کہکشاں
پیر فلک کے خرقہ کی یہ جانو آستین

لے جاو میکدہ میں اسے اب کشاں کشاں
چھوڑو نہ آج شیخ کے دیوان و آستین

کیا پنجۂ جنوں سے گریباں بھی چاک ہے
یکدست چاک چاک ہے داماں و آستین

وہ سرخ گل رکھے ہے یہ رکھے ہے رشک سرخ
ہمرنگ اس روش ہے خیاباں و آستین

ایمان اب تو دیدہ خوں بار کے سبب
باہم ہے ایک شاخ گل افشان و آستین

[۳۲]

ہے بسکہ فصل گل میں سب اسباب جوش خوں
دیوانہ کس طرح نہ ہو بیتاب جوش خوں

جوں گل نہ ہاتھ آوے یہاں ساغر نشاط
پی لی برنگ غنچہ مئے ناب جوش خوں!

شاید قریب پہنچے ہیں اب دن بہار کے
آتے نظر ہیں رات مجھے خواب جوش خوں

دیکھا حقیقتاً تو یقیں یوں ہوا مجھے
ہے اس کے کشتگاں کا یہ اسباب جوش خوں

گل ہے کہیں کہیں ہے شفق اور کہیں حنا
مرجان و لعل ہیں کہیں القاب جوش خوں

دل سوختہ ہیں عشق کے از بس کے اہل ضبط
قلیاں کے دم میں کھینچے ہیں قلاب جوش خوں
رویا ترے بغیر کوئی رات اس قدر
گزرا پنہائے چرخ سے سیلاب جوش خوں
نشتر لگائیو رگ لیلیٰ ہیں سوچ کر
فصّاد یاں ضرور ہے آداب جوش خوں
ایمان طبع کیونکہ نہ ہو مائل جنوں
ہے موسم بہار یہاں باب جوش خوں!!

[۳۴]

بتان شعلہ رو اپنی جھمکڑی جب دکھاتے ہیں
تجلی طور کی موسیٰ کے بھی دل سے بھلاتے ہیں
چمن میں صبحدم گلگشت کو جب آپ آتے ہیں
گلوں کو دیکھ شرم آلودہ غنچے مسکراتے ہیں
بھڑکتا ہے جو مجھکو دیکھتے ہی ان دنوں شاید
رقیب روسیہ کچھ کچھ تو جا کر اب لگاتے ہیں
شتابی سا قیا شیشے لانہ کر دل کو مسیکر میلا
امنڈتے اور گرجتے بے طرح سے بادل آتے ہیں
کہے ہے گوش ساغر میں یہ اکثر قلقل مینا
عبث یاراں سنگیں دل ہمارا منہ کھلاتے ہیں
طلوع مہر کا ناگاہ ہوتا ہے گماں ہم کو
نکل آئینہ خانے سے وہ جب صورت دکھاتے ہیں

عجب ہی اک ادا سے یہ بتان شوخ حسن اپنا
چھپاتے ہیں دکھاتے ہیں دکھاتے ہیں چھپاتے ہیں
صف عشاق ہو جاتے ہیں فرش راہ یہ خوباں
سمند ناز کو جس وقت میدان میں کداتے ہیں
خدا ایمان ان کافر بتوں سے دور ہی رکھے
کہ یہ بیٹھے بٹھائے سینکڑوں فتنے اٹھاتے ہیں

[۳۵]

تجھ سے ظاہر ہم تو اپنا راز کر سکتے نہیں
داستان درد دل آغاز کر سکتے نہیں
کیا مریض دل فقط آواز کر سکتے نہیں
آہ فرط ضعف سے لب باز کر سکتے نہیں
سینکڑوں مردے جلائے ہیں بتاں اک بات میں
کون کہتا ہے کہ یہ اعجاز کر سکتے نہیں
مثل پروانہ تنک عشاق ہیں اے شمع رو
جل کے مر جاتے ہیں پر پرواز کر سکتے نہیں
اس کف پا کی نزاکت دیکھ فرّاشان باغ
چادر مہتاب پا انداز کر سکتے نہیں
یہ سیہ چشم آفت جان ظاہر دل کے لئے
کب مژہ کو چنگل شہباز کر سکتے نہیں

ن۔ ج "آواز"

جب سے دیکھا ہے تجھے اے حیرت افزائے بہار
تب سے مرغان چمن پرواز کر سکتے ہیں
کھینچ نقشہ اس کے چہرہ کا بصورت کچھ ایک
مانی و بہزاد بھی پرواز کر سکتے ہیں
آپ آہنگ عداوت کیجئے بندہ نواز
ہم تو قانون مخالف ساز کر سکتے ہیں
تیرے آگے اے بت مغرور خوباں جہاں
غمزہ و عشوہ کرشمہ ناز کر سکتے نہیں
خوش کلامی ختم ہے آیان اتنی وہاں کہ ہم
کچھ بھی وصف سعدی شیراز کر سکتے نہیں

[۳۶]

ہم تو مقدور خدایا یہ کہاں سے لاویں
دل کو جو اپنے اٹھا کوئے بتاں سے لاویں
باغبانوں کی ہوں گل چیں کے کاتب سے قائل؟
ایک وہ غنچہ اگر اس کے دہاں سے لاویں
اپنے نزدیک وہی صاحب معنی ہیں گے
بات بے ہودہ جو باہر نہ زباں سے لاویں
اس کے زلفوں کی مہک سے نہ لگے اک سر مو
لاکھ خوشبو کو جو گندھے کی دکاں سے لاویں
کہتے ہیں فصل بہار آتی ہے یاران جنوں
پیشوا چل کے اسے شوکت و شان سے لاویں

ہم کو ارشاد اگر ہووے تو شانہ کے لیے
توڑ کر طرّے کا ابھی سرو چماں سے لاویں ۱؎
بسکہ مضمون معانی ہیں نظر میں اپنے
یہ زر نقد ہمیں کنج نہاں سے لاویں!
آپ فرمائیں نہ زنہار کہ ہم تو ہمہ نثار
اپنا مقدور ہو جو کچھ دل و جاں سے لاویں
عکس دانتوں کا پڑے اسکے تو ہم پھر سو بار
در شہوار نکال آب رواں سے لاویں
جیتنا اس سے تو بازی کا نہ ہو سو جگ میں
استخواں سے بھی بنا اپنی جو پانسے لاویں
شاعروں سے کبھو ایماں نہیں دور یہ بات
چاہیں مضمون جہاں سے یہ وہاں سے لاویں

[۴۷]

وہ تیر ہیں گی۲؎ تو دل ہمارا نہ ہوئے کیونکر تلف ہدف میں
کہ بس رہتا ہے یہ بھی پیکان سے ہونے کو منتظر ہدف میں
ہیں اسکا حلقہ بگوش ہونگا کہ چوکتا ہی نہیں وہ ہرگز
بسان مہ تک دکھائی دیوے جہاں کہ ذرہ کلف ہدف میں
وہ ناوک اندازی آہ جس دم کرے ہے ابرو کمان ہمارا
لگائے بیٹھے ہے دل کو اپنے کوئی نہ کوئی سر بکف ہدف میں

۱۔ نسخہ "ج" توڑ سو طرہ ابھی سرو چماں سے لاویں ۲؎ وہ تیری ہیں گی

نہ ہے وہ صاف سرشت ہرگز خطا کرے ہے نہ اک نگہ میں
نشان باریک سے بتادے کوئی لے سے جس طرف ہدف میں
وہ آج بہرام کو بھی یارو اڑائے کیونکر نہ چٹکیوں میں
کہ تا بہ سوفار باندھتا ہو جو اپنے تیروں کی صف ہدف میں
نہ کر نشانہ کمان ابرو سوائے عاشق کے دل کے ہرگز
کہ تیر پاتا ہے مثل خورشید اس سے اکثر شرف ہدف میں
یہ عرض کرتا ہے تم سے ایمان ہو کے قربان بیرلے اب
بٹھا دے تیر مراد میرا شتاب شاہ نجف ہدف میں

[۳۸]

ہووے جسکی سیر بر عرش بریں وآسماں
اس کے تابع کیوں نہ ہوں روح الامین وآسماں
کیوں نہ ہوں آشوب سے پر آب زمیں وآسماں
متفق ہیں ان دنوں وہ مہ جبین وآسماں
مہ وشوں پر مہربان یہ اکثر آیا ہے نظر
لازم و ملزوم ہیں ہر چند کیں وآسماں
ماہ نو سے ہے تمہارا عرصۂ آفاق میں !!
بندہ حلقہ بگوش اے مہ جبیں وآسماں
پھر رہا ہے روز و شب اب چشم کی گردش کیساتھ
ہے تمہارے حکم میں اے نازنیں وآسماں
سینۂ مظلوم سے نکلے ہے آہ سرد جب
کانپ جاتے ہیں وہیں عرش بریں وآسماں

پایہ کرسی نشینی جس کو بخشے لطف ایسے
کیوں نہ پھر اس کے ہوں یہ تابع زمین و آسماں

سب پہ یہ واللہ روشن ہے کہ بے مہری کے بیچ
ایک ہیں باہم وہ چشم سرمگیں و آسماں

تو ہی ہے مختار دوراں اب کرے تیرے حکم پر
پھرتے ہیں ہر دو بسر و چشم زمین و آسماں

کیوں نہ ہر ذرہ کو ہووے مہر کی تجھ سے امید
حسن ہی تیرا ہے خورشید زمین و آسماں

فتنہ انگیزی کے اے ایماں دیکھا عالم میں
ہم سبق ہیں وہ بت سحر آفریں و آسماں

[۲۹]

نہیں ہے میکدہ میں فقط پیمانہ گردش میں
کہ ہے مسجد میں بھی تسبیح کا پروانہ گردش میں

جو دیکھے اس مہ خورشید کو یہ چرخ دولابی
خدا ہی جانے پھر گردش میں آوے یا نہ گردش میں

کہاں کا شعلہ جوالا کس کا ماہ کا ہالہ !!
بوقت رقص جب ہو دامن جانانہ گردش میں

کیا ہے کس پری کی چشم نے آوارہ کیا جانے
بگولے سا جو رہتا ہے سدا دیوانہ گردش میں

مرے آنسو کو پانی میں ملا کے اے فلک حاسد
کہ بس جاتا ہے یہ تو چشم کے ہی دانہ گردش میں

نہ ہو جو مشتری یہاں مہر و کینہ کا ستاروں کے
تو اپنے ہاتھ ہی اپنے تئیں الجھا نہ گردش میں
پھرے ہے کاسہ سر یوں خمار مے سے اے ساقی
کہ ہو جوں کوزہ گر کا چاک بے تابانہ گردش میں
شب تار اور تسپر کوچہ بر پیچ ہیں پیارے
تمہارے زلف کے ہاتھوں پڑا ہے شانہ گردش میں
دل ایمان بزم شمع رویوں میں ہے یوں حیراں
کہ فانوس خیالی میں ہو جوں پروانہ گردش میں

{ ۸۰ }

ترا جب سے میں محو دیدار ہوں — نہ مایل بہ سرو و نہ گلزار ہوں
وہ میں غمزدہ ہوں کہ مانند شمع — طرب کی بھی مجلس میں روتا رہوں
نہ رکھوں میں زنجیر کا سلسلہ — تیری زلف ہی کا گرفتار ہوں
ندیدے ان آنکھوں کو دیدار کا — کہاں تک میں دیتا دلاسا رہوں
سونگھا مجھکو نرگس کے پھول اے طبیب — کسی چشم کا آہ بیمار ہوں !!
کسو زلف و عارض کے سودے میں آہ — کہاں تک شب و روز الجھا رہوں

مجھے کام ایمان حسرت سے ہے
کہ میں بزم میں نقش دیوار ہوں

٭٭٭

ردیفِ و

[۱]

سدا خفگی رہی صنما غرض بخوشی ملا نہ کبھو
کہوں غمِ دِل بتا تو کیسے تجھے جو کہا سنا نہ کبھو

تجھے وہ صنم ملے بخدا یہ خوشخبری کوئی نہ دیا
رہا بتلاش میں تو سدا کہیں سرِ راہ ملا نہ کبھو

ہوا جو صنم عبث وہ خفا کس طرف اب رہا نہ مزہ
کہاں وہ چمن کدھر وہ ہوا کوئی گل خوش کھلا نہ کبھو

تجھے خفگی مجھے سبکی کہ بدمزگی نہیں یہ بھلی
وہ خوش دہنی وہ کم سخنی وہ تبسم فی بتا نہ کبھو

مجھے وہ صنم کرے نہ خفا رہے ہمہ شب گلے سے لگا
تجھے یہ سرا ایمان غرض خیالِ کرم ہوا[۱] نہ کبھو

[۲]

ایک بات ہی کر مجھ سے بھلا اور نہیں تو
اتنا بھی کسی کو نہ کڑھا اور نہیں تو

جب عرض کروں حالِ دل اپنا تو کہے ہے
چل دور مرا سر نہ پھرا اور نہیں تو

کیوں ان کے ناحق ہی ستاتا ہے مری جاں
میں بیٹھا ہوں خفا اور نہیں تو

الطاف کیا پیار کیا صرف کدورت
اتنا بھی نہ ماٹی میں ملا اور نہیں تو

ناحق کہیں غارت ہو شتابی مرے اللہ
یہ آیا ستانے کو جدا اور نہیں تو

۱۔ "رہا نہ کبھو"

میں آپ ہی اسوقت میں ہوں جان سے بیزار — چل شیخ میرے پاس سے جا اور نہیں تو
ایک بوسہ کبھو مانگوں تو کہتا ہے وہ جھنجلا — کیا بیٹھوں گا کچھ منہ سے برا اور نہیں تو
چل دور یہ ہر وقت میرے منہ نہ لگا کر — اخلاص نکالا ہے بڑا اور نہیں تو

ایمان نہ دیدہ تیرے دیدار کا ہے یار
ٹک دور سے صورت ہی دکھا اور نہیں تو

[۳]

ایک دم ہی میں نکل گئی بسمل کی آواز — جوں چاہیئے بر آئے نہ قاتل کی آرزو
راہ دیار یار ہے خوں ریز اس قدر — قاصد کے جی میں رہ گئی منزل کی آرزو
اے شمع رو مجھے بھی تو پروانگی کبھو — رکھتا ہوں باریابی محفل کی آرزو
مجنوں جو دشت ہے سرگرم جستجو — ہے پائے بوس ناقہ محمل کی آرزو
کشتی شکستہ حال ہے اور بحر موج زن — اے شرط آ ہیچ کہ ہے ساحل کی آرزو

ایمان پاس خاطر جاناں سے آج تک
دل ہی میں رہ گئی ہے میرے دل کی آرزو

[۴]

نہ شوق مئے ہے نہ گلزار یہ نہ ہووہ ہو — جو تو نہیں کسے درکار یہ نہ ہووہ ہو
نہ دے وہ بوسہ تو دشنام بھی غنیمت ہے — نہ منہ پہ لائیں زنہار یہ نہ ہووہ ہو
نہ آوے آپ لحد پر تو بھیج دے کچھ پھول — عبث دیت کی ہے تکرار یہ نہ ہووہ ہو
یہ ایک دل ہے اسے چاہیئے زلف یا خط لے — نہ میں کہوں کہ خریدار یہ نہ ہووہ ہو
نہیں ہے چشم پہ موقوف کچھ طپش دل کی — شب فراق میں بیدار یہ نہ ہووہ ہو
کہاں کی وحدت برہمن کدھر کا شیخ پسر — کوئی بھی ہووے طرحدار یہ نہ ہووہ ہو

نہیں پسند اگر دل تو جان حاضر ہے ۔۔۔ یہ کون بات ہے ہر بار یہ نہ ہو وہ ہو
مزا جو شکر میں ہے وہ نہیں شکایت میں ۔۔۔ زبان سے اپنی تو اظہار یہ نہ ہو وہ ہو

بغیر ہجر کے ایمان وصل ہے دشوار
تجھے تو ہے یہی اصرار یہ نہ ہو وہ ہو

[۵]

ہے نہ تیرے قد کے تئیں زنہار سرو
آزاد تجھ پہ وار کے کیجئے ہزار سرو
تجھ پر فقط نہ قمری و بلبل ہے شیفتہ
تو باغ حسن کا ہے عجب گلعذار سرو
ہے تیرے واسطے اے بادشاہ حسن
صف باندھ کر کھڑے ہیں دو رستہ قطار سرو
جوئیں چمن کے بیچ رواں ہر طرف ہیں یار
اتنا تیرے فراق میں ہے اشک بار سرو
سنبل فقط نہیں ہے اسی مار پیچ میں
زلفوں کے ہاتھ سے ہے تیرے تار تار سرو
دیکھے ہے سر نکال کے دیوار باغ سے
آنے کی سن خبر تیرے بے اختیار سرو
آتا ہے آبجو کے تماشے کو خوشخرام !
اب اپنی عظم و شان رکھے درکنار سرو
پیارے تیرے خرام کو دیکھا تھا ایک روز
قمری کی چشم میں ہے ذلیل اور خوار سرو

آزاد ہے بہار و خزاں کے خیال سے
ایمان کچھ رکھے نہ کبھو برگ و بار و سرو

[۶]

جان نثار اپنے کو ہر وقت جو تم ایذا دو
دلبری کے ہیں یہی رسم ستم ایجاد دو
کور سا بھٹکے ہے مجنوں ہو گدائے دیدار
کوئے لیلیٰ کی گلی تک تو اسے پہنچا دو
عہد پیری میں عزیزی نہیں خواب شیریں
صبح ہوئی صبح بس اسباب اپنا لا دو!
میں بھی حقدار ہوں لیلیٰ منش و شیریں کار
خواہ جاگیر میں کہسار دو یا صحرا دو
اشک مجنوں سے میرے اشک کو ہم چشمی ہے
جیسے ملکر کہیں صحرا میں بہیں دریا دو
گرچہ ہوں خاک نشیں لیک ڈروں ہوں ہر روز
آستانہ پر سے مبادا نہ کہیں اٹھوا دو
منبچوں میں بھی مئے ناب کا تشنہ ہوں مدام
خواہ ساغر دو مجھے خواہ مجھے مینا دو
میں بھی حاضر رہوں خدمت میں کبھو یا نہ رہوں
حضرت دل تمہیں منظور جو ہو فرما دو!
گل جو خنداں ہے تو ایماں ہے بلبل نالاں
ہم نے خوش دیکھے نہیں دل تو کبھو یکجا دو!

⁂

[۷]

جان بچے یا ابھی جلے یہ سر ہو سو ہو !
دیکھیے اس کی طرف بھر کے نظر ہو سو ہو

کوچۂ جاناں بیں اب گرچہ ہیں چنگاریاں
دل کی تو اپنے کبھو لیجیے خبر ہو سو ہو

زلف الجھے یہ دل یا کہ رہے رخ پہ محو
شغل ہے مجھکو یہی شام و سحر ہو سو ہو

مہر کرے یا ستم وصل رکھے یا فراق
جا کے دکھاؤں اسے داغ جگر ہو سو ہو

پائیے آرام وہاں یا کہ عذاب گران !!
یہاں سے آخر کو ہاں کیجیے سفر ہو سو ہو

اپنی تیرے کشتی بھی یا کہ جہاں غرق ہو
روئیے ایسا ہی اب دیدہ تر ہو سو ہو

کل تو اے ایمان تھا بند کھلے قتل عام[۱]
نکلا ہے وہ آج پھر باندھ کمر ہو سو ہو

[۸]

دل لگے نہ ملک جب صنم نہ ہو
زندگی غرض ایک دم نہ ہو

عرش کے پرے کی رکھے خبر
دل ہے یہ میاں جام جم نہ ہو

آبرو کہاں اس کو عشق بیں
جسکی رات دن چشم نم نہ ہو

ہم سے تو عمل نیک ہووے کب
جب تلک تیرا کچھ کرم نہ ہو

---

[۱] الف "کل ہی تو ایمان تھا بند کھلے قتل عام"

سر سے ہم گئے پہلے ہی گزر تیغ و ستم اب ظلم نہ ہو
عاشقوں کی ہے مستقل دفا یہ تیری میاں کچھ قسم نہ ہو
شعر اس طرح ایمان کہہ
بحر میں جس طرح پیش و کم نہ ہو

[۹]

محبت بعد مرنے کے بھی یوں لازم ہے افزوں ہو
کہ لیلیٰ کی لحد پر سایہ گستر بید مجنوں ہو!
قیامت آبداری ہی کسو کی تیغ ابرو میں
دہن نام اسکا لینے سے برنگ غنچہ پرخوں ہو
تماشا قابل نظارہ دور عشق کا وہاں ہے
کہ دشمن کو ہشن پر جس جگہ تصویر گلگوں ہو
کبھو اس دیدہ خونبار سے چاوں میں صحرا میں
تو پھر رشک گل و گلزار ہر ایک کوہ و ہامون ہو
صفائے چادر مہتاب کا پھر پوچھنا کیا ہے
سنیں آب ریزد ماہ تاباں قرص صابوں ہو
شب ہجراں میں اشک گرم آنکھوں سے بہے جسدم
ہر اک موئے مژہ روشن برنگ شمع وا شروں ہو
نہ پھر ایک مصرع رنگیں ریاض طبع سے سرزد
تصور میں نہ جب تک کوئی گلرو سرو موزوں ہو
دلا خاموش ہی رہ مت کر تو آہ بے اثر ہر شب
کہ جیسے بیدار ہوں طالع تو افسانہ بھی افسوں ہو

لہ الف "سکل ہی تو ایمان عنایت کیجے قتل عام"

اذیت اور جسطرح کی گذرے ہے ہر صورت
کسی خوش رو پہ لیکن کوئی بیچارہ نہ مفتوں ہو
روا ہے کون سے مشرب میں کہہ رے چرخ نا منصف
دل پرویز خوش ہو خاطر فرہاد محزوں ہو
پسند اپنی وہی ایآن ہوتی ہے غزل جس میں
صفا الفاظ کی ہو یک قلم دلچسپ مضموں ہو

[۱۰]

ترے دیدار کی رہتی ہے ہر شب آرزو مجھ کو
کبھو تو بزم میں پروانگی اے شمع رو مجھ کو
برنگ آئینہ دل کو کیا ہوں صاف ہر صورت
کہ خود بینی کبھو شاید بلاوے روبرو مجھ کو !
گلا کاٹے کے بولوں یا کہ دوڑا تیغ گرونگا
کرے ہے ذبح ہر دم تسبیہ آواز گلو مجھ کو
عجب تیں زہر حسرت سے رقیبوں کا پیالہ ہو
پیالوں سے پلا دیوے اگر ساقی سبو مجھ کو
یہی ہیں گوہر شہوار دریائے الٰہی کے
حیا و عقل سے ایمان بس ہے آبرو مجھ کو

[۱۱]

دل خوش آتا نہیں اے جان پہلو کو !!
چھوڑ جاتا ہے تو جس وقت طلیان پہلو کو

بت اس طرح کا دیوے خدا ہی نصیب سے
ظاہر میں ہو وہ جیبہ سخن آفریں بھی ہو
اب جاکے بیٹھے صحرا میں اس جگہ کہ[1]
جاری ہو جوئے آب جہاں گل زمیں بھی ہو

[۱۶]

پہنچ اے نالہ شتاب اس کو خبر کرنے کو
کہ رہا نم بھی نہ یہاں چشم کے تر کرنے کو
یوں تو کچھ دیر نہیں اور ہنر کرنے کو
شرط قسمت ہے دل دوست میں گھر کرنے کو

جب سے ہم چہرہ ہوا آپ سے یہ ماہ تمام
مستعد سب ہیں اسے شہر بدر کرنے کو
میرے یہاں اب تو رقیبوں کو ہمیشہ صاحب
ساتھ لانے لگے ہیں آپ نذر کرنے کو

گھر سے باہر نہ رکھ اے طفل سرشک آہ قدم
عقل اور ہوش ہے درکار سفر کرنے کو
نالۂ نے سے جرس آہ تجھے کیا نسبت
درد درکار ہے ہر دل میں اثر کرنے کو

تیغ ابر کے مقابل کسی خوں ریز کی آہ
ہے یہی داغ جگر یہاں تو سپر کرنے کو
اک پہر وصل میں یہ اور غضب ہے واللہ
حوصلہ شرط ہے اوقات بسر کرنے کو

۱۔ الف "جاکہ بیٹھے صحرا میں اس جگہ"

میں اس کا تا ابد ہو رہوں گا بندۂ بے زر[۳]
اگر ملا دے کوئی اک روز یار سے مجھ کو
نہ اپنے جامہ میں پھولوں سماسکوں میں تو ہرگز
ملا دے پاس وہ گل رو کبھو جو پیار سے مجھکو
رکھوں ہوں اس گل رشک چمن سے پاک محبت
نہیں غرض کبھو ایمان ہے ہزار سے مجھکو

[۱۳]

غنچہ لب یا کہ گلبدن ہے تو
رشک نسریں ہے یاسمن ہے تو
کیوں نہ طاوس ہو ترے قرباں
سر سے لے پاؤں تک چمن ہے تو
دل عاشق وہاں ہے پروانہ
جس جگہ شمع انجمن ہے تو
جی کسی کا نہ خوش کیا تو نے
درد مندوں کا دل شکن ہے تو
نکتہ چینی میں کچھ خطا نہ کیا
زلف مشکیں بہت ختن ہے تو
کیوں نہ حاسد کا مرتبہ ہو زیادہ[۱]
بسکہ ایمان کم سخن ہے تو

[۱۴]

نہ کیونکہ قابل نظارہ ہو چمن میں سرو
رکھے ہے سبز قبا روز ہی بدن میں سرو
اگرچہ ہے لب جو پر کھڑا چمن میں سرو
جو آئے اب نہ تمری کے ٹک دہن میں سرو[۶]
ترے ہی قامت دلکش کے رشک سے پیارے
رکھے ہے خار ہزار اپنے پیرہن میں سرو

۱۔ چ ''کیوں کہ حاسد کا مرتبہ ہو نہ زیادہ''

جو دیکھے شانہ کشی اسکی زلف شکیں کی
تو دل کو باندھ دے طرہ کی ہر شکن میں سرو
تیرے خرام کو دیکھے تو ہو تحسیں یار
عجب نہیں ہے کہ آوے وہیں سخن میں سرو
شتاب رنگ چمن چل کے تیری دوری سے
رکھے ہے ایک رمق جان اپنے تن میں سرو
نہ ہے وہ قامت نازک کہ سانس لیتے میں
لچک ہی جاوے ہے جس طرح سے پون میں سرو
دکھائیے اسے ایماں قامت جاناں
رہے ہے اپنی ہی مصروف نت پھبن میں سرو

[۱۵]

ظاہر میں ہمکنار اگرچہ نہیں بھی ہو
دل مل رہا ہو جس سے وہ بیٹھا کہیں بھی ہو
معشوق یار باش وہ اپنی پسند ہے
کچھ بے حجاب ہووے تو کچھ شرمگیں بھی ہو
ظالم جفا و جور کو ٹک نہر ہے ضرور
ہو بنیش جب ہزار تو کچھ انگبیں بھی ہو
گریاں ہو جبکہ دیدۂ غمدیدۂ فراق
جیب ادھر لہو سے ادھر آستیں بھی ہو
کیفیت بہار میں دور شراب کا
اے دل تب ہی مزہ ہے کہ وہ نازنیں بھی ہو

بت اس طرح کا دیوے خدا ہی نصیب سے
ظاہریں ہو وجہہ سخن آفریں بھی ہو
اب جاکے بیٹھے صحرا میں اس جگہ ۱؎
جاری ہو جوئے آب جہاں گل زمیں بھی ہو

[۱۶]

پہنچ اے نالۂ شتاب اس کو خبر کرنے کو
کر رہا تم بھی نہ یہاں چشم کے تر کرنے کو
یوں تو کچھ دیر نہیں اور ہنر کرنے کو
شرط قسمت ہے دل دوست میں گھر کرنے کو

جب سے ہم چہرہ ہوا آپ سے یہ ماہ تمام
مستعد سب ہیں اسے شہر بدر کرنے کو
میرے یہاں اب تو رقیبوں کو ہمیشہ صاحب
ساتھ لانے لگے ہیں آپ نذر کرنے کو
گھر سے باہر نہ رکھ اے طفل سرشک آہ قدم
عقل اور ہوش ہے درکار سفر کرنے کو
نالۂ نے سے جرس آہ تجھے کیا نسبت
درد درکار ہے ہر دل میں اثر کرنے کو
تیغ ابر کے مقابل کسی خوں ریز کی آہ
ہے یہی داغ جگر یہاں تو سپر کرنے کو
اک پہر وصل میں یہ اور غضب ہے واللہ
حوصلہ شرط ہے اوقات بسر کرنے کو

۱۔ الف " جاکہ بیٹھے صحرا میں اس جگہ "

اسکی دوری میں تو ایماں آن اگرچہ ہر روز
چاہیئے صبر ہر اک شام وسحر کرنے کو

[۱۷]

کبھو ہو مہرباں مجھ پر، کبھو ناحق غضب کچھ ہو
کہوں کیا خوب ہو، نادر ہو، تحفہ ہو، عجب کچھ ہو

زیادہ اب نہیں ملتا ہوں میں نازک مزاجوں سے
مبادا روز کے ملنے سے پھر ترک ادب کچھ ہو

سراہیں آپ کی اب ہم تو کس کس چیز کو پیارے
کج ابرو مو کمر خوش چشم گل اندام سب کچھ ہو

عبث بیزار ہوتا آپ کو لازم نہیں مجھ سے
مجھے ارشاد تو ہووے اگر اسکا سبب کچھ ہو

بتوں کی بزم میں رہتی ہے نت مجھکو یہی حسرت
کبھو مطلب کسو کے لب سے اپنا بے طلب کچھ ہو[۱]

مئے گل رنگ پیتے ہی، ہوی کچھ اور کیفیت
ذرا آیئنہ لے دیکھو کہ تب کچھ تھے اور اب کچھ ہو

ہمیں تو عشق ہے واللہ ذات حسن سے ناصح
نہیں پرواہ گر اس کا حسب کچھ ہو نسب کچھ ہو

عبث امید ہے امید میں یہ لوگ مرتے ہیں
حصول مدعا صاحب کسو کا تم سے کب کچھ ہو

۱۔ الف "کبھو مطلب کسو کے لب سے اپنا مطلب کچھ"

جگر سوراخ ہووے مثل نئے جس دم کہ داغوں سے
اثر نالہ کا شاید دل میں اس کافر کے تب کچھ ہو
تم اپنی زلف و عارض کی بناوٹ پر ہی عاشق ہو
بلا سے آپ کے ہم غمزدوں پر روز و شب کچھ ہو
چھپاتے ہو عبث ایمان اپنا دردِ دل ہم سے
کسو کے ہاتھ سے تم ان دنوں جاں بلب کچھ ہو

ردیف "ہ"

[۱]

نہ تنگ دل ہے عبث صحن باغ میں غنچہ
کہ ہے کسی کے دہن کے سراغ میں غنچہ
یہ حسن و لطف ہے وابستہ دل کے واشد سے
کہ رنگ و بو کو نکالے فراغ میں غنچہ
پیئے ہے خونِ جگر رشک سے جو دیکھے ہے
شراب رنگ کو گل کے ایاغ میں غنچہ
وہ جعد بستہ کے موباف سرخ کو دیکھے
نہ دیکھا ہووے جو منقار زاغ میں غنچہ
بہے ہے بزم میں یہاں تک نسیم دل گیری
کہ گل کی جائے ہو پیدا چراغ میں غنچہ
نسیم صبح کو کب ہے خبر کہ لا لے سکا!
چھپا ہے آ کے مرے دل کے داغ میں غنچہ
دہن جو سونگھے ٹک ایمان میرے گلرخ کا
رکھے نہ عیب کی بو پھر دماغ میں غنچہ

[۲]

میں غنچہ لب سے نہ لوں کیوں کہ باغ میں بوسہ
کہ بو گلاب کی دیوے دماغ میں بوسہ

نہ ہو وہ چشمۂ حیواں کا تشنہ لب ہرگز !
ملا ہے جس کو دہن کے سراغ میں بوسہ

وہ نہ ملاوے کہاں منہ سے روزِ روشن میں
نہ دے جو شب کو فروغِ چراغ میں بوسہ[1]

زہے نصیب کہ ساقی کے لعلِ میگوں سے
لیا ہوں گردشِ ہر اک ایاغ میں بوسہ

زبسکہ تنگ ہے وہ ہاتھ سے رقیبوں کے
دیا کبھو نہ مکانِ فراغ میں بوسہ !!

خدا ہی خیر کرے اب کے شرطیوں ٹھہری
ادھر سے جان ادھر سے جناغ میں بوسہ

طلب کے ساتھ تو ایمان وہ نہ دے ہرگز !
مگر ملے تو ملے لہو و لاغ میں بوسہ !

[۳]

گر تو ظاہر میں بہت دور ہے اللہ اللہ / پر مرے دل میں تو معمور ہے اللہ اللہ

اے مسیحا کی بھی جاں بخش خبر لے جلدی / کیا ہی بندہ ترا رنجور ہے اللہ اللہ

اپنے جلوہ سے مری چشم بھی روشن کر دے / دونوں عالم کا تو ہی نور ہے اللہ اللہ

جسکو دیکھا میں جہاں میں اسے عاجز پایا / تو ہی اک صاحب مقدور ہے اللہ اللہ

ہم سے عصیاں و خطا ہوتے ہیں صادر لیکن / تیرا احسان بدستور ہے اللہ اللہ

جان دے مال بھی دے عزت و ایمان بھی دے / یہ کرم تیرا ہی مشہور ہے اللہ اللہ

۱۔ ب "جو دی نہ شب کو فروغِ چراغ میں بوسہ"

زندگانی سے تو ایمان کی سوگند مجھے
بندگی تیری ہی منظور ہے اللہ اللہ

[۴]

تھی رسن آہ زلیخا کی مگر دلو کے ساتھ
چاہ سے کھینچا جو یوسف سا بشر دلو کے ساتھ

دور ہر جام دوراں سراب ہے تجھ بن
چرخ گردش میں رہے جیسے کہ ہر دلو کے ساتھ

چشم پرنم سے نم آلودہ ہوا تار نگاہ !!
ریسماں جیسے کہ ہو جاے ہے تر دلو کے ساتھ؟

مشتری کیوں نہ پنگھٹ کا ہو سوچا ہے اب؟
ربط رکھتا ہے مرا رشک قمر دلو کے ساتھ

دل بلا ق اسکے ہے اسطرح ذقن میں پہنچا
جیسے کوئی چاہ میں جاتا ہے اتر دلو کے ساتھ

مثل قندیل حرم ہووے وہ روشن اے شمع
عکس نکلے مرا چشمے سے اگر دلو کے ساتھ

خندہ زن ہوے لب چاہ پر گروہ یکبار
نکلیں ابخان سے لعل و گہر دلو کے ساتھ

[۵]

چار آنکھیں مجھ سے کچھ ہوتے ہی شرماتا ہے وہ
ہاتھ ٹک لگتے ہی میرا پاوں پھیلاتا ہے وہ

چاک چاک اپنا گریباں کیوں نہ میں کرتا رہوں
گھر اگر لاتا ہوں تو دامن جھٹک جاتا ہے وہ

ہاتھ میں چوٹی کا آنا تو بڑا ہے جنجال!
نام اگر زلفوں کا لیتا ہوں تو بل کھاتا ہے وہ

چشم بد دور آج اسکی شان کچھ شایان ہے
اسقدر حسن و جوانی پر جو اتراتا ہے وہ

تھوکتی ہے منہ پہ شبنم غنچۂ لالہ کے بھر
صبحدم مسی لگا کر پان جب کھاتا ہے وہ

جان آجاتی ہے گویا قالب بے جان میں!
پیار سے جس دم مری آغوش میں آتا ہے وہ

کس طرح ایمان ہووے کہہ تو اب صحبت برار
جبکہ میں مجلس میں جا بیٹھوں تو اٹھ جاتا ہے وہ

[۶]

نہیں جز خاکساری آب و تاب چشم آئینہ
برنگ سرمہ خاکستر ہے باب چشم آئینہ

ہے ازبس حسن تیرا انتخاب چشم آئینہ
نہ ہو کیوں صاحب جوہر خطاب چشم آئینہ

ہمیں دھوکہ نہ دے ہرگز سراب چشم آئینہ
کہ ہے اپنی نظر میں صاف آب چشم آئینہ

نہیں اک عکس ابرو معتقد ہے زنگ خاطر کا
صفائے سینہ بھی ہے ماہتاب چشم آئینہ

تیرے ہی حسن کے دریائے طوفاں خیز سے پیارے
پیے ہے روز و شب پانی سماب چشم آئینہ
نظر پڑتے ہی اے آشوب عالم تیری صورت پر
اڑے سیماب کے مانند خواب چشم آئینہ
شرف برج حمل پر کیوں نہ ہو کرسی نشیں اسکا
کہ ہے عکس پریرو آفتاب چشم آئینہ
مدام اس سنگ دل کو اور دم دیتا ہے یہ ظالم
الٰہی پھوٹ جاوے اب حیات چشم آئینہ

جمال پاک تیرا جب نظر کب اس نے دیکھا ہے[۱]
کہ ہو جاتی ہے حیرت ہی نقاب چشم آئینہ
ترے دیدار کی حسرت سے ہر شب صبح تک پیارے
نہیں سیماب سے کم اضطراب چشم آئینہ
ہمیشہ ٹکٹکی باندھے رہے ہے سادہ رویوں سے
کدھر جاتا رہا یارب حجاب چشم آئینہ
ہنر پر عکس دیتا ہے نتیجہ صاف[۲] طبعوں کا !
کہ ہے جوہر ہی یہاں خانہ خراب چشم آئینہ
نہ ہوں کس وجہ حیراں دیکھ کر شیریں ادائی بھی
کہ ہے خود بیں ہمارا انتخاب چشم آئینہ

۱۔ ج "جمال پاک تیرا کب نظر سے اس نے دیکھا ہے" ۲۔ الف "صاحب"

عجب صورت سے اب پتھر اچھلے ہے سخت حیرت ہے
ذرا دیدار دکھلا دے تو اب چشم آئینہ!!

اُبل جاتا ہے تیرا عکس رخ پڑتے ہی اے خود بیں
برنگ چشمۂ سیماب آب چشم آئینہ!!

اگر ہے دیدہ بینا تمھیں اے مرد مان دہر
نہ سمجھو چشم عاشق کو جواب چشم آئینہ

بصورت ایک ہیں گر چہ ولے ہے فرق معنی کا
میان چشمہ جاری ہے آب چشم آئینہ

خموشی ہی مری ایمان سو گفتار رکھتی ہے
کہ اک مدت سے ہوں[۳] میں بہرہ یاب چشم آئینہ

[۷]

کھلے جب تک نہ نفس خون جگر میں غوطہ
مارے غواص نہ تفتیش گہر میں غوطہ

کیوں نہ اک دم ہی میں ہم گوہر معنی لاویں
بحر اشعار کا ہے اپنی نظر میں غوطہ

موج دریا کو جو آرام نہیں ہے شاید
کسی بیتاب نے کھایا ہے بھنور میں غوطہ

پہنچ کر تا سر مژگاں دہیں پھر مارے ہے
طفل اشک آپ ہی یہاں دیدۂ تر میں غوطہ

کیا عجب فتنہ اگر ہووے جہاں میں پیدا
اس نے چولی کو دیا عطر اگر میں غوطہ

حسن دلدار کا دریا ہے عجب طوفاں خیز
عقل وہاں کھائے ہے ہر ایک لہر میں غوطہ

وہ محبت کی مگر چاہ کی تہہ کو پہنچے!
جس کا تمام نہ ہو آٹھ پہر میں غوطہ

۳؎ الف "ہے"

مو شگافی کروں ایماںؔ میں جتنی لیکن
فکر کھا جاتی ہے تفتیش کمر میں غوطہ

[۸]

نہیں درکار مجھکو چتر زریں کار کا سایہ
رہے سر پر سلامت قامت دلدار کا سایہ
اگیں گی[1] پھر تاک ہے وہاں اینڈ کر اکثر قیامت تک
پڑے گا تک جس زمیں پر اس بت میخوار کا سایہ
سپہر حسن کا ازبسکہ وہ خورشید تاباں ہے
نہیں دیکھا کسی نے اس پری رخسار کا سایہ
تصور بسکہ اب صحرا میں اس رشک چمن کا ہے
دکھاتا ہے بہار گل مجھے ہر خار کا سایہ
جو دیکھے ہے تنکر عاشق کی حالت سو یہ کہتا ہے
کسی پر بھی نہ پڑیو یارب اس بیمار کا سایہ
بگولا بھی تو ہرگز اٹھ نہیں سکتا ہے وہاں سے پھر
پڑے[2] ہے جس زمیں پر اس کی چشم زار کا سایہ
پری مجبور ہے پرتو میں آبے پردہ ہوتے سے
یہ نور افروز ہے ایماںؔ اپنے یار کا سایہ

⁂

---

۱ ا: اُگیں
۲ الف "پڑا ہے"

[۹]

کرے ہے ریشم سنبل کے تئیں نہال گرہ
چمن میں غنچہ کی ہوتی ہے آج سالگرہ

دل اس کے جعد مسلسل سے چھوٹنا ہے محال
کہ سر سے پاؤں تلک ہے مثال جال گرہ

فلک کے پیچ ستاروں کی آج تک تجھ سے
کھلے نہ ایک بھی اے ناخن ہلال گرہ

تو کھول نام خدا بس کہ اے مراد طلب
ہر ایک دانۂ تسبیح میں ہے ذال گرہ !

نہ پوچھ شمع سے سوز پتنگ کا احوال !
کہیں بھی کھولی ہے اپنی زباں لال گرہ

جہاں میں راست روی نہیں ہے سرکشوں کو نصیب[1]
کہ گردباد کی ہر دست میں ہے جال گرہ

صدف میں قطرہ تراوش سے کیوں نہ ہو محروم
دل بخیل میں باندھے ہے جا کے مال گرہ

نہ ہووے خون کئے بن شگفتہ پیشانی
تری بھووں کی ہے ظالم بہت محال گرہ

غزل کہا تو ہے ایماں نے مگر صاحب
شگفتہ ہو کے بندھے ہیں خیال خال گرہ

[۱۰]

پشت لب کا نہ خط عیاں ہے یہ
آتش لعل کا دھواں ہے یہ

برگ گل ہے کہ ہے لب رنگیں
غنچۂ گل ہے یا دہاں ہے یہ

قد قامت ہے یا قیامت ہے
ذکر پیارے جہاں تہاں ہے یہ

میں کہاں اور خواب گاہ کہاں
تہمت تازہ میری جاں ہے یہ

میں کسی اور سے لگاؤں دل
صرف تیرا میاں گمان ہے یہ

دیکھ دامن میں میرے طفل سرشک
ایک دو دم کا مہماں ہے یہ

داغ کیوں کر لگائے پروانہ
شمع رویوں کا دودماں ہے یہ

ع۱۔ الف "سرکشتوں کو"

سر پہ تلوار کھینچ کر آیا [۱] یہ آفت تازہ ناگہان ہے یہ
اشک کے ساتھ تو بھی جھیل ایماں
سر کا دیکھو کارواں ہے یہ

[۱۱]

اپنے سے کبھی کسی کا وفا کیا مضائقہ
وہ بے وفا ہوا تو ہوا کیا مضائقہ

حاضر ہوں دل و جان سے تیری جفاؤں کا
ظاہر میں گر رہا نہ رہا کیا مضائقہ

دل لے کے اب جو آنکھ ملاتا نہیں ہے یار
کی مجھ سے تو نے خوب دغا کیا مضائقہ

غیروں سے گرم جوشی و ہر دم ملاپ ہے
اور ہم سے یہ سلوک بھلا کیا مضائقہ

اپنے کرم پہ رہتی ہے اللہ کی نظر
بندہ سے گر ہوئی بھی خطا کیا مضائقہ

ہم تو تحفانہ ہوں کوئی سفلہ مزاج ہے
منہ سے برا کہا تو کہا کیا مضائقہ

عشاق جھیل لیتے ہیں فرہاد کی طرح [۲]
آئے بھی گرچہ سر پہ بلا کیا مضائقہ

خط میں اگر کسو کے نہ آیا تجھے سلام
اپنی طرف سے بھیج دعا کیا مضائقہ

ایماں نامہ بر پہ نہیں جائے حرف ہے
مکتوب اس نے سب کو لکھا کیا مضائقہ

[۱۲]

مجھ سے برعکس ہو گر آئینہ
پارہ پارہ کروں ہر آئینہ

دفع عین الکمال کو اوسکے
جوہر اسپند و مجمر آئینہ

تیرے دیدار کی تمنا میں
مثل سیماب مضطر آئینہ

ہوئے محسود مشرق خورشید
جبکہ دیکھے ہے دلبر آئینہ

۱۔ ج "سر پہ تلوار کھینچ کر آیا" ۲۔ ج "عشاق جھیل لیتے ہیں فرہاد ہر طرح"

تیرے دیدار کی ملے دولت	کیوں نہ ہو روشن اختر آئینہ
شعلہ حسن بسکہ ہے جاں سوز	دیکھئے یا دیدہ تر آئینہ

نہ لکھو ایمان صفحہ سادہ
نوخطوں کا ہے دفتر آئینہ

ردیف "ی"

[۱]

بال اس زلف کے توڑے ہے کبھو شانے سے
ہاتھ مشاطہ کا یارب ہو جدا شانے سے

بوسہ وہ دیوے کہاں بزم میں جسکے اب تک
آہ سیر نہ ملے لب لب پیمانے سے

بسکہ غلطاں ہے ٹھہرتا ہی نہیں آنکھوں میں
اشک عشاق کو نسبت نہیں دردانے سے

سانس ٹھنڈی سی کوئی لے کے کہے تہارا دوست
ایک دن قیس کے گزرا میں جو ویرانے سے

چشم انجم سے ہزاروں ہے فلک نے کھولے
نصف شب کے تیئں نکلا جو وہ کاشانے سے

ایک میں ہی نہیں پیری مدد تیرا !
اب تو سب یار بھی کچھ ہو گئے دیوانے سے

ایک سے ایک سر میں حسن نظر آتا ہے
خانہ چشم نہیں کم پری خانے سے

خواب شیریں کو نہ کر تلخ تو اسکے اے دل
رام افسوں سے وہ ہوتا ہے نہ افسانے سے
آشنا ہی نے جب ایمان نہ کی ہم سے وفا
پھر توقع تو رکھے کیا کوئی بیگانے سے

[۲]

پایا ہے ازبسکہ لطف غنچہ دہن سے
میں تو نہیں شاد کام سیر چمن سے
زلف کو تو زینہار کر کے عطا اب
دیجے نہ تشبیہہ یار مشک ختن سے
دل کو نہیں ہے قرار اس کے بغیر آہ
کچھ نہیں چلتا ہے زور عہد شکن سے
خواب میں تھا بسکہ مست بوسہ لیا اس
زر گری کی میں نے رات سیم تن سے
تجھکو جو لے نوبہار مجھ سے ملادے
یہ تو نہیں ہے امید چرخ کہن سے
باغ میں گل کر کے یاد رشک چمن کو
رو بالپیٹ کریں خوب سر و سمن سے
گرچہ ہے ایمان صرف گوشہ نشیں یار
دلی میں پہنچا ہے نام ملک دکن سے

[۳]

زبس دیوانہ ہے تجھ عشق کی تاثیر سے پانی
بندھا پھرتا ہے اب تک موج کی زنجیر سے پانی
برنگ شمع آتش چشم تر سے اور بھڑکے ہے
میں سوز دل پہ چھڑکوں آہ کس تدبیر سے پانی
بسان خضر دنیا میں حیات جاوداں پائے
پیا ہے جس نے اسکے چشمہ شمشیر سے پانی

مری روح رواں اس سیم تن کو کس طرح چھوڑے
جدا ہوتے نہیں دیکھا کسی نے شیر سے پانی
گداز دل کا اپنے ذکر جب کرتا ہوں محفل میں
بہ رنگ شمع ٹپکے ہے لب تقریر سے پانی
گلوئے خشک کو تر آب خنجر نے کیا آخر
دریغ اب گرچہ قاتل نے رکھا نخچیر سے پانی
نہ رکھ ایمان تو چشم طمع زہاد سفلہ سے
کسی نے بھی پیا ہے چشمۂ تصویر سے پانی

[۴]

برباد آہ جاوئے تاثیر ہے تو یہ ہے !!
ترکش کا اپنے یارو اک تیر ہے تو یہ ہے
خمدار اس کی ابرو شمشیر ہے تو یہ ہے
ہر اک پلک نکیلی پھر تیر ہے تو یہ ہے
دل کیوں دیا ستمگر میں تجھ سے بے وفا کو
اب جرم ہے تو یہ ہے تقصیر ہے تو یہ ہے
زلف مسلسل اس کی دیکھا نہ اے دوانے
گر دام ہے تو یہ ہے زنجیر ہے تو یہ ہے
گل رو کا ہے تصور جیسے میری نظر میں
فردوس ہے تو یہ ہے کشمیر ہے تو یہ ہے
سنگ آستاں کا تیرے اور خاک تجھ گلی کی
پارس جو ہے تو یہ ہے اکسیر ہے تو یہ ہے

اس بے قرار دل کی ٹک دیکھ خوں فشانی ع۱
بسمل جو ہے تو یہ ہے نخچیر ہے تو یہ ہے

بہزاد نے جو دیکھا خلقت کا سب مرقع
صورت کو تیری بولا تصویر ہے تو یہ ہے

کس طرح وصل سے ہو ایمان کامیابی
نت فکر ہے تو یہ ہے تدبیر ہے تو یہ ہے

[۵]

کس کے ہاتھوں ہو نشہ میں بہکے
اب جو آتی ہے تیغ کہہ کہہ کے

غنچہ لب کا ہمیں تبسم بھی !!
نہیں مشتاق گل کے قہقہہ کے

کچھ ہمیں سوجھتا ہے اے آنکھو
طفل اشک اب چلے کدھر بہہ کے

عطر سا ہے جو زلف کی ہر پیچ ؟
بلکہ یوں مشک بھی کہاں مہکے

جاں بلب ہوں خبر نہ آنے کی
بولیو ہم نشین ٹک رہ کے

پاؤں رکھ کر ہمارے سر پر چل
نقش پا بن گئے تیری رہ کے

زلف میں دل نے دیکھ شانہ کو
رکھ دیا سر کو نیچے اڑہ کے

تشنہ آب حیات کے وہ نہیں
مست ہیں جو کہ دردی تہہ کے

مت جھٹک دل جلوں پہ دامن کو
آگ دامن سے مت کہیں دہکے

ہاتھ پہنچا نہ اس کے دامن تک
یہی حسرت ہے مجھکو رہ رہ کے

قصہ ایمان کیا کہوں شب کا
اٹھ چلا جب وہ دو بیت کہہ کے

ع۱ - الف "جانفشانی"

[۶]

کافر بتوں کا دل نہیں پیر سنگ ہے — کیا چل سکے ہے آہ کی تدبیر سنگ ہے

تکمہ جو لعل کا ہے گریبان شاہ میں — دوربیں کی نظر میں گلوگیر سنگ ہے

شیشہ دلوں کی بزم میں کیا شیخ کی ہے قدر — کرتا ہے کون ایسی توقیر سنگ ہے

عاشق ہزار کام کرے سر سے گزر !! — یہاں کوہکن کے واسطے جاگیر سنگ ہے

شمشیر سے نہیں ہے سروکار اے صنم — دیوانے کی جہاں میں تعذیر سنگ ہے

اک تیرے دل میں رحم و کرم کا نہیں نشاں — پارس ہی جس کا نام ہو تقصیر سنگ ہے

اے برہمن تو دیر میں پٹکے ہے سر عبث — دیکھی جو تیرے بت میں تصویر سنگ ہے

ہووے زمین شعر کی کیسی ہی سخت تر ق — اور اس کے آب و گل میں بھی تخمیر سنگ ہے

ایمان اپنے خامۂ قدرت کے روبرو
الماس کا بھی قابل تحریر سنگ ہے

[۷]

دل ہمارا حنائے دلبر بنے اور ٹوٹ جائے ع۱
جس طرح گل باغ میں ساغر بنے اور ٹوٹ جائے

کیا کہوں طالع کی گردش جو صدف میں چشم کے
قطرہ اشک آن کر گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

دولت دنیائے دوں ہے سر بسر ناپائیدار
جیوں ہوا پر دود کا افسر بنے اور ٹوٹ جائے

ع۱ - بؔ " دل ہمارا منزل دلبر بنے اور لٹ جائے "

کیجیے عہد وفا ان دلبروں کا کیا بیاں
روز مثل سد سکندر بنے اور ٹوٹ جائے[1]

ہے ہوائے عرصۂ ہستی عجب خانہ خراب
جیوں حباب بحر دم میں گھر بنے اور ٹوٹ جائے

واہ رے زور جنوں جو قیس کی زنجیر پا
موج دریا کی طرح اکثر بنے اور ٹوٹ جائے

ماہ رو کے رو برو قطرہ مرے اشک کا
جوں شہاب ایمان شب اختر بنے اور ٹوٹ جائے

[۸]

چمن میں گلبدن بند قبا یکدم اگر کھولے
گرہ غنچہ کی خجلت سے نہ پھر باد سحر کھولے

ہجوم ناتوانی باغ تک بھی کیا پہنچنے دے
اگر صیاد میرے فصل گل میں بال و پر کھولے

گریباں سحر کو شام کے دامن سے وہاں باندھے
جہاں زلف معنبر کو مرا وہ سیم بر کھولے

برنگ طوطیٔ تصویر ہووے یوسف مصری
تو اے شیریں زباں جس جائے دوکان شکر کھولے

ترا دیوانہ ہے کاہیدہ اتنا ناتوانی سے
کہ رگ فصاد بھی جس کی بصد خون جگر کھولے

۱ا۔ "نہیں کھلا"

شب وصل اس قدر خوگر ہوے ہے بدمزاجی سے
کہ سو منت سے وہ گل پیرہن بند کمر کھولے
بجز رنگ فنا ایماں اس گلشن میں کیا دیکھے
حباب جو کے مانند ایک دم جو چشم تر کھولے

[۹]

ہر اک شے کو جہاں میں نہ سرسری جانے
کہ شیشہ سنگ میں اور شیشہ میں پری جانے

وہ بادشاہی کے لایق جہاں میں ہے جو کوئی
خدا پرستی و ہم بندہ پروری جانے

منجم اب ترے ماتھے پہ دیکھکر ٹیکا
عجب نہیں ہے اگر ماہ و مشتری جانے

ہزار زہد و عبادت کیا کرے بے علم
نہیں خر کو وہ کوس پیمبری جانے؟

تو اس زمانے میں ممتاز ہے گا میری جان
ہر ایک شوخ جہاں طرز دلبری جانے

جو کوئی صبح کو دیکھے تجھے جھروکے میں
عجب نہیں ہے کہ خورشید خاوری جانے

جو تیرے وصل سے ہو کامیاب اے بے مہر
وہ صرف اپنے نصیبوں کی یاوری جانے

شعور چاہیے شاعر کو اس قدر تو ضرور
کہ اپنے شعر کی عالم میں برتری جانے

زبان اردو کی پہلی سند کرے بہتر
عروض و وزن کی اس پر برابری جانے

پہ یہ معنی و مضموں کی لاوے گوہر تر
ہر ایک بحر میں ایسی شناوری جانے

رکھے نظر میں جہاں تک کہ صنعت گوئی ہے
پھر اس کے ساتھ جگت کی بھی ماہری جانے

غزل قصیدہ رباعی مخمس و واسوخت
ہر ایک طرز میں انداز پروری جانے

ردیف و قافیہ پیمائی پر خفیف العقل
نہ یہ کہ درد سے سودا سے ہمسری جانے

یہ کجروی ہے فقط اسکی جسطرح سے کلاغ
چمن میں آپ کو باب سخنوری جانے

عہ الف "پھر اسکے ساتھ جگت کی بھی کہتری جانے"

عزیز رکھتا ہے ایمان شعر رنگیں کو
کہ جیسے قدر جواہر کی، جوہری جانے

[۱۰]

نظر کر ماہرو کے چہرہ گلنار کی ڈوری
ہوئی ہیں خاک جلکر شمع آتشبار کی ڈوری

تیری زلف پریشاں مشکبو دیکھے اگر کافر
برہمن تار تار اپنی کرے زنار کی ڈوری

خیال دست اندازی نہ کر اے شوخ کہتا ہوں
رگ جاں سے ہے وابستہ میرے اس یار کی ڈوری

دلا ٹک دیکھ کیفیت شراب ارغوانی کی
کہ دام مرغ جاں ہیں دیدۂ میخوار کی ڈوری

نہ دیکھا تونے اے قاتل کہ اپنی سخت جانی نے
کیے ضائع ہزاروں ہی تری تلوار کی ڈوری

نہ چھیڑ اتنا ہر اک دم اے تمنائے ہم آغوشی
مبادا ٹوٹ جادے[۱] اس دل افگار کی ڈوری

کسے ہے تاب جو دیکھے نظر بھر بلکہ جل جاوے
شعاع مہر سے ہمسر ہے اس دستار کی ڈوری

کمند انداز ہیں گردن کشوں پر وقت اخلاص !!
تری گردن کی اے شیریں ادا ہر بار کی ڈوری

۱؎ "جاویں"

نہ ہوں ایماں ممنون غیر کے عالم ہجم ہرگز
رگ سنگ آپ پاٹی دامن کہسار کی ڈوری

[۱۱]

مہ رخ کے ہم ہی نہیں آب و رنگ میں ڈوبے — شناور ان کے گرداب تنگ میں ڈوبے
تیری مژہ کے سوا یہ نہ ہو کبھو صیاد — کہ پنجہ باز کا خوں کلنگ میں ڈوبے
جو وہ زہرہ تو اثر زبان تو نم ہو ؟!! — معنی شرم سے پھر جلترنگ میں ڈوبے
وہیں ہو دم میں فنا جو اب ابھر چلے کم ظرف — حباب جیسے کہ اپنی امنگ میں ڈوبے
فداجنہوں نے کیا[۱] جان آبرو پر سے — تمام یار وہ دریائے ننگ میں ڈوبے
سفینہ بحر میں ڈالا ہوں لیک ڈرتا ہوں — مبادا جا کہیں کام نہنگ میں ڈوبے
نشان قیامت ہے اب خدا نہ کرے؟ — کہ فوج روم کی جا کر فرنگ میں ڈوبے
گر آزمائے وہ شمشیر تو ہر ایک کہسار — برنگ لعل وہیں خون سنگ میں ڈوبے

وہی ہے سرخ رو ایماں بزم مرداں میں
لہو کے بیچ جو کوئی کہ جنگ میں ڈوبے

[۱۲]

مسند زریں نہ قصر لاجوردی چاہیے — خاکساروں کو طریق کوچہ گردی چاہیے
عاشق سر باز کو ہر بزم میں مانند شمع — آہ گرم و چشم تر چہرہ پہ زردی چاہیے
مثل گل چاک گریباں کی ہمیشہ ہے بہار — عاشقوں کو کب ہوائے فصل اردی چاہیے
سیر گلشن کی نہ دو تکلیف مجھکو دوستو — گردباد آسا مجھے صحرا نوردی چاہیے

---

۱ - الف "فداجنوں نے کیا"

ہے گزرنا سر سے ہی ایمان کو تیرے یار میں
یہاں قدم دھرنے کو پہلے پائے مردی چاہیئے

[۱۳]

پریشاں رخ پہ جب وہ زلف عنبر فام ہو جائے
سحر آفاق کے پل مارتے میں شام ہو جاوے
کرے دعوائے ہم چشمی گر اس ظالم کی آنکھوں سے
مشبک سوزن مژگاں سے ہر بادام ہو جاوے
عجب ہی حسن کے جلوہ میں دیکھا جذبہ کامل
رگ گل بلبل شیدا کے حق میں دام ہو جاوے
نہ پاوے انقلاب دہر رہ مشرب میں عاشق کے
اگر اسلام کفر اور کفر کا اسلام ہو جاوے
لگا ہے ان دنوں میں اس بت نوخط سے دل میرا
مرے آغاز کا یارب بخیر انجام ہو جاوے
نمک زیر تبسم ہو ٹک اک زخم شہیداں پر
کہ تیرے ہنستے ہنستے ہی ہمارا کام ہو جاوے
مجھے کچھ اور خواہش اب نہیں ایمان کی سوگند
دل بیتاب کو میرے کہیں آرام ہو جاوے

[۱۴]

کہاں تک میاں جفا دیکھئے | اذیت ستم بلا دیکھئے
نہ دل میں اگر حجاب آج ہے | نظر سے نظر ملا دیکھئے
نہ بلئے کبھو قسم ہے نہیں | اگر مجھ سے اب خطا دیکھئے

وہ ملتا نہیں ہے صنم بے وفا محبت سے دل اٹھا دیکھئے
چمن میں سحر گل و غنچہ کو نہ ہو دلربا وہ تو کیا دیکھئے
نہیں شیخ جی تمہیں گر یقیں دل اپنا کہیں لگا دیکھئے
سفر کو گیا وہ ایمان اب
ملاتا ہے کب خدا دیکھئے

[۱۵]

سخی جب بہ نجۂ بذل و عطا کو باندھ کر کھولے
برنگ غنچہ اک گنج طلا کو باندھ کر کھولے
کبھو وہ دلبر با جعد رسا کو باندھ کر کھولے
تو گو یا طبلۂ مشک خطا کو باندھ کر کھولے
سخن بعد از خموشی کے ترا یوں جان بخشتے ہے
کوئی جیسے در دار الشفا کو باندھ کر کھولے
برنگ غنچہ عشاق کے ہوں عقدۂ مشکل وا
اگر وہ گلبدن بند قبا کو باندھ کر کھولے
زمانے کا ہے قبض و بسط اسکی چشم جادو میں
حباب بحر سا یکدم ہوا کو باندھ کر کھولے
نہ دے ایمان کو برباد اپنے ہات سے کافر
نہ ہرگز کوئی پر و بال ہما کو باندھ کر کھولے

[۱۶]

وہ توڑے سر و گلرخ گر پر بلبل دل قمری تو ہوں جوں برگ خشک ابتر پر بلبل دل قمری
چمن کی سمت میں ہیں پر بلبل دل قمری قفس سے اڑ چلے مل کر پر بلبل دل قمری

پھنسے دام محبت میں گل و شمشاد کے ناحق — یہی کہتے ہیں ہم دیگر بپر بلبل دل قمری
ملے ہیں خاک میں کیا کیا سہی بالا گل رعنا — نہ ہوں کیوں غم سے خاکستر بپر بلبل دل قمری
بغیر از سرو گل اب کون ہے روشن سواد انکا — کہ ہیں یہاں عشق کے دفتر بپر بلبل دل قمری
کمال عشق بہ کچھ ہے کہ سرو و گل تفاخر سے — رکھیں ہیں سر بہ جیوں افسر بپر بلبل دل قمری
گل و شمشاد پر اب کے چمن میں کیا ہی عالم ہے — مجھے یارب عنایت کو بپر بلبل دل قمری
جہاں وہ سرو قد گلرو قدم کو ناز سے رکھے — تو ہوویں فرش وہاں اکثر بپر بلبل دل قمری
ترے کوچے سے اے شمشاد قامت گلبدن ہر روز — اٹھاتے ہیں سپہر بھر بھر بپر بلبل دل قمری
نہیں کچھ سرو گل کی بھی تجھے خاطر ہے اے گلچیں — کہ پھینکا تونے چن چن کر بپر بلبل دل قمری

نہیں ہیں سرو گل ایماں یہ فصل بہاراں میں [۲]
اُگے ہیں خاک سے یکسر بپر بلبل دل قمری

[۱۷]

نہیں موج تبسم سے وہ لعل تر چھلکتا ہے
جھکوروں سے ہوا کے چشمہ گوہر چھلکتا ہے
بھرا ہے بسکہ دل شکوہ زباں پر کب نہ آجاوے
لبالب جام جو ہوتا ہے سو اکثر چھلکتا ہے
نہ دوں تشبیہ کیونکہ دیدہ گریاں کو دریا سے
کہ جیوں گرداب یہ کھا کھا کے سو چکر چھلکتا ہے
تری اتنی بھی لغزش خوشنما ہرگز نہیں ساقی
پیالہ ہاتھ سے گرتا نہیں ہے پر چھلکتا ہے

۱۔ ج سوادوں کا ۔ ۲۔ ج ”فصل بہار میں“

طراوت اتنی ہے اب کے نسیم نو بہاری میں
کہ ہر دم کاسۂ نرگس سے آب زر چھلکتا ہے
ابلتا ہے ادھر کو رنگ غنچہ کی گلابی سے
ادھر شبنم سے جام گل بھی اب یکسر چھلکتا ہے
ٹپک پڑتا ہے خون دل میری ایان آنکھوں سے
مئے گلگوں کا جس دم بزم میں ساغر چھلکتا ہے

[۱۸]

چشم کو دیکھیو آجاوے نہ طوفاں کے تلے
ہے یہ وہ ملک کہ تھا مہر سلیماں کے تلے

واہ اے تشنہ لب جام شہادت شاباش
رکھ دیا حلق کو جھٹ خنجر براں کے تلے

بیٹھے ہی گور غریباں میں لیا جس نے مقام
ہے وہی چین سے اس گنبد گرداں کے تلے

گردش چشم ہی اک آفت آفاق نہیں
فتنے سوتے ہیں کئی سایہ مژگاں کے تلے

رنگ پان سے یہ ہوئے پشت لب اسکے روشن
ڈانک گویا کہ دیا لعل بدخشاں کے تلے

غنچہ کی ہوتی ہے کم جیسی کہ وضع گل میں
چھپ گیا رنگ تبسم لب خنداں کے تلے

شاخ گل رشک سے لوٹے ہے زمیں کے اوپر
جب رکھے دست نگاریں وہ زنخداں کے تلے

شمع کافور اگر اس کی ہے ساق سیمیں
وہ بھی روشن ہے چراغ اسکے ہی داماں کے تلے

چشمۂ خضر کا ایان اگر ہے تشنہ
دیکھ عارض کے تئیں زلف پریشاں کے تلے

[۱۹]

اس شمع رو کے حسن کا بازار گرم ہے
پروانہ ساں ہر ایک خریدار گرم ہے

مفلس کی بھی تلوار کے پہلو سے کٹ گئی
گو مخملی دی میں بستر زردار گرم ہے

پھبتی ہیں کہیں کہیں ہے جگت گالیاں کہیں — کچھ بے طرح طبیعت سرکار گرم ہے

ٹک دیکھ چشم غور سے اے خنک — ہنگام بہر شنگال میں میخوار گرم ہے

رونق فروز بزم مسرت ہوئی تو کیا — راہِ فنا میں شمع کی رفتار گرم ہے

ہنگامہ سکندر و جم سرد ہو گیا — اس خسرو بتاں ہی کا دربار گرم ہے

ایماں تو بھی اب یہ کبھو کا غزل سنا

کیا چہچہے میں بلبل گلزار گرم ہے

[۲۰]

حیا و شرم سے جس روز ہاتھ اپنا اٹھا لیں گے

تو اس دن کھینچ کر تجھ کو بغل ہی میں بٹھا لیں گے

کسو دن اشک کے ہمراہ آنکھوں سے نکالیں گے

کہاں تک ہم دل بیتاب کو اپنے سنبھالیں گے

گراں باری سے ہم گرچہ بسان ابر گریاں ہیں

پر اک پرواز میں جیوں برق سب یاروں کو جا لیں گے

نہ رکھ اے محتسب از بہر کینہ مے پرستوں سے

یہی اک روز حرمت تیری سنتا ہے بچا لیں گے

ترا رنجک اڑانا دیکھ کے اے جنگجو کب تک

یہ جیسے اشک کے آنکھوں کے ہم سانچوں میں ڈھالیں گے

اگر اب کے بچے گا جی ہمارا دل کے ہاتھوں سے

پھر ایسا دشمن جانی بغل میں ہم نہ پالیں گے

ع ا ج ،، بیٹھی ،،

کٹی جیوں گرد باد اس دشت یک عمر پھرنے میں
ہم ایسی زندگی سے سر پہ ایک دن خاک ڈالیں گے

بھروسہ کچھ نہیں پڑتا ہے ہم کو ناتوانی سے
کہ زیر تیغ اک دم بھی نہ لیں گے آہ پالیں گے

رسائی گو نہ ہو گلشن میں لیکن ہم صفیروں کو
کبھو دو چار نالے دور ہی سے ہم سنا لیں گے

لڑے گا حوض میں یہ غیر سے پانی کے جب چھینٹے
لہو کے ہر پلک سے ہم بھی فوارہ اچھالیں گے

نہ تھی اپنی نظر میں دلبروں کی یہ ادا ہرگز
ادھر دل کو لبھاتے ہی ادھر آنکھیں چرالیں گے

جو ہو کچھ اور خاطر تو کیجے امتحاں اک دن
ہزاروں میں سے ہم اپنا ہی دل پیارے اٹھالیں گے

کدھر بھولی پڑی پھرتی ہے یہ خاطر نشیں رکھیو
ہم اپنے خون کا دعوی ترے ہی سے حنا لیں گے

نہ رکھ اے آن تو چشم ترحم دلرباؤں سے
یہ وہ ظالم نہیں ہیں جو کسی دل سے دعا لیں گے

[۲۱]

یوں تو جہاں میں ہیں بہت خود کام اور بھی
سب سے بڑے ہے کچھ وہ دل آرام اور بھی
کرے غرور و ناز گل اندام اور بھی !!
ہے چار دن بہار کا ہنگام اور بھی !

ٹک نامہ بر ٹھہر کہ مرا جی بحال آئے
کہنے ابھی زبانی ہیں پیغام اور بھی

اب شام سے تو صبح تلک رنجشیں رہیں
کیا ہووے دیکھیں صبح سے تا شام اور بھی

یوں ہی اگر مزاج میں گزرا ہے آپ کے
دو چار سو کوئی دیجیے دشنام اور بھی!

کہتا ہے رات سن کے مرا نالہ و فغاں
اے تنگ خلق ہے تجھے کچھ کام اور بھی

ساقی تجھے قسم ہے کہ مجھ سا جہان میں
دیکھا ہے کوئی رند مئی آشام اور بھی

خال عذار ہی نہیں دانہ ہے دلفریب
دام بلا ہے زلف سیہ فام اور بھی !!

دونوں جہاں کی تا نہ رہے کچھ مجھے خبر
ساقی شتاب دیجیو ایک جام اور بھی

اے خوشنویس دیکھ تو بینی و زلف یار
اس سے کوئی ہے خوب الف لام اور بھی

کیوں چونک چونک اٹھتی ہو باقی ابھی ہے رات
میں جاگتا ہوں کیجیے آرام اور بھی !

جسطرح واسطے ہوئی سرگوشی اب یوں ہی
مل جائے گر کوئی بوسہ بہ پیغام اور بھی

ایمان میں تو بزم میں اس گلعذار کے
بیٹھا ہوں اس امید پہ تا شام اور بھی

[۲۲]

خط میں ہے رخ جاناں سبزی میں نہاں سرخی
مانند حنا ہے جہاں سبزی میں نہاں سرخی
دل تنگی غنچہ سے آخر یہ کھلا عقدہ!
ہے چار ہی دن مہماں سبزی میں نہاں سرخی
جوں دل عاشق کو پہلے ہی شناسائی سے
رکھتا ہے جو برگ پان سبزی میں نہاں سرخی
مینا میں مئے گلرنگ اس لطف سے ہے ساقی
ہے جیسے کہ تن میں جاں سبزے میں نہاں سرخی
گو سبزہ خط اس کے پہنچا لب میگوں پر
ہوتی ہے کہیں ناداں سبزے میں نہاں سرخی
اس بسنتی جوڑے کا پاجامہ رنگیں سے
رکھتا ہے ترا داماں سبزی میں نہاں سرخی
ایمان کہوں کیا میں رنگ اس گل رعنا کا
جیوں تافتہ ہے یکساں سبزی میں نہاں سرخی

[۲۳]

ساقیا صبح سے پیغام صبا آتا ہے
موسم مئے کشی و ابر و ہوا آتا ہے
پھر وہ اب بر میں کہاں ہوش ربا آتا ہے
دام سے جو کر گیا صید سو کیا آتا ہے
یہ مکافات کی ہے جائے نہ رہیو غافل
اپنے ہی سامنے یاں اپنا کیا آتا ہے

دلربائی میں نہیں مثل ترا نام خدا — اے صنم ڈھب یہ کسے تیرے سوا آتا ہے
لخت دل اشک کے دریا میں برنگ گل برگ — کس طرف سے نہیں معلوم بہا آتا ہے
جی میں گذری ہے بجھا دیجئے چراغ خورشید — چھوڑ رخسار پہ وہ زلف رسا آتا ہے
دیکھ مجنوں کہیں لیلی کا نہ ہووے ناقہ — دور سے آج تو کچھ شور درا آتا ہے
ماہ خورشید کا ہم چشم وہی ہے پیارے — آستاں پر جو ترے صبح و مسا آتا ہے
دو جہاں کی نہیں رہتی ہے خبر اے ناصح — جب کہ آغوش میں وہ ہوش ربا آتا ہے
داغ لے جائے وہ عشق بتاں اس کا آخر — اس کہن دیر میں جو مرد خدا آتا ہے
ہم نے سو رنگ سے شب گھات لگائی لیکن — ہاتھ ہیہات کہاں دزد حنا آتا ہے

ہو مبارک تجھے ایمان کہ وہ جان جہاں
ماہ نو کی طرح آغوش کشا آتا ہے

[٢٤]

برسر مژگان سے جاری سیل خون ناب ہے
پوچھتے کیا ہو کہ سونے سے چڑھا یہاں آب ہے
اس قدر گرم طپش جو یہ دل بیتاب ہے
شعلہ ہے یا ہے شرر یا برق یا سیماب ہے
وہاں تمہیں آرام ہے بالین مخمل پر نصیب
یہاں دل بیتاب ہے اور دیدہ بے خواب ہے
جو قدم بڑھتا پڑے بہتر ہے رزم عشق میں
زخم ہی سینہ کا اس میدان میں فتح الباب ہے
ابروئے خونریز کا جس نے کیا ہر دم خیال
سجدہ گاہ اس کو خم شمشیر کی محراب ہے

جس جگہ اس ماہرو بے مہر کی جلوہ گاہ ہے
واں تو پا انداز ہر شب چادر مہتاب ہے

پاس ذرا بھی نہیں تم کو ہمارا کیا کہیں
گریہی ہے صاحبی تو دور سے آداب ہے

دیکھ ٹک انگشت فندق بند کو اے باغباں
یہ گل اور نگ ہے یا دانہ عناب ہے !!

توسن گردوں کی نیرنگی نہ پایئے زینہار
خنگ ہے نیلا ہے ابرش ہے یا سنجاب ہے

اور تو اس بحر دنیا کی حقیقت در کنار
آشنا کہئے جسے سو گوہر نایاب ہے !

شمع و گل ہا ہے بلبل و پروانہ خوش آئے ہیں
اسقدر ایمان مجھکو خاطر احباب ہے !

[۲۵]

چہرے سے جب نقاب ترا اے صنم اٹھے
اک شور حشر دیر سے لے تا حرم اٹھے

آئینہ رونمائی میں دیتا ہے پہلے دل
جس وقت خواب ناز سے وہ صبحدم اٹھے

ملتے ہی ٹک بدن سے بدن جی نکل گیا
اے دل تو بیٹھ پہلو میں اسکے ہم اٹھے

کیوں آستاں سے اپنے اٹھاتا ہے مجھکو یار
ممکن نہیں کہ خاک سے نقش قدم اٹھے

بے اختیار بیٹھ گیا شور اہل حشر !!
لیلیٰ و قیس قبر سے جس دم بہم اٹھے

بیٹھے ہی بیٹھے جنبش ابرو سے کام لے
کیوں وہ کسو پہ کھینچ کے تیغ دو دم اٹھے

اک پہونچنا ہی کوچہ میں اسکے محال ہے
پھر واں سے کیا مجال جو آگے قدم اٹھے

ایماںؔ بیٹھے بستر گل پر جو ایک دم
جوں شبنم اس چمن سے وہ چشم نم اٹھے

[۲۶]

تمہارے اقلیم حسن میں اب یہ زلف رخ کی خانہ جنگی
کہ ایک رومی پہ لوٹ پڑتے ہیں چو طرف سے ہزار زنگی
پسند کرتے ہیں اس ادا کو تمام جوہر شناس عزت
نہیں ہے یہ ننگ تیغ ہرگز جو ہووے مردوں کے بیچ ننگی
وہ شاہ خوباں جو کرسی زر پہ جلوہ افروز ہووے صاحب
کلاہ اپنی اتار رکھ دیں برائے تعظیم سب فرنگی
نہ کر عروج و نزول پر تو جہانیوں کے عبث تحیر
کہ روز و شب کی طرح سے جاری سدا زمانے کی ہے دو رنگی
لگائے رہتے ہیں تاک دل پر ہی چشم خونخوار ماہ رو کے
ہوا ہوں میں غرق بحر حیرت کرے ہے ماہی بھی یاں نہنگی
فضائے گلشن سے کیوں کے ہووے شگفتہ خاطر اے پری رو
کرے فردوس کا بھی عرصہ تیرے دیوانہ کے دل پہ تنگی؟
کسو کے عارض پہ خال مشکیں دکھائی دے ہے تو سوچتا ہوں
یہ کیونکر ایماںؔ خرمن گل پہ آکے بیٹھا ہے نحل زنگی

[۲۷]

نہ کیوں ناچار ہو شاعر کرے جب قافیہ تنگی
غزل لکھی اگر ہوئی زمین کیسی ہی بے ڈھنگی؟

برنگ غنچہ گلشن میں ملے ہے جس کو دل تنگی
نہیں بھاتی ہے اے بلبل تری اسکو خوش آہنگی

کہاں نظارہ گل کی اسے برداشت اے بلبل
کرے بوئے گل بے خود جسے با وصف بے رنگی

زمانے میں جہاں تک آج صاف طینت ہے
کسو کے خال خط نے کر دیئے تریا کی بھنگی

مرا ہی نقد دل لے کر مجھے آنکھیں بتاتا ہے
خدا سے کچھ تو ڈر ظالم یہ چوری اور سرہنگی

اگر سو پیرہن غنچہ کو پہنائے تو کیا حاصل
نکل ہی جائے گی اک روز آخر بوئے گل ننگی

یہ سب طرزیں مگر ہائے تمہارے یہاں نظر میں ہوں؟
سکھاتی ہے تمہیں کس شخص نے یہ عقل بے ڈھنگی

کہ میرے بیٹھتے ہی پاس اٹھتا ہے درد پہلو میں
ابھی اس سرکار کی صاحب طبیعت تھی بھلی چنگی

زمیں کیسی ہے اپنے روبرو اب سنگ لاخ آوے
کمیت خامہ اے ایمان کرتا ہی نہیں لنگی

[۲۸]

اس طرح بیتاب تیرا اے صنم بیٹھے اٹھے
موج دریا جس طرح سے دمبدم بیٹھے اٹھے

بیٹھتے اٹھتے ہی میں پہنچے کوئے یار تک
گر نمازوں میں سدا شیخ حرم بیٹھے اٹھے

کس طرح تجھ سے اٹھا دیں ہاتھ اب اے سرو قد
ایک مدت ساتھ تیرے جبکہ ہم بیٹھے اٹھے

دولت دنیائے دوں ازبسکہ ہے بے اعتبار
سینکڑوں اس تخت پر ضحاک و جم بیٹھے اٹھے

ہاتھ سے یوں توند کے عاجز ہیں اپنے شیخ جی
حاملہ جوں تھام کو اپنا شکم بیٹھے اٹھے

یہ نہ نرگس کے اٹھ بیٹھے عصا کے زور سے
جو ترا بیمار ہووے وہ تو کم بیٹھے اٹھے

ہم جہاں ایمان آویں اپنی وادی پر تو واں
تا ابد شور قیامت یک قلم بیٹھے اٹھے

[۲۹]

فقط نہ باد بہار سے اب لگے ہیں گلشن میں پھول ہنسنے
ہر اک غنچہ کی بھی خوشی سے قبا بدن میں لگی ہے چسنے

قسم ہے بلبل نہ تھی الحقیقت نہ تنگ عرصہ کیا قفس نے
کہ دام صیاد میں پھنسایا یہ سیر گلزار کی ہوس نے

نہ تاب سوز فراق ہے یاں نہ طاقت درد رنج حرماں
ٹھہر تک اے آہ شعلہ افشاں کہ اب کلیجا لگا پگھلنے

رہا جو میں دور کارواں سے کدھر کو بھٹکا پھرا کہاں سے
کئے بھی نالے ہزار جاں سے ذرہ نہ آواز دی جرس نے

نہیں تمہارا نظیر مژگاں نہ ہوں میں کیونکر اسیر مژگاں
ادھر تو دیکھو کہ تیر مژگاں جگر میں اب تو لگے ہیں دھنسنے

اسنڈ آئے ہیں گو کہ بادل ہوا ہے سرسبز گو وہ جنگل
گئی سب اے ماہ دل کی ہلچل بل گھٹا دیا ہے جو اس برسنے
کہاں یہ جا کے نصیب اپنے کہ ساتھ سوئے حبیب اپنے
کبھو جو بیٹھا قریب اپنے تو آلیا ہے وہیں عس نے
وہ طرہ زلف دراز کا ہے دیا کہ پنجہ ہی باز کا ہے
جو مرغ دل محو ناز کا ہے دیا نہ ٹک بھی اسے اکسنے
صنم نے جس دم نگاہ باندھا خود نے ایمان یار باندھا
ادھر بھی آنسو نے تار باندھا ادھر جو بادل لگے برسنے

[۳۰]

وہ بدلے رشتہ جاں سے کہاں پوشاک کی ڈوری
کہ ہیں موج گہر جسکی قبائے پاک کی ڈوری
خراش چشم کا اس کے نو ہم پھر بھی آیا ہے؟
رگ گل سے اگر ہوں کیسہ دلاک کی ڈوری
مسی مالیدہ دندان لعل لب کے دیکھ بن جائے؟
سلیمانی نگاہ دیدہ جسکاک کی ڈوری !
یہ کس کے غم میں جامہ کو قبا کو اپنے پھینکا ہے
کہ ہیں یہ تار بارش دامن افلاک کی ڈوری
کیا سر رشتہ گم تدابیر کا اب بخیہ گو نے بھی؟
یہاں تک تار تار اپنی ہیں جیب چاک کی ڈوریاں
رکھے ہیں حکم رہائی میں یکسر تیغ کے
عجب گردن کی ہیں اس دلبر چالاک کی ڈوری

ہزاروں صید دل ایمان وابستہ نہ ہوں کیونکر
کہ تارِ زلف گلرو یاں ہیں اس فتنہ اک کی ڈوری[1]

[۳۱]

تیری آہ دامن زلف کی میرے دلکو جب سے ہوا لگی
بھلے چنگلے جان غریب کو یہ کہاں کی کالی بلا لگی

میرے سر سے لے کے قدم تلک لگی آگ غیرت عشق سے
تب عبیر کو ہوا اے گلبدن تیرے دست و پا میں حنا لگی

لیا دوستی میں تو پہلے دل ہوا اب وہ دشمن جان ہے
مجھے یک ذرہ بھی خبر نہ تھی کہ ہے صلح میں بھی دغا لگی

تیرے عشق میں جو دیا ہوں جاں نہیں ہوا تنا اہل سعادت اب
میرے استخوان کی طعمہ پر ہے نگاہ چشم ہما لگی

نہ گمک ہے لشکر وصل کی نہ بچے کس طرح سے بیتقد جاں
کہ حصار دل کو سیاہ غم نے ہے گھیر چار سمت سے آ لگی

اے نگاہ دیدۂ سنگدل ذرہ دیکھ تو میری آہ کو
کہ یہ لیں تو دہ آسمان میں پلک کے مارتے جا لگی

کسی چیز سے جو جہان میں میں لگاؤں دل کو سو کیا سبب
کہ یقین ہے ایمان یہی بقا کے ساتھ فنا لگی

[۳۲]

زر دحنا سمجھ کے پکڑ لے عبس مجھے !!
پابوس تک بتوں کی جو ہو دسترس مجھے

---

[1] اس غزل کی ردیف ”کے ڈورے“ ہے (م ۔ ع ۔ ا)

جاتا ہے لطف باغ میں پرواز کا صیاد
آتا ہے جبکہ یاد وہ کنج قفس مجھے

ایک وا پسیں نگاہ دم وا پسیں بھی ہو!
اس چشم عشوہ ساز سے اتنا ہی بس مجھے

صحرا نورد محمل لیلی ہے شاید آج!
تعلیم نالہ دی ہے زبان جرس مجھے

شاید کہیں تو وہ مہ کنعاں نظر پڑے
پھرتی ہے شہر شہر لیے یہ ہوس مجھے

گلشن میں تیرے یار میں ہوں آشنا ناقبول[۱]
دامن کشاں ہیں دیکھ کے ہر خار و خس مجھے

بھڑکے قفس نہ شعلۂ آواز سے کہیں
ایماں اب ضرور ہے ضبط نفس مجھے

[٣٣]

ہے کام نالے و نوش سے شام و سحر تجھے
پہنچے کسو کے حال کی کیوں کر خبر تجھے

سنتے ہی ایک خلق کے آنسو ٹپک پڑے
لیکن کیا نہ آہ نے اپنی اثر تجھے

یہ ایک دل تو کیا ہے کہ حاضر ہے جب کہے
منظور ہووے جان بھی ظالم اگر تجھے

بلبل کے قید کرنے سے فصل بہار میں
صیاد کیا ملے گا بجز منت پر تجھے

دشمن کا دل بھی دیکھ کے مجھکو پگھل گیا
آیا نہ رحم حال پہ میرے مگر تجھے

ہر دن اسی خیال میں گزرے ہے مجھکو یار
مہمان ایک رات کروں اپنے گھر تجھے

ہر چیت ایک، بھان کے سر سے گذر گیا
لیکن ہے آب تیغ سدا ناگمر تجھے

۱۔ "ناقبول"

آئی ہے جان آنکھوں میں ظالم پر اب تلک | احوال پر ہمارے نہیں ہے نظر تجھے
آوے گا جب کہ برسر امداد آسمان
ہم دکھا دینگے اپنا بھی ہنر تجھے ۱۱

[۳۴]

حواس جمع نہ ہوں سیر باغ سے میرے | کہ بوئے گل ہے کا وش دماغ سے میرے
ہے تیری بزم سے جانا ہی مصلحت مجھکو | رقیب تنگ ہوا ہے فراغ سے میرے
کبھو تو آن کے اے لالہ رو تماشا دیکھ | چمن کھلا ہے دل ایاغ سے میرے
ترے بغیر تو فصل بہار میں ساقی | لہو کا جوش ہے جوں گل ایاغ سے میرے
پہنچ شتاب کہیں ورنہ ایک لحظہ میں | غبار بھی نہ ملیگا سراغ سے میرے
عرق ہو کیونکہ نہ شبنم سے چہرۂ گل پر | خجل بہار ہے اس رشک باغ سے میرے
شرار ساہوں میں ایمان گو تنک مایہ
کریں ہزار چراغاں چراغ سے میرے

[۳۵]

تجھ حسن کی خوبی کو یہ چشم کہاں پاوے[۲] | ہے بسکہ وہ نازک تر نظارہ سے مرجاوے
کوئی اور مکاں ہرگز لایق ہی نہیں تیرے | جوں نکہت گل دل ہے عاشق کا تجھے بھاوے
تجھ عشق کے گزری میں یکدام کو ہے جنگا | گر یوسف مصری بھی سو طرح سے بن آوے
جلتے ہیں فرشتہ کے پر کوچہ جاناں میں | اس دل کے سوا کوئی کب وہاں کی خبر لاوے
ایک ذرہ کبھو چمکے خورشید حقیقت کا | موسٰی بھی اگر ہووے بے ہوش ہو کر جاوے

۱۔ الف " داغ داغ "

۲۔ الف " کوئی نور مکاں ہرگز لایق ہی نہیں تیرے "

تاریک جہاں سارا ہو جاوے وہیں پل میں   لے منہ پہ نقاب اپنے جس وقت کہ تنہا آ
پہلو میں سدا رہنا ظاہر میں نہیں ملتا
ایماں بھلا دل کو کس طرح سے بہلاوے

[۳۶]

قدر یاقوت نہیں لخت جگر کے آگے   ابر بھی پانی بھرے دیدۂ تر کے آگے
ہے بنا گوش سے شرمندہ تیری آب گہر   شمع کو تاب نہیں نور سحر کے آگے
شیخ پندار ہی تیرا ہے تجھے مانع دید   ایک پردہ بھی نہیں اپنی نظر کے آگے[۱]
ایک دن دیکھا ہے دہلیز پہ جس نے تجھکو   اس نے دھونی ہی لگائی ترے در کے آگے
بھیجا اس تک نہ کبھو گو کہ میں احوال اپنا   کہا درد کے ہر ایک راہ گزر کے آگے
آپ وہ داغ ہے اب شعلہ رخوں کے ہاتھوں   میرے دل کو تھے دیئے جس نے کہ جگر کے آگے
گلبدن حسن سے تیرے جو کرے دعوئ شمع   چھینک دوں اسکی زباں وہیں کتر کے آگے
جس نے سر اپنا لگایا ہے ترے قدموں پر   ٹھوکریں کھائے ہے وہ اور بھی سر کے آگے
شمع محفل کو جو ایماں میں دیکھا شب کو
کیا ہی بے نور تھی اس رشک قمر کے آگے

[۳۷]

دل کے آئینہ میں نت جلوہ کناں رہتا ہے
ہم نے دیکھا ہے تو اے شوخ جہاں رہتا ہے
کوئی دن گھر سے[۲] نہ نکلے ہے اگر وہ خورشید
منتظر شام تلک ایک جہاں رہتا ہے

۱۔ "تیری نظر کے آگے"   ۲۔ "ج" "یہ"

جھاڑ دامن کے تئیں مار کے ٹھوکر نکلے
کہیں رو کے سے بھی وہ سرو رواں رکتا ہے
گا ہے گا ہے اے مہ عید ادھر بھی تو گزر
روز و شب بزم میں تیرا ہی بیاں رہتا ہے
باوجودیکہ مجھے ربط دلی ہے اس سے
یہ نہ پوچھا کبھو ایمان کہاں رہتا ہے

[۳۶۱]

نکلے نہ دل سے ناوک مژگاں لگے ہوئے
اب تک پڑے کھٹکتے ہیں پیکاں لگے ہوئے
واں آئینہ ہے تختہ مشق نگاہ ناز!!
یاں سقف سے ہیں دیدہ حیراں لگے ہوئے
تن پر ترے شہید کے لے سر سے پاؤں تک
ہیں مثل اثر زخم نمایاں لگے ہوئے
یہ عیش ہے کہ سینہ سے اس گلعذار کے
رہیئے برنگ عطر گریباں لگے ہوئے
خلوت میں اس کی راہ ہے جب تک کہ غیر کو
خطرے ہیں لاکھ ظاہر و پنہاں لگے ہوئے
آستانہ کوئے یار کو گرم اے نسیم چل
ہم بھی تو ہیں قدم سے تیرے ہاں لگے ہوئے
ایماں اسکے چشم کی ہر شام و ہر سحر
پھرتے ہیں ساتھ فتنۂ دوراں لگے ہوئے

[۳۹]

آنکھ مہ رو سے لڑانے آئی ہے | شمع کی آنکھوں میں چربی چھائی ہے
ہر دو مہ پھرتے ہیں عاشق در بدر | بے گماں یوسف نے صورت پائی ہے
سرگرانی سے وہ گل رد اٹھ چلا | کس قدر مرغ چمن غوغائی ہے
عاشقوں کے حال پر کب ہے نگاہ | آئینہ ہے اور خود آرائی ہے
اٹھتے ہی اٹھتے ہوتی ہے صبح | آپ نے تشریف جب فرمائی ہے
گلعذاروں میں اگر لیلیٰ نہیں | قیس بھی ایک مردم صحرائی ہے
آنکھ لڑتے ہی میری اس آنکھ سے | دیکھکر نرگس جیسے شرمائی ہے
بد زبانی کا نہیں اس کی گناہ | چھیڑ کر میں نے ہی گالی کھائی ہے
جان دینا ایسے کافر کے لیے | دیکھ تو بارے یہ کیا رسوائی ہے
رات تو جب بزم سے اٹھ کر چلا | بول اٹھا جانے بھی دو سودائی ہے

ایک دن میں نے کہا ایمان سے
اے میاں یہ کون سی دانائی ہے

[۴۰]

یہ انجم شب تجھ بن اے جان دلاویزی
پردوں میں مجھ آنکھوں کے کرتے ہیں نمک بیزی
چاہے کہ گل مقصد ہاتھ آدے صدا نیزے کے
ہوں مرغ چمن تجھکو لازم ہے سحر خیزی
سر جیر اگر لیوے یا پوش سے تمریں کے
فرہاد کو ملتا ہے کب منصب پرویزی

کچھ کام نہیں ہم کو اب سیر گلستاں سے
اے غنچہ دہن تیری باتوں میں ہے گلریزی
شیریں کو کہاں نسبت اس خسرو خوباں سے
ہر ایک سخن میں ہے جس کی شکر آمیزی
دل سا ہی جگر دار اب مژگان کے مقابل ہو
بے طرح گھڑی ہے گی یہ دل میں صف انگریزی
گل گشت چمن ہم کو ایمان تب ہی بھاوے
ہو بادہ شیرازی اور مطرب تبریزی!

[۱۴]

تیغ ابرو سے ہزاروں دم گئے
زخم دل کے ہاتھ سے مرہم گئے

جن سے رہتا تھا ہمیں راز و نیاز
ہائے وہ مونس گئے محرم گئے

عیش کی بھی بزم میں سوئے عدم
شمع کے مانند ہم کم کم گئے

واہ ری اے رفتار جوں موج گہر
دیکھکر حیرت سے دریا تھم گئے

مجھ سے یہ خوش چشم شہر حسن کے
جوں غزال دشت آخر رم گئے

ہائے رے طاقت کہ قطرے اشک کے
کچھ سر مژگاں پہ آ کر جم گئے

دل جو ہوتا تھا شگفتہ باغ میں
وہ خدا جانے کدھر موسم گئے

تھے تماشائی جو اس گلزار کے
مثل شبنم لے کر چشم نم گئے

سرو کے مانند جو آزاد تھے
کچھ نہ کچھ ایماں وہ خورم گئے

۱۔ نمیکہ"

[۴۴]

مشاطہ کے وہ طرہ جو سلجھا نہ ہاتھ سے
چلے اختیار گر ہی پڑا شانہ ہاتھ سے

اس نے دیا جو بزم میں پیمانہ ہاتھ سے
دیوانہ ہاتھ سے گیا فرزانہ ہاتھ سے

ہر قطرہ سرشک ہے اے چشم درناب
مژگان کے یہ گرے نہ کہیں دانہ ہاتھ سے

کہتا ہوں دل تجھے کہ نہ کر عشق اختیار
یہ کام تیرے ہاتھ سے ہویا نہ ہاتھ سے

دینے بس بوسہ اب جو تامل ہے تجھکو یار
کیوں دل کا پہلے ہی لیا بیعانہ ہاتھ سے

زینت نہیں ہے آتی تیرے دست، ناز کو
عزت حنا کو ہے تیرے جانا نہ ہاتھ سے

اے شیخ مدہوشوں کی چلا تو جو بزم سے
دی مفت ہی یہ دولت شاہانہ ہاتھ سے

رات اس نے اٹھ کے جانے پہ باندھی کمر ہزار
پر دامن اسکا میں نے تو چھوڑا نہ ہاتھ سے

ایمان شمع کی نہیں تقصیر دیکھ لے
جلتا ہے آہ اپنے ہی پروانہ ہاتھ سے

٭

[٤٣]

خلعت ہستی ہی جس کو تنگ ہے
بند میں جامہ کے رہنا ننگ ہے

گلبدن گل پیرہن تس پر حنا
رنگ ہے کیا رنگ ہے کیا رنگ ہے

ماہ رو انصاف کے میزان میں
مشتری آگے تیرے پاسنگ ہے

اے صنم در پردہ مل عشاق سے
اس نوازش کا سدا آہنگ ہے

ہر بلندی ہے نشانہ برق کا
سرکشوں کو ایک دن سر چنگ ہے

حسن کی ایمان کیفیت رہی
سبزہ خط سے خیال بنگ ہے

[٤٤]

زندگی شکل خواب کی سی ہے
موج گویا سراب کی سی ہے

کہہ صبا وہ کھلی ہے زلف کہاں
تجھ میں بو مشک ناب کی سی ہے

گھر میں آنے سے اس پری رو کے
روشنی ماہتاب کی سی ہے

کیوں نہ دیوانہ اس بدن کا ہوں
جس میں خوشبو گلاب کی سی ہے

کچھ نہ کچھ رات شغل میں گذری
آج صورت حجاب کی سی ہے

کیوں چھپاتا ہے شب کی بے خوابی
بو دہن میں شراب کی سی ہے

میری نظروں میں تیرے بن ساغر
شکل چشم پر آب کی سی ہے

میرا ہمسایہ سوچتا تھا یہی
آج شب اضطراب کی سی ہے

کون دل سوختہ ہے گرم طپش
بو یہاں کچھ کباب کی سی ہے

رگ جاں پر ہے کون ناخن زن
کچھ صدا یاں رباب کی سی ہے

چلیے ایمان بزم یار سے گھر
یاں طرح کچھ حجاب کی سی ہے

[٤٥]

بلبل بغیر کوئی کب گل کے زر کو پرکھے
یا شبنم چمن کے غلطاں گہر کو پرکھے

سیم و زر مہ و مہر ہائے دیدنی کے لایق
کیا کوئی نقد جیب شام و سحر کو پرکھے

مرغان باغ گرچہ جانباز ہیں ہزاروں
صیاد وہ کہاں جو ہر ایک پر کو پرکھے

نقد رواں یہ سو بھی پھر اسکو خوردہ گیری
صراف بھی جو میرے داغ جگر کو پرکھے

ابروئے یار و داغ دل کی ہے قدر مجھکو
جو ہو سپاہی وہی تیغ و سپر کو پرکھے

جو نقد دل کو کھووے بازار عاشقی میں
اس پٹہ باز کافر زرگر پسر کو پرکھے

کیا قدر جانتا ہے ایماں دل کی تیرے
وہ جوہری کا لڑکا گو لعل تر کو پرکھے

[٤٦]

کوئی بھی ان دنوں کی تجھے بات یاد ہے
سونا لپٹ لپٹ کے میرے ساتھ یاد ہے

بھولا نہیں ہوں آج تلک ایک دم کبھو
اول کی مجھکو تیری ملاقات یاد ہے

بیٹھیں تو لطف خاص ہے لیٹیں تو کیا کہوں
وہ بے حجابیاں وہ مدارات یاد ہے

مینا ہے اور جام ہے اور میں ہوں اور تو
وہ باغ اور وہ بنگلہ وہ برسات یاد ہے

تھا وہ بھی ایک وقت کہ آپس میں آشنا
پاؤں سے پاؤں ہاتھ سے تھا ہاتھ یاد ہے

مل مل کے آنکھیں تلووں پہ رکھنا گھڑی گھڑی
تیرے قدم سے لگے ہیں وہ بات یاد ہے

ایماں مجھکو وصل کی راتوں کی آج تک
وہ شعر خوانی اور وہ حکایات یاد ہے

[٤٧]

کیوں نہ اب بل کھائے منہ پر زلف کی کیا بات ہے
چار دن کی چاندنی آخر اندھیری رات ہے

رنج سے رخ ملنے کی تو میں کیا کہوں اب دست برد
دیکھتے ہی سرو قد کی چال عاشق مات ہے

آ پہنچ ساقی شتابی لے گلابی جام کو
لہلہاتا ہے چمن اور موسم برسات ہے

تو خراماں ہو جدھر اے سرو آزاد اس طرف
سایہ ساں قدموں لگا بندہ بھی تیرے ساتھ ہے

کیوں نہ ہو یے برگ بھی ایکبار مجھ سا اب نہال
آج اس شمشاد قامت کے گلے میں ہاتھ ہے

ہے یہ دل حیراں مگر شہر حلب کا آئینہ
پاس اپنے اس سوا اب اور کیا سوغات ہے

پہنچا ہے ایک دن ایمان اس کے روبرو
ہاتھ خالی جائے (ہے) افسوس ہے یہ ہات ہے

[۴۸]

صرف مجنوں کی نہیں زنجیر دامن گیر ہے
خار بھی جنگل میں بے تقصیر دامن گیر ہے

ہاتھ پہنچا دوں گریباں تک یہ میرے عزم کا
بے طرح سے پنجۂ تقدیر دامن گیر ہے

کھنچ سکے تصویر کیونکر کہہ اٹھا بہزاد بھی
یاں قلم کی ہر جگہ تحریر دامن گیر ہے

باندھتا فتراک سے ہرگز نہیں وہ شہسوار
گو کہ اس کی زین کا ہر نخچیر دامن گیر ہے

جی بچالیجائے کیونکر ہاتھ سے پرویز کے
کوہکن کی آہ جو بہ تشیر دامن گیر ہے

رشک نے گھونٹا گلا میرا اگرچہ ایک عمر
اب وہی طفل گریباں گیر دامن گیر ہے

کس قدر ایمان ہوگا صورت اصلی کا حسن
جب دل عشاق کی تصویر دامن گیر ہے

[۴۹]

شب اس کی خرگاہ میں خوش انجمن بنی تھی
ان سے کبھی ملنا آپ کی تا عرش تنی تھی

وہ حسن میں تیرے ہی اگر اصرف ہوئی ہے
غربال مہ و خور میں لطافت جو چھنی تھی

اس عمر ببک سیر کی تھی وہ ہی بہار آہ
بلبل سے مجھے باغ میں جب ہم وطنی تھی

کیا بات کہوں تجھ سے شب وصل کی ہمدم
واں چرب زبانی تھی یہاں کم سخنی تھی

آوے نہ اگر آج تیرے پاس تو اے یار
پھر بات نہ کیجے یہی خاطر میں ٹھنی تھی

کیوں پہلے ہی جی تو نے میرے ساتھ ملایا
منظور جو ایسی ہی تجھے دل شکنی تھی

شیریں سے تو پرویز کو تھا عیش میسر
فرہاد کی قسمت میں فقط کوہکنی تھی

کس بلبل بیتاب کا گلشن میں ہوا قتل
جو خاک بسر صبح نسیم چمنی تھی

سنبل نے فقط بال پریشاں نہ کیے تھے
ہر گل کے گلے میں بھی تو جھگوی کفنی تھی

دل لے ہی گئی آنکھ دکھا کر نہیں معلوم
وہ کوئی پریزاد تھی یا رام جنی تھی

اس کی غضب آلود نگہ کیا کہوں تجھ سے
ڈوبی ہوئی زہر آب میں برچھے کی انی تھی

ہر دل میں جگہ ۔ ۔ ۔ کیے جاتی تھی ہر دم
ہر نوک مژہ اسکی جو ہیرے کی کنی تھی

اللہ نے ایمان ستمگر سے بچایا
کل ورنہ میری جان ہی پر آن بنی تھی

[۵۰]

عشق کی راہ ہزار آفت نہ چلتا کاش کے
پہلی ہی ٹھوکر لگے پر میں سنبھلتا کاش کے

سر پٹکتے کب تلک یارب در و دیوار سے
اسکے ہی زانو کے اوپر دم نکلتا کاش کے

انقلاب دہر سے ہر غنچہ آخر گل ہوا
رنگ اسکی بھی طبیعت کا بدلتا کاش کے

دل کسے میں رہا ہوتا جو وقت پائے بوس
نیمچہ وہ خوش غلاف اسکا اگلتا کاش کے

نارسائی آہ بے تاثیر ہے موج سرشک
پھولتی یہ بیل اور وہ جھاڑ پھلتا کاش کے

کوچۂ دلدار ہوتا کوئی دن رشک چمن
خون بجائے اشک چشموں سے ابلتا کاش کے

باغ میں تو اور بھی کچھ بے کلی ہونے لگی
غنچہ و گل سے میرا دل ٹک بہلتا کاش کے

شمع و پروانہ کی خاطر رکھتے ہیں سوز و گداز
حال پر میرے دل اسکا بھی پگھلتا کاش کے

قدر کچھ ایمانؔ کی پہچانتا تو اے نگار
تجھکو بھی کوئی رخسار بھلا کاش کے

[۱۵۸]

قاصد آیا اور خط لایا بھی ہے
کچھ زبانی بلکہ فرمایا بھی ہے

غنچہ و گل کی چمن میں ہے بہار
اور گہرا پر کہیں سایہ بھی ہے

کچھ ہوائے سرد آب چلتی نہیں
ابر سا چاروں طرف چھایا بھی ہے

چیتون اسکی کیا ہی جی کو بھا گئی
کچھ جو دیکھا کچھ شرمایا بھی ہے

صرف جوبن کی نہیں ہے سرکشی
ان دنوں میں یار گدرایا بھی ہے

لوگ یونہی باندھتے ہیں یا ندھیوں
گھر میرے گل پیرہن آیا بھی ہے

ڈھونڈھتا کوئے بتاں میں ہے عبث
یاں گنوا کر دل کوئی پایا بھی ہے

شیخ صنعان کا نہیں چھپتا ہے دین
دختر ترسا نے ترسایا بھی ہے

مثل گل چاک گریبان اک طرف
غنچہ ساں خون جگر کھایا بھی ہے

تیرے گھر میں جز غم و رنج و بلا
اور کچھ اے عشق سرمایہ بھی ہے

ہم نے اس دلدار کو ایمانؔ آج
کچھ تو چھیڑا کچھ تو پرچایا بھی ہے

٭

[۵۲]

ایماں چلئے آپ بھی کیا انتظار ہے — گلشن میں اب کے سال انوکھی بہار ہے
کہتے ہیں شاہ گل کی سواری جلوس سے — آتی ہے اور سپاہ کا رنگین سنگار ہے
چل دیکھ صحن باغ میں مجرے کے واسطے — صف باندھ کر کھڑی یہ دو رستہ قطار ہے
فوج فرنگ تختہ لالہ نشان سرو — مرفہ حباب و طاسچی ہر آبشار ہے
نرگس کے شادیانے ہیں شبو کے شاہ نامے — ہر دم صدا انہیں کی کلیجے کے پار ہے
صد برگ و موتیا و گل اشرفی تلک — فرقہ یہ ایک جلوس میں وہاں عہدہ دار ہے

بلبل پکارتی ہے زیادہ ہو عمر و جاہ
ڈالی کی نالکی پہ شہ گل سوار ہے

[۵۳]

تجھ بن اے ساقی مجھے موج ہوا شمشیر ہے — شیشۂ دل پر مرے ہر قطرہ باراں تیر ہے
شمع کے سر کو اڑا کر دم بدم بخشی ہے جاں — ذوالفقار مرتضیٰ کا خاکپا گل گیر ہے
سر طرف صحرا کے کھینچے گلستاں سے کس طرح — پاؤں میں ہر پیچ سنبل کا جیسے زنجیر ہے
آج کی شب مے پلا ساقی ہم آغوشی کے ساتھ — ابر اور مہتاب باہم جوں شکر در شیر ہے
قلقل مینا ہے گویا حلق بسمل کی صدا — ہاتھ میں ساغر تنک کر ساقی سر نخچیر ہے

کمترین بندگاں ہوں اس جناب پاک کا
جان و دل ایماں فدائے شبر و شبیر ہے

[۵۴]

ہر رات آ مجھکو ستاتی ہے چاندنی — آتا نہیں ہے یار نہ جاتی ہے چاندنی
روتا ہوں ماہ رو کے تصور میں اس لیے — برسات کی نپٹ ہی خوش آتی ہے چاندنی
مہتاب رو کے دیکھتے ہی صحن باغ میں — بے اختیار فرش ہو جاتی ہے چاندنی

شبو کی فیض سے بھرے شیشہ بلور کا
ساقی سفید پوش کو بھاتی ہے چاندنی
ایمان آسمان کی کشتی کو دیکھ لے
طوفان نور بیچ ترائی ہے چاندنی

[۵۵]

ٹک دیکھ آ چمن کو برسے ہے یار پانی
ورنہ بہت ہے مشکل پھر یہ بہار پانی
نرگس نہ آنکھ کھولی تجھ بن اے پری رو
شبنم نے منہ پہ چھڑکا گرچہ ہزار پانی
تیرے بغیر ہر گل جوں خار خشک ہے گا
پہنچا رہے ہے چمن میں گو جوئے بار پانی
بوس و کنار جام و مینا کبھو جو دیکھے
زاہد کے منہ میں آوے بے اختیار پانی
تیرے صفائے رخ کو دیکھے سے اب خجل ہو
آئینہ کا بہے ہے جوں آبشار پانی
صدقہ حسین کا و اں کوثر کا جام یا دے
پیاسے کو یاں پلادے جو دیندار پانی
ایمان بھیجتا ہوں صلوات بر محمد
ملتا ہے تشنگی میں جب خوشگوار پانی

[۵۶]

جسکے ہم عاشق وہ جاناں اور ہے
سیر کا اپنے گلستاں اور ہے
نا خدا سے آشنا ہرگز نہیں
اپنی کشتی کا نگہباں اور ہے
جو ہیں بسمل خنجر تسلیم کے
ان کو ہر دم عید قرباں اور ہے
دیکھیو ہونا نہیں بر خود غلط
دل میں تیرے کوئی پنہاں اور ہے
کب مسیحا سے ہمیں ہے التجا
درد کا اپنے تو درماں اور ہے
دو جہاں دیوانہ جسکے حسن کا
وہ ہمارا ماہ کنعاں اور ہے
حشر برپا جسکی ہو رفتار سے
وہ غرض سرو خراماں اور ہے
جو کہ ہیں سر باز راہ عشق میں
ان کی جولانی کا میداں اور ہے

دیر سے مطلب نہ کعبہ سے غرض
عاشقوں کا دین و ایمان اور ہے

[۵۷]

سر مرا جبکہ ملے اس کے سر نواز سے — کیوں نہ جائیں میرے طالع اثر زانو سے
منہ تو دیکھو جو دکھاوے کبھو اپنے جوہر — کر گیا آئینہ اس کی نظر زانو سے
سر سے لے پاؤں تلک نور ہے وہ کیونکہ نہ ہو — آئینہ ہر کا پیدا سحر زانو سے
جلّے آرام ہے وہ کیونکہ نہ ہو اسکی تلاش — کام[1] ہے مجھکو ہر یک دم خبر زانو سے
بسکہ نازک بدنی ختم ہوئی ہے اس پر — آئینہ[2] پاس نہ پھٹکا خطر زانو سے
سر کو پٹکا میں ہر اک رات نہ آیا پر ہاتھ — چل سکا کچھ نہ مرا بس ہنر زانو سے

بس ہے ایمان مجھے سیب ذقن کا پانا
ہاتھ اب میں نے اٹھایا ثمر زانو سے

[۵۸]

میری آنکھوں میں آکر دیکھ جلوں شکل مژگاں ہے
عجب روشن یہ منظر ہے عجب مد نظر یاں ہے
ترے بن میں (رکھوں) کیونکر دل بیتاب کو پیارے
اندھیری رات ہے بجلی ہے اور طوفان باراں ہے
ہر اک دم امتحاں میرا مناسب ہے نہیں تجھکو
میں اور ترک محبت صرف یہ واللہ بہتاں ہے

۱- الف " کام ہے ہر ایکدم خبر زانو سے "
۲- ب " آئینہ نہ پھٹکا خطر زانو سے "

برنگ گل نہ ہووے باغ باغ اب کیونکر دل میرا
کہ خاطر خواہ عشرت کا میسر آج ساماں ہے
بس آگے شرم حائل ہے زیادہ کیا بیاں کیجئے
شگفتہ غنچہ گل یا چراغ زیر داماں ہے
دل بیتاب اب پامال حسرت ہو چلا یکسر
الٰہی اس گھڑی میرا کہاں سرو خراماں ہے
خفا ایماں مت ہو دیکھکر یہ چین جبیں ہرگز
تبسم زیر لب مانند غنچہ اس کی پنہاں ہے

[۵۹]

ہے آج وصل کی شب مت کہیں عبس نکلے
میرے بھی دل کی الٰہی کبھو ہوس نکلے
کہاں کا قصۂ مجنوں و کوہکن پیارے
کہ تیرے عشق میں ایک ایک سے سرس نکلے
نہ چاہ دولت دنیا کہ یہ ہے وہ گرداب
ہزار ڈوب گئے ہیں بچ کے دس نکلے
شکر لبوں سے حلاوت ہے کاوش گفتار
کہ جوں جوں پہنچ دو یہاں نیشکر کو رس نکلے
وہ عندلیب الٰہی چمن تلک پہنچے!!
ہوائے باغ میں جو توڑ کر قفس نکلے
یہ کوہ ودشت میں پھرتا ہوں تیرے بن فریاد
کہ سنتے ہی میرا نالہ دم جرس نکلے

جہاں کے باغ میں ایماں یہ نہ رکھو امید
کہ عندلیب سوا کوئی ہم نفس نکلے

[۶۰]

سوائے آب گہر کب وہ پاؤں دھوتا ہے
جیسے کہ نکہت گل سے زکام ہوتا ہے

تیرے بغیر فقط جاں بلب نہیں ہے جام
ہر ایک شیشہ بھی اب پھوٹ پھوٹ روتا ہے
جو کوئی دیکھے ہے چہرہ تیرا عرق آلود
ہر ایک تار نظر میں گہر پروتا ہے
نگاہ شوخ کی مجھ سے نہ پوچھ کیفیت
رگ جگر میں کوئی نیشتر چبھوتا ہے
حیا تو مردم بینا سے کرا ے طفل سرشک
تو خانداں کے تئیں اپنے کیوں ڈبوتا ہے
زمین عشق نہ دی دانہ سرشک سوا
کہ ایک عمر یہی کھیت ہم نے جوتا ہے
ادھر نہ جائیو زنہار اے نسیم سحر
پلنگ پر شب مہتاب میں وہ سوتا ہے
ستم شعار کو ایماں دل نہ دینا تھا
کہ ایسے لعل کو یوں کوئی مفت کھوتا ہے

[٦١]

کہاں اپنی غلامی سے ہمیں وہ شاد کرتا ہے
کئی شمشاد سے بندوں کو جو آزاد کرتا ہے
گلے میں بند ہوتی ہے مری ہچکی ہر اک دم میں
اگر بھولے سے وہ ناگاہ مجھکو یاد کرتا ہے
نہ باندھے کیونکہ قمری نقش پا میں آشیاں اپنا
قد رعنا ترا سایہ کے تئیں شمشاد کرتا ہے

وہ آخر دامن مقصود تک یکبار پہنچے ہے
رہ دلبریں اپنی خاک جو بر باد کرتا ہے
عبث ایمان رسوا ہیں چمن میں قمری و بلبل
خموشی کے سوا عاشق کہیں فریاد کرتا ہے

[٦٢]

صنم کی جب کہ وہ چشم سیاہ پھرتی ہے
جگر سے پار ہو پل میں نگاہ پھرتی ہے
کبھو حرم میں کبھو دیر میں تجھے پیارے
کہاں کہاں نہ لیے تیری چاہ پھرتی ہے
نسیم ہاتھ سے کس گلبدن کے ہے تاراج
کہ شہر شہر سدا داد خواہ پھرتی ہے
پلٹتے یوں ہیں مرے دل کو قتل کر مژگان
لڑائی مار کے جیسے سپاہ پھرتی ہے
تو ہر زہ گردیٔ مجنوں کا واں تماشا دیکھ
جہاں سے کوچۂ لیلیٰ کو راہ پھرتی ہے
کدھر گیا ہے دیار اثر خدا جانے
بھٹکتی آج تلک میری آہ پھرتی ہے
رواں ہیں یوں مرے دامن پہ اشک خوں جیسے
لٹی بہیر یہ حال تباہ پھرتی ہے
نہ وہ نسیم کا چلنا ہے نہ وہ آب رواں
نہ عندلیب کوئی گاہ گاہ پھرتی ہے
خزاں کے آنے سے ایمان باغ کا ہے یہ رنگ
کہ فصل گل تو پس از سال و ماہ پھرتی ہے

[٦٣]

کہو صبا کہ بلبل گلشن میں گھر نہ باندھے
صیاد داد پر ہے اب بال و پر نہ باندھے
آہو تو کیا چکارا میرا وہ شیر افگن
چیتے کے صید اوپر ہرگز کمر نہ باندھے
سوتا تو ہے یہ کیونکر چولی کے بند کھولوں
ڈرتا ہوں باندھوں کچھ وہ میرے پر نہ باندھے
مقدور ہو تو کیجے دنیا میں یہ منادی
جو شوخ ہو نکیلا تیغ و سپر نہ باندھے
جو صاف دل ہے اسکو آئینہ کی طرح سے
خلقت کے منہ کے اوپر لازم ہے ورنہ باندھے

دیکھے جو حسن شمع محفل کا ماہ رو کے　　دستار سر پہ زریں کوئی سیم پر نہ باندھ
کھولا ہے آنکھ جس نے تیرے جمال اوپر　　گر سحر سامری ہو اسکی نظر نہ باندھ

جو نام دے ہے اسکا کام و زباں کو لذت
ایماں یوں لبوں کو شہد و شکر نہ باندھے

[۶۴]

شرمندہ کب ہوں ظالم تیری جفا کے آگے　　یہ بات کہہ اٹھونگا اپنے خدا کے آگے
پان و مسی کو جس دم دیکھوں تیرے لبوں پر　　آتی ہے شرم مجھکو میری حیا کے آگے
کاکل کو دیکھتے ہی کیونکر نہ ہوش بھاگے　　کب ٹھہرتا ہے کوئی کالی بلا کے آگے
اسکی گلی کو جاوے گر اس طرف سے گلہ ہے[۱]　　اپنے کو خاک کر دے باد صبا کے آگے
بھیجا ہے خط کسو نے اتنا ہی کہیو قاصد　　میرا تو نام لیجو اس بے وفا کے آگے
کیونکر گروں نہ اسکے قدموں پہ دیکھتے ہی　　تنکے کو استقامت ہے کہہ ربا کے آگے

ایماں گرچہ افعی ٹکراوے اپنی جا پر
بل کھاوے تاب کیا ہے زلف رسا کے آگے

[۶۵]

نہیں ہے آج کی شب آسماں تاروں سے نورانی　　کیا ہے صفحہ کاغذ پہ قدرت نے افشانی
مرے فرماں میں رہتے ہیں سدا وحشی مضامیں کچھ[۲]　　کہ ہے طبع رواں میری مجھے تخت سلیمانی
اٹھ اب ایماں چل تو بھی چمن میں تو بہار آئی　　جمال گل کے ہر دم ہیں ثنا خواں مرغ بستانی
عجب یاران رنگیں نے طرح مجلس کی ڈالی ہے　　کہ اندر کے اکھاڑے کو نہ اسکا کیجے ثانی

۱۔ الف "میں خاک آپ کو تب کر دوں صبا کے آگے"
۲۔ ب "میری فرماں میں رہتے سدا وحشی"

گئی خورشید رو ایسے ہیں واں مسند نشینوں میں　　کہ[1] ہے گا ماہ بھی اس میں یک گوئے غلطانی

ادھر رقص پری رویاں ادھر طاؤس نوارہ　　دما دم دور صہبا ہے پیالے ہیں غزل خوانی

یہ ہے ہر شب دعا یں ہوں ہمیرا یہ مجمع رنگیں
نہ دیکھے خواب میں بھی اے خدا ردّے پریشانی

[۶۶]

آہ وہ کیدھر گئی فصل بہار دوستی　　دل میں کھٹکے ہے پڑا اب خار خار دوستی

کر گئے لالہ رخوں نے بسکہ نافرمانیاں　　رہ گئے ہیں داغ دل اک یادگار دوستی

کوہکن کا سر جدا اور کوہ کی بھی تا کمر　　کیا غضب ہتی ہے تیغ آبدار دوستی

خوب کی ہے آئینہ رو ہم نے بھی سیر جہاں　　سد اسکندر نہیں قول و قرار دوستی

آتش ہجراں کے شعلوں کے نہیں مانند شمع　　کب بجھا سکتی ہے چشم اشکبار دوستی

جان شیریں تلخ کرتا ہے کوئی بھی ناصحا　　اختیار اپنا نہیں اختیار دوستی

دام اے صیاد زیر خاک ہر گز مت بچھا　　یہاں بندھا تار نگہ سے ہے شکار دوستی

کیا کروں برق نگاہ شعلہ رویاں کا بیاں　　پھونک دے ہے خرمن راحت شرار دوستی

بادہ گلگوں اگر دے جور ہی تو غنچہ ساں　　کب پئے ہے خون جگر چھٹ بادہ خوار دوستی

جادہ اخلاص سے وہ منحرف گو ہو گیا　　لیکن ہے ثابت قدم یہ دوستدار دوستی

ماہ تو کی شام کیا ہے اور کہاں کی صبح　　لطف رکھتی ہے عجب لیل و نہار دوستی

سرگذشت کوہکن از بسکہ ہے پتھر کے لیک　　بے ستوں میں دیکھ لو نقش و نگار دوستی

بادہ الفت کی کیفیت نہ پوچھو کوئی کہ ہم　　کھینچتی ہے اب تلک یار و خمار دوستی

۱۔ ب ”کہ ہے اس بزم میں مہتاب بھی ایک کوئی غلطانی“　۲۔ ب ”یہی“

۳۔ نہیں کھلا

جاں تک بھی کام آجاوے تو ہے عین خوشی ۔۔۔ پھر مجھے یارب نہ کیجو شرمسار دوستی

اس قدر بھی جان کا دشمن نہ ہو اے دلشکن ۔۔۔ کچھ تو رہنے دے جہاں میں اعتبار دوستی

تاقیامت اسکو یارب دہر میں سرسبز رکھ ۔۔۔ تاقیامت جاناں ہے سر وجوے بار دوستی

شمع اوپر جان بعدِ مرگ پروانہ رہے

میں تو ہوں ایمان اتنا جاں نثار دوستی

[٦٧]

ایک[1] ہم بھی جاں نثار ہیں واللہ یار کے ۔۔۔ شرمندہ ایک دن نہیں بوس و کنار کے

بلبل ہم آشنا نہیں اس گلعذار کے ۔۔۔ پیغام دن میں پہنچے ہیں جسکو ہزار کے

خط آچلے یہ میٹ لے قسمت کا ہے لکھا ۔۔۔ کیا خوشنما ہے ناز گئے دن بہار کے

باتوں سے گرمجوشی کے پگھلا رہا ہے دل ۔۔۔ یہ زرگری ہمیں سے ایسے اوسنار کے

داغ جگر نے تیرے شہیدوں کے گل کیا ۔۔۔ تختے کھلے ہیں باغ میں اب لالہ زار کے

ایمان ہم کو فوج مخالف سے کیا ہے خوف

بندے ہیں دل سے ہم شہ دلدل سوار کے

[٦٨]

زلفوں کا صنم کے جو کبھو تار الجھ جائے ۔۔۔ شانہ سے مرا دل وہیں ایکبار الجھ جائے

گلگشت چمن کا تو نہ کو غنچہ دھن عزم ۔۔۔ دامن سے مبادا کوئی واں خار الجھ جائے

ناحق نگاہ یار کو مجھ دل سے ہے کاوش ۔۔۔ جسطرح کسو شخص سے میخوار الجھ جائے

گزرے تو کبھو عشق کے بتخانہ سے اے شیخ ۔۔۔ سبحہ سے تیرے رشتہ زنار الجھ جائے

---

۱. ب "ایک ہم بھی جاں نثار ہیں محفل ہ یار کے"

۲. الف "ہو"

جھجھلانے کا اس شوخ کے نادر ہے تماشا
زیور میں جو پھولوں کا کبھو تار الجھ جائے

پیچوں میں پھنسا زلف کے جسطرح میرا دل
یوں دام میں کب مرغ گرفتار الجھ جائے

اوروں سے ہے ایمان اسے صاف ملاقات
ہر بات میں مجھ سے ہی ستمگار الجھ جائے

[۶۹]

کفر نہیں ہے اے صنم ہم سے جو تو ملا کرے
بندوں پر اپنے مہرباں تجھکو کہیں خدا کرے

دل میں تو اپنے غور کر اے بت خود نما کبھو
جور و جفا کہاں تلک کوئی بھلا سہا کرے

ہم نے دریغ جان و دل تجھ سے کبھو کیا نہیں
کچھ بھی ہے یار خوشنما ہم سے جو تو دغا کرے

تو نے جفا ہزار کیے گرچہ ہماری جان پر
اپنی دعا تو ہے یہی تیرا خدا بھلا کرے

دل ہی تو ہے سنا میاں اب نہ کہیں واسوخ
خوب نہیں ہے اس قدر تو جو ہمیں خفا کرے

یہ بھی کوئی شعور ہے ٹک تو سمجھ خدا سے ڈر
تجھ سے جو کوئی وفا کرے اس پہ ہی تو جفا کرے

دل کو وہ چھین لے چلا منہ ہی بس دیکھتا رہا
جسکا نہ زور چل سکے چپ نہ رہے تو کیا کرے

اس سے ہی تجھکو کاوشیں رہتی ہیں یار رات دن
دل سے جو تیری جان کو شام و سحر دعا کرے

گو کہ نہ ہمکنار ہو مجھ سے بھلا حجاب سے
ٹک تو سلام کو کبھو ہاتھ کہیں اٹھا کرے

اتنی بھی کیا ہے صاحبیں ٹک تو زباں سنبھالیے
تا بکجا یہ گالیاں کوئی بھلا سنا کرے

کیجے ایمان کیا آہ غضب وہ رشک ماہ
اوروں سے بے حجاب ہے مجھ سے ایک حیا کرے

[۷۰]

خدا کرے نہ تجھے کوئی مجھ سوا چاہے
اگر ہو یوسف مصری تیری بلا چاہے

ا۔ب "جسطرح پھنسا زلف کے پیچوں میں مرا دل"

یہ ایک دل ہے میں کس کس کی اب نیاز کروں
ادھر کو خال جدا خط ادھر جدا چاہے

ہیں تیرے نام بدلے شمع رو ہوں پروانہ
کوئی کسو کو سر میں اس سے اور کیا چاہیے

ہزار جان و دل اپنا فدا کرے کوئی
نہووے یہ کہ کسو کو وہ بے وفا چاہے

قسم ہے وصل کی دولت سے ایک بار مجھے
نہال کر دے ابھی گر وہ دلربا چاہے

جو یوں ہی رنج ہوں پوشیدہ اس محبت میں
کوئی کسو کو نہ دنیا میں برملا چاہیے

کروں میں اس سے کنارہ وہ مجھ سے لپٹا جائے
نہیں مجال ہے ایمان گر خدا چاہے

[۷۱]

یہ بھتا ہے آج قیس کا یہاں سلسلہ مجھے
جنگل کی راس کیوں نہ ہو آب و ہوا مجھے

آنا اگر تیرا نہیں ہوتا ہے میرے گھر
دولت سرا میں اپنے ہی اک دن بلا مجھے

وہ ہووے اور میں ہوں اور ایک کنج عافیت
اس سے زیادہ چاہیے پھر اور کیا مجھے

پیدا کیا ہے جب سے کہ میں ربط عشق سے
بیگانہ جانتا ہے ہر ایک آشنا مجھے

کافر بتوں کی راہ نہ جا آخرا کو مان
پیر خرد نے گرچہ کہا بارہا مجھے

پر کیا کروں کہ دل ہی نہیں اختیار میں
اس خانماں خراب نے عاجز کیا مجھے

پہلے ہی اپنے دل کو نہ دینا تھا اسکے ہاتھ
ایمان اب تو کوئی پڑی ہے وفا مجھے

[۷۲]

روتے روتے نہ فقط دیدہ تر بیٹھ گئے
یہ جھڑی وہ ہے کہ جس سے کئی گھر بیٹھ گئے

زلزلے سے میری وحشت کے نہ گھر بیٹھ گئے
خاک میں کوہ بھی سب تا بہ کمر بیٹھ گئے

ا۔ الف ''جیسے''

ہم جب آئے ہیں تیری بزم میں اے رشک چمن — نہ کیا غور کسو نے کہ کدھر بیٹھ گئے

تیری آنکھوں سے میری جان حیا کر کے حباب — قعر دریا میں سب ہی مثل گہر بیٹھ گئے

استقامت نہیں جلوہ کی تیرے حسن کے آب — دور سے دیکھ تجھے ایک نظر بیٹھ گئے

بے مزہ ہو کے تیری بزم سے اٹھ جانے پر — سیکڑوں مرتبہ ہم باندھ کمر بیٹھ گئے

پائداری نہیں یاران جہاں کو ہرگز — اٹھ کے ٹک ایک وہیں مثل شرر بیٹھ گئے

دشت میں مثل بگولے کے تیرے دیوانے — ہو کے دو چار قدم خاک بسر بیٹھ گئے

ہم نے ایمان گلی اسکی کے جوں نقش قدم
قصد جانے کا کیا لاکھ ہی پر بیٹھ گئے

[۷۳]

قامت کو تیرے دیکھ کے شمشاد گر پڑے — سایہ کی طرح پاوں پہ آزاد گر پڑے

وہ حسن عقل سوز خدا داد ہے تجھے — صورت کو تیری دیکھ کے بہزاد گر پڑے

گلشن میں دیکھ سرو کو اے خوش خرام ناز — تیرا خیال کر کے یہ ناشاد گر پڑے

دیکھے جو میری چوٹ کو مصرع کی طرح — بے اختیار کانپ کے فصاد گر پڑے

ایمان جاں کنی جو مری دیکھے ایکدم
تیشہ کو سر پہ مار کے فرہاد گر پڑے

[۷۴]

حسن تیرا ہے شمع مجلس کی — آنکھ جھپکی ہے تجھ سے نرگس کی

روبرو ہو ترے پری یا حور — آج طاقت ہے اے صنم کس کی

فتنۂ خفتہ جاگ اٹھتا ہے — لی ہے ایسی ادا سے کچھ سسکی

ایک ہی بے وفا ہے دختر رز　　لیتے ہی عقل و ہوش بس کھسکی

یہ ہے ایمان تربیت کا فیض
دیکھو اکسیر بن گئی مسکی

[۷۵]

میری امید بھی یا رب بر آوے　　جو مجھ بر میں کبھو وہ دلبر آوے
نہ پوچھو احوال میرا اے ستمگر　　مبادا کچھ شکایت منہ پر آوے
نہ جاگے تیری آنکھوں کا سیہ مست　　اگر بالیں پر شور محشر آوے
ہماری خاک پر گو تو نہ رو یا　　ہمیشہ ابر با چشم تر آوے
جہاں تجھ زلف کا مارا ہو بیمار ے　　غبار ہے اس کے بوے عنبر آوے
کہوں شیشہ سے اپنا درد دل میں　　تو چشم جام بھی ایک دم بھر آوے

وہ ہے ایمان عشاقوں میں سردار
کہ جسکا دار کے اوپر سر آوے

[۷۶]

جب آنکھیں ہو گئیں چار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
تفصیل نہیں درکار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
جنبش ابرو ادھر سے اور سر کا جھکانا ادھر سے[1]
یہ باتیں ہیں اسرار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

۱- ب: " ابرو کا اشارہ ادھر سے اور سر کا جھکانا ادھر سے "

انگڑائی اگر لی ہم نے یہاں تو زلفیں کھولیں تم نے وہاں
کیا جانتے ہیں سب یار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
یاں غنچہ جدم ہونٹ ہوئے واں گال خوشی سے پھول گئے
کہنا نہیں زنہار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے !!
کوئی دید اڑاوے حسن کی یاں لے جاوے کوئی دل عشوہ سے
کیا فائدہ ہے اظہار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
کچھ عیب نہیں ہے بوسہ کا ہو جاوے اگر سرگوشی میں
یہ آپس کا ہے پیار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
وہ نکتہ شناس ایمان مجھے کہتا ہے سخن ہر وقت یہی
بس اب نہ پڑھو اشعار میاں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

[۷۷]

قصہ تو زلف یار کا طول و طویل ہے — کیونکر ادا ہو عمر کا رشتہ قلیل ہے
گنجائش دو شاہ نہیں ایک ملک میں — وحدانیت کے حق کی یہی بس دلیل ہے
شہد پہ دل کے دیدہ گریاں پکار دے — پیاسا نہ جا بنام شہیدان سبیل ہے
نظریں لڑانے میں وہ تغافل ہے خوشنما — جس طرح سے پتنگوں کے پیچوں میں ڈھیل ہے
ایمان کیا بیان کروں اس شہسوار کا
حاتم جلو کے بیچ جہاں جبرئیل ہے

[۷۸]

نقش پذیر سنگ ہے صورت جانخراش سے — شیریں ہے کار کوہکن آوازیت تراش سے
کہتے ہیں گرچہ رشک حور وصل تیرا بہت ہے دور — ہم نے کیا نہیں قصور اپنی غرض تلاش سے
تیرا مریض اسقدر اب تو زمیں کو لگ گیا — نقش حصیر کی طرح اٹھ نہ سکے فراش سے

بزم برنگ مو قلم چہرہ کش رد (اسکے) ہو — خامہ سخت کا ہو سر قطع قلم تراش سے

دیدہ منتظر کو کب راحت و عیش کا خیال — خواب میں بھی نہ ہو دوچار مخمل خوشقماش سے

جس نے کہ جیتے جی کبھو وصل سے خوش کیا نہیں — خاک کریگا وہ سلوک بعد ہماری لاش سے

مشرب عاشقاں ہو کیونکر نہ ہووے جائے رشک — فکر نہ واں معاد کی اور نہ غرض معاش سے

(جائے نہ پھر کے) مہمان بزم میں دیکھو کہیں — کاسہ ہنوز شیخ جی پر ہے ایسے ہی آش سے

کیوں نہ بدل صنوبر اب مجھکو ہو باغباں عزیز — ہووے ہر اک کو اتحاد اپنے تو خواجہ تاش سے

پوچھئے لطف اس سے ہی سیر بہار و باغ کا — ہووے جسے کہ اختلاط گلرخ یار باش سے

مہر کی خونریزی سے کب کوئی ہوا ہے شاد کام — کھولے ہے روزہ ایک خلق تیرے ہلال قاش سے

اس سے تو ایراں کیا کیجئے وفا دیتہ گی
جس نے نہ خوش کیا کبھو تھوڑی ہی شاہ باش سے

[۷۹]

جوں زلیخا اسقدر اب کے صبا بے باک ہے
شل یوسف جسکے ہاتھوں دامن گل چاک ہے

کب ملا سکتا ہے ساغر آنکھ اسکی آنکھ سے
گوشہ چشم جس نیکش بدمست کا سرناک ہے

گرد باد آسا پھرے ہے سر بصحرا روز و شب
خاک پر ہی اپنی اب تک گردش افلاک ہے

دیدہ عشاق کب ملتا ہے وہ پاؤں تلے
جسکے گلبرگ کف پا کی صبا دلاک ہے

۱۔ "جائیو پھر مہماں"

اب ہیولا میں نہیں معلوم ترے اے گلال
اسقدر آمیختہ کس دل جلے کی خاک ہے
اتنی آتش بار ہے اب تک پہچانا نہ جائے
شعلہ جوالہ ہے یا کوزہ گر کا چاک ہے
کون گل اندام کا ارمان اس کو ہے فراق
دیدہ شبنم چمن میں ہر سحر نمناک ہے

[۸۰]

سرمہ گر چشم سے اپنے وہ خوش ابرو پونچھے
گرد خجلت کو سوا دیدہ آہو پونچھے !!
دیکھ شبنم کے تئیں صبح یہ کہتی ہے نسیم
اس چمن میں نہ کوئی روتے کے آنسو پونچھے
رنگ گلشن سے شفق روئے فلک سے اڑ جائے
اپنے ماتھے سے وہ کافر کبھو کو پونچھے
چاہتا تھا کہ سیجے سرخ ہے مخمل کا نیام
کاہے کو تیغ سے قاتل مرا لہو پونچھے
دیکھکر شبنم و گل شرم سے غرق !!
جب کہ چہرہ سے پسینے کو وہ مہرو پونچھے
لیلتہ القدر کی ارمان خجل ہو شبنم
جب نہا دھو کے وہ رومال سے گیسو پونچھے

چاہتا تھا کہ سیجے سرخ ہے مخمل کا نیام
کاہے کو تیغ سے قاتل مرا لہو پونچھے

دیکھ کر شبنم و گل شرم سے غرق
جب کہ چہرہ سے پسینے کو وہ سرو پونچھے
لیلۃ القدر کی ایماںؔ خجل ہو شبنم !!
جب نہا دھو کے وہ رومال سے گیسو پونچھے

[۸۱]

منزل کو پہنچے وہ جو سحر قافلے چلے
ہم راہ میں رہے بہت دن ڈھلے چلے

گلشن میں جو نہال تھے پھولے پھلے چلے
تم میرے ساتھ سیر کو اب تک بھلے چلے

ہاں خواب گاہِ یار میں جاتی تو ہے صبا
ایسا نہ ہو کہ بات بھی کوئی بلے چلے

کیوں بزم سے ہمارے اٹھانے پہ گرم ہو
مانندِ شمع جب کہ سراپا جلے چلے

روکے سے ہم کسو کے بھی رکتے ہیں پھر کہاں
مثلِ نسیم باغ سے جس دم چلے چلے

لیتا ہے آج کیتے ہیں وہ عرضِ عاشقاں
ہتیار باندھ کے سب من چلے چلے

مرتا نہیں ہے تو خلل اندازیوں سے باز
مرغِ سحر کہیں ترے خنجر گلے چلے

شور و فغاں و گریہ و اندوہ درد و غم
آخر ہمارے ساتھ یہ سب مشغلے چلے

ایماںؔ اس جہاں سے بجز بارِ معصیت
افسوس صد ہزار کہ ہم کچھ نہ لے چلے

قصائد

قصیدہ در نعت سرورِ کائنات جناب رسول اکرم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم

(۱)

ہر چند غرق ہم رہے جوں گوہر آب میں
لیکن کبھو کیا نہیں دامن تر آب میں

ساقی نہیں ہے یہ گلِ نیلوفر آب میں
رکھا ہے میکشی کے لیے ساغر آب میں

حیراں ہوں میں حباب کے ہر دم شعور پر
خانہ خراب باندھے ہے اپنا گھر آب میں

سیراب یہ نہ جانیے لالہ کا ہر ورق
تر عاشقوں کے خون کا ہے خنجر آب میں

سینہ کی یہ صفا ہے کہ آتا ہے دل نظر
جیسے نظر پڑے ہے ہر کس کنکر آب میں

ہر موج میں ہے جلوہ نسیم بہار کا
کرتا ہے جب شناور چمن پیکر آب میں

ظالم مرقع ہے نالہ افسردہ اس طرح
شمشیر جیوں بجھا دے ہے آہنگر آب میں

ہر اک زبانِ موج سے تھا شورِ جوشِ عشق
منصور کی جو ڈال دی خاکستر آب میں

ہے سیلِ اشک دیدۂ عشاق کو سفید
تازہ رہے ہے جیسے گلِ عبہر آب میں

پروازِ مرغِ اوج ہوا پر فقط نہیں
ماہی کو بھی خدا نے دیے ہیں پر آب میں

کشتی وہیں پہنچتی ہے چاہے جہاں خدا
گر ناخدا ہزار رکھے لنگر آب میں

یوں جلوہ گر ہے آئینہ میں عکسِ خالِ یار
جیسے ہو خوشنما گلِ نیلوفر آب میں

زائل کسو طرح نہ ہو قسمت سے تیرگی
زنگی ہزار دھو دے اگر پیکر آب میں

پہنچا تری کی راہ سے آتش میں بے گماں
فرعون کا جو غرق ہوا لشکر آب میں

گویا زبانِ حال سے یہ سطرِ موج ہے
کب معنیٔ ثبات ہے نقش بر آب میں
ایمان کیجے ایسے شہنشاہ کی ثنا
لرزے ہے جس سے عکس شہ قادر آب میں
ہیبت سے جس کے عدل کے اب جسکے روبرو
رہتی ہے موج شام و سحر مضطر آب میں
یہ امن ہے کہ شیشۂ خالی حباب کا
پھوٹے نہ گر ہزار چلے صرصر آب میں
جس کے قدم شہود میں رکھتے ہی غیب سے
کسریٰ کا قصر بیٹھ گیا یکسر آب میں
یعنی رسول خاتم و محبوب ذوالجلال
تر سب ملل کا جس نے کیا دفتر آب میں
واللیل جس کی زلف کی ہے شان میں نزول
ڈوبا اسی کی شرم سے جا عنبر آب میں
جاری ہوا ایک نہر ہر انگشت سے وہیں
رکھے وہ اپنا پنجۂ معجز گر آب میں
شیریں ہے اس کے آب دہن سے یہ چاہ شور
گویا کہ گھول دی ہے ابھی شکر آب میں
بیشک اسی کے چشمۂ نوشیں کی شرم سے
ڈوبا ازل کے روز سے ہے کوثر آب میں
برسایہ اس کا ابر کرم ہے کہ آج تک
آب گہر صدف کا بھرے ساغر آب میں
جسکا یہ عدل ہے کہ ہر ایک غوک ناتواں
عہدے سے تیٔ نہنگ کے آوے بر آب میں
دریا ہوا اس کے قہر کا ملک موج زن کبھو
پل مارتے ہیں غرق ہو بحر و بر آب میں
ہوتا ہے آب تیغ رواں اس کا جس جگہ
شکل حباب بہتے ہیں لاکھوں سر آب میں
بخشا جواہر اس کے کیس دست فیض نے
نے لعل کان میں رہے نے گوہر آب میں
دست حفاظت اس کا ہو سایہ فگن اگر
یاقوت کی طرح سے رہے اخگر آب میں
یا شافع امم یہ تمنا ہے بعد مرگ
رحمت کے غرق کیجو مجھے یکسر آب میں

۱۔ الف۔ اکثر ۲۔ الف ”نسب“

درمنقبت مظہر العجائب و الغرائب حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ

(۲)

ساقی پلا شراب کہ ہے موسم بہار
دل چاہتا ہے کیجے گلگشت لالہ زار

چاروں طرف سے ابر امنڈ آئے ہیں سیاہ
بجلی بھی نسیہ چمکے ہے جیوں تیغ آبدار

کوئل سا کوکتا ہے پپیہا بھی نشاط خیز
بن بن کے ناچتے ہیں گے طاوس تاجدار

ہر گرد باد سبز ہے جیوں سرو بوستاں
ازبسکہ کوہ دشت میں اے ابر فیض بار

اس سال یاں تلک ہے ہوا دلکشا کہ سبز
پتھر کو پھوڑ نکلے ہے باہر ہر ایک شرار

صحرا کے جب پہاڑوں پہ کرتا ہوں میں نگاہ
کئی کئی طرح کا وہم گزرتا ہے بار بار

زنگار رنگ خیمے ہیں استادہ بے ستون
یا عکس آسماں کا ہوا ہے یہ آشکار

یا ابر ہیں زمیں پہ اتر آئے سیر کو
یا سبز ہو رہے ہیں سراپا یہ کوہسار

گلشن میں اس جہان کے توام ہیں عیش و طیش
گر حوض ہنس رہا ہے تو روتا ہے آبشار

سنبلستاں کی لہروں سے ظلمات ہے نمود
جاری ہے آب حیواں ہے ہر ایک جوئبار

رقصاں نہیں گلاب کا فوارہ باغ میں
الماس کے درخت نے موتی کا لایا بار

ہے آسماں یا کہ یہ سٹڑوا ہے تاک کا
یا کہکشاں کے پل میں ہے پروین خوشہ دار

غنچہ بھی اب شگفتہ دلی کی ہے فکر میں
گل بھی کرے ہے قہقہہ چاروں طرف ہزار

نرگس بھی آنکھ کھول کے گلشن میں چو طرف
خالی ہے جائے دیدہ کہتی ہے بار بار

چمپا، چنبیلی، سیوتی، ستبو، گلاب کی
مہکار اس قدر ہے ہر ایک جائے بے شمار

آتا ہے جو کہ سیر کو کہتا ہے ہر گھڑی
گلشن ہے یا کہ یہ ہے ختن یا ہے یہ تتار

شبنم کے آب پاک سے بلبل بھی کر وضو
پڑھتی تھی ہر سحر کہ یہی شعر آبدار

۱؎ الف "ہے"

بیٹھا ہے تخت جشن پہ گل ہو کے تاجدار — قمری ہر اک نقیب ہے اور سرو چوبدار
رہتے ہیں ماہ و مہر تو مت ابر میں نہاں[۱] — ظاہر ہے تب بھی باغ میں کیا لیل کیا نہار
گئی چاندنی سے رات کو ہے سیر چاندنی — سورج مکھی سے دن کے تئیں دھوپ آشکار
ایمان کی بہار ہے گلشن میں اب کے سال — سوسن بھی اب زبان سے کہتی ہے یہ پکار
دولت چمن کی اور زیادہ ہو دمبدم — یا رب تو اس سے دور ہی رکھو جور روزگار
پوچھا میں باغباں سے بتا تو سمجھی[۲] مجھے — کس کے ہے فیض علم سے یہ رنگ نوبہار
کہنے لگا کہ کیا تجھے معلوم ہی نہیں — حق نے عطا کیا ہے جسے تیغ ذوالفقار
یہ سنتے ہی درود و تحیات بھیج کر — میں نے کہا جناب معلیٰ میں یہ پکار
عاجز ہوں روسیاہ ہوں مشکل کشائے من — مطلع یہ صدق دل سے پڑھتا ہوں لاکھ بار

مطلع ثانی

بے شبہ جانتا ہوں کہ اے صاحب اقتدار — ساری خدائی میں تو ہے تیرا ہی اختیار
اک عمر سے غریق ہوں نیل گناہ میں — کشتی پھنسی ہے آن کے دریا میں منجدھار
تیرے سوائے کوئی نہیں دادرس مجھے — اے ناخدائے نوح ہے[۳] تیم اب لگا دے پار
دونوں جہاں میں آبرو رکھ لے غلام کی — آتی ہی التجا ہے بہ حسنین دہشت و چار
بندہ ہوں، کمترین ہوں، تیرا غلام ہوں — یا مرتضیٰ علی ولی، بشر کردگار
تیری سخا و جود کا میں کیا بیاں کروں — دست کرم کے آگے ہے نیساں بھی شرمسار
جیوں داغ و لالہ آتش و باروت ایک جا — تسخیر کیا ہے عدم نے اے شاہ شہسوار[۵]
تیرے غضب کی دہاک سے ہو جاوے پل کے بیچ — ماہی سے لے کے عرش تلک رعشہ ایکبار
روز نبرد جب تری شمشیر ہو علم — فوج عدو پناہ نہ پائے بجز فرار
گا ہے اگر مزاج میں ہو شوق امتحاں — الماس کے پہاڑ کو کافی ہے ایک وار

---

۱ الف "یہاں" ۲ الف "ہے" ۳ الف "صحیح" ۴ الف "ستم" ج "وشم" ۵ شاہوار (الف)

دُلدل کے تیرے جلدی کی تعریف کیا کروں — اُچکے ذرا ہی باگ اگر ہو کے تو سوار
پہنچا پلک کے مارتے پیک نظر کی طرح — لے کر زمیں سے تا بہ فلک ہے یہ آشکار
قوسِ قزح ہے لیزم و گرد ہے آسماں — تعلیم تیری دیکھ کے حیراں ہے روزگار
مقدور کب ہے جن و بشر کی زباں کو — جو تیری منقبت میں کرے کچھ گہر نثار
فردوس تیرے دوست کا مسکن مدام ہے — دوزخ میں دشمنوں کا ہے تیرے ہمیشہ کار

———— (٭) ————

جلوسِ آصفی

قصیدہ در مدحِ خسروِ شش صوبۂ دکن یعنی میر نظام علیخان بہادر

(۳)

شکر للہ اب سعادت پہ ہے دورِ آسماں
راحت و آرام سے معمور ہے سارا جہاں

دم کرے ہے چار طرف بادِ صبا افسونِ عیش
ہر سحر اقبال لاوے رونما آئینہ ساں

کھولتی ہے شام بھی اب زلفِ لیلائے مراد
حس کی بوے روح پرور سے معطر ہے جہاں

سبز سیارہ اب فرخندگی کی حبال پر
ایک ہی باقی نحوست کا نہیں ذرہ نشاں

کشتِ امیدِ خلائق سبز کرتا ہے زحل
مشتری بھی اب ہوا ہے حامیٔ امن و اماں

پیشۂ جلادی اپنا کر دیا بہرام ترک
پنجۂ خورشید ہی یک دست جنگ پر زر فشاں

فتنہ آرائے نشاطِ عیش ہے ناہید بھی
اور عطارد ہے دبیرِ نامۂ عشرت نشاں

طے کرے ہے اب منازل پہ سعادت کے تمام
روز و شب درجہ بدرجہ ہر دقیقہ ہر زماں

منقلب رفتار اپنی چھوڑ کر راس و ذنب
راہ پر آئے سعادت کی بسانِ راستاں

آبیارِ گلشنِ راحت ہوئے آ کر بروج
اور رضا کی بانیٔ دولت سرائے جاوداں

شمع افروزی میں بزمِ عیش کہ ہیں آتشی
اور بادی بھی ہو اور مزاجِ انس و جاں

شرق سے تا غرب خطِ استوار کا حکم ہے
بس کہ ہے تابندہ یکساں آفتاب اندر جہاں

ایک ہیئت پر ہے سایہ کیا بعید و کیا قریب
فرق اصلا ہے نہیں روز و شب نہ اب دلہ عیاں

منبسط ہے کیف و کم ہیں سے مرکب تا بسیط
یاں تلک ہے مستوی نقصِ زمانہ اب رواں

مبتسم گردوں ہیں ہر دم رنگ صلح موزوں
ہو گئے عالم سے اب آثارِ رتبہ نہاں

ے ج ۔ زاد بھی "

چار عنصر کو بہم پہنچا مزاج اعتدال
ہیں موالید ثلاثہ بھی سراپا شادماں

اس قدر پایا ہے تنقیہ دماغ روزگار
جز رطوبت کے یبوست کا نہیں ہرگز نشاں

صبح کی مانند احیا اب ہوئے عظم رمیم !!
کام عالم میں ہے اعجاز مسیحائی عیاں

شرح اسباب علامات اب کہاں تک کیجے
جلوہ گر آیات صحت نے زمیں تا آسماں

الغرض ایمان پوچھا میں نے پیر چرخ سے
کس کے ہے یہ عہد راحت عہد سے امن و اماں

سن کے اس نے مجھ سے بولا کیا تجھے معلوم نہیں
پرورش پایا ہے تو دولت سے جسکی آجواں

یعنی نواب سلیمان قدر آصف جاہ عصر
عادل و اکرم نظام الملک عالی خانداں

سنتے ہی یہ نام اقدس میں کہا کیا پوچھئے
وہ کریم ابن کریم و بازوئے صاحب قراں

گوہر درج سیادت، اختر برج شرف
جوہر شمشیر جرأت سر گروہ اشجعاں

ابتدا سے پرورش پایا ہے میر گوشت پوست
مو بمو اس کے نمک سے اب تلک تا استخواں

گرچہ شعر و شاعری میں کچھ نہیں مجھ کو شعور
پر ادا کرتا ہوں میں حق نمک کو اب یہاں

سرفرد ہو کر شتاب اے خامۂ رنگیں نگار — مطلع
مطلع انوار سا لکھ مطلع روشن بیاں

تو ہے وہ مہر جہاں افروز و ماہ مہرباں
روز و شب تجھ سے منور ہے زمیں تا آسماں

بادشاہی کیوں نہ دیوے زیب اے افسر تجھے
چتر ہے سر پر ترے فضل خدا کا ہر زماں

پالکی کا بھی ترے ہے اس قدر پایہ بلند
ہے بجا کہئے اسے گر ہمسر تخت رواں

ذات عالی سے تری راضی ہیں عالم میں شہا
ہے طیور و وحش و دام و دد سے و تا انساں [illegible]

دولت و حشمت تری مثل سلیماں کیوں نہ ہو
تجھ میں اور اس میں ہے یک فرق نبوت درمیاں

مدح تیری صرف میں لاوے نہ کوئی نحو سے
افعل التفضیل کے صیغہ کا عامل بھی یہاں

باندھے جو معروف مضموں تجھ ثنا و وصف میں
ہے مرے نزدیک وہ مجہول و مکسور اللساں

علم منطق تجھ صواب رائے کا ہے ایک جز
فکر میں تیری خطا کو رہ نہیں ہے بے گماں

ہے سخن موضوع میرا صدق سے ہر شکل میں
جانیو مت اب کہیں محمول بر کذب بیاں

میں لکھوں ہوں یہ مضامین بدیہی یک قلم
شعر میں میرے نہ پایا جائے نظری کا نشاں

ذات عالی سے تری پیش قیاس خاص و عام
بے گماں انساں کامل کا نتیجہ ہے عیاں

جیوں پر جبریل از بس لے تھا تیرے سپر سا
ذرہ ذرہ سہم سے اس کے پکارے الاماں

جبکہ برج قوس میں تحویل ہو تیر فلک
تجھ صفا تنے شست کی تعریف لکھتا ہے وہاں

تیرے گھنگھروں کا لکھے جو ایک ذرہ حسن و لطف
میرے شبدیز قلم کی اس قدر طاقت کہاں

زین اس پر جس گھڑی سکا مرصع کا بندھے
تجھ سواری میں کرے بن بن کے بجلی دیداریاں

تخت طاؤسی کہوں یا گردہ اسپ براق
برق تازی کا تو اس کی جھم جھم ہو گئی گریباں

باگ کا ہلنا تو ہے دشوار یوں نور نظر
جنبش ہر گام سے اڑ جاتا ہے وہ تا آسماں

نوک بھالے کی زمیں پر ٹیک کر اٹھے شہسوار
تا کہ اٹھتے پلٹا گھوڑے جس دم تو کا آئے پر رواں

ہر پلیٹ میں اس قدر شائستگی سے وہ پھرے
گردشیں پرکار میں یہ حسن و یہ خوبی کہاں

چلتے ہیں تیرے جلو میں آفتاب و ماہتاب
جس کو یہ باور نہ ہو وہ دیکھ لے تیرے نشاں

کیا کہوں اقبال تیرا دیں بنا یا روز رزم
جلوہ گر میداں میں ہو وہ جب نشان زرفشاں

فوج اعدا کی سپاہی یوں چھپے پل مارتے
طلعت خورشید سے جس طرح شب ہووے نہاں

جیسکا انموذج کبھی ہوتی نہیں صد فصل گل
کیا کروں رنگینی افواج کا تیری بیاں

موسم برسات میں جیسے امنڈتے ہیں سحاب
چو طرف سے دستہ دستہ اس طرح ہوویں رواں

صدمۂ سم ستوراں سے لرزتی ہے زمیں
گرد لشکر سے ملے چشم کواکب آسماں

جن و انساں بولتے ہیں ذالک یوم النشور
شور جس دم کرنائے رزم کا ہووے عیاں

نقش ماہ شش جہت ہیں یہ ترے اقبال نے
گر گیا مغلوبہ نراد فلک کا تختہ سناں

روک لے مہرہ کو جیسا ششدر و بسا لہ دار
اس طرح دشمن کو تری فوج گھیرے درمیاں

بیذق شطرنج کیا رتبہ کو پہنچے شاہ کے
کج خرامی سے اگر فرزیں کا ہوتے ہم عناں

جز دغل بازی نہیں تیرے عدو کی کچھ بساط
مات ہونے کے سوا رخ کو دکھاتا ہے کہاں

سر مخالف کا تراشے ہے ترا یک غلام
تاج شاہی زیب دیتا ہے تجھ کو اے فخر زماں

ع ج "دمداریاں" ع۲ الف بیٹھا

آیہ نصر من اللہ سورہ فتح مبین
واسطے تا ابد کے تیرے ہمیشہ ہے عیاں

دشمنوں کے دمبدم پامال سر ہوں جیوں ۱؎
فوج دریا موج تیری جسطرح ہووے رواں

شادیانوں کی تیرے پہونچی ہے نوبت یاں تلک
دلکشی کا اُن کی آوازہ ہے تا افلاکیاں

تو ہے خورشید اور عماری ہو بہو برج حمل
شکل ماہ نو کلیک اور فیل گویا آسماں

کیوں نہ ہووے عید نور وز اس میں تجھ کو دیکھکر
خلق کے تیئیں اے شہ قرباں رو ائے انس و جاں

وہ عماری مکلل اور فیل باشکوہ
وہ ستاروں کی چمک سے زر دیا جوں کہکشاں

بھول جاوے دیکھ کر جس کو تری باغ ارم
اس قدر مستک پہ اُس کی رنگ آمیزی نشاں

عہدہ داروں سے جلو میں ہوں شگفتہ مثل چمن
روبرو چھالے ہیں اُس کے ہو بہو سرو رواں

اُس کے اب وصف و ثنا میں فکر قاصر ہو گئی
غیر اس مضموں کے شاہا کیا کہے میری زباں

گلشن کشمیر میں بنگلہ مرصع کار ہے
ہیئت مجموع سے یوں حسن اس کا ہے عیاں

ہے بجا بطرح تجھ کو وہ عماری زرد فام
لون فاتح سے کیا اللہ نے جس کا بیاں

اُس عماری بیچ تجھ کو دیکھ ہاتھی پر سوار
کام کرتا ہے یہی وہم و خیال شاعراں

ذات والا ہے تری گویا کلیم بے نظیر
طور سینا فیل وہ رنگ تجلی ہے عیاں

جلوہ افروزی تری میں کیا کہوں ہودہ کے بیچ ۲؎
ماہ تاباں جسطرح ہالے میں ہو بر آسماں

اور خواصی میں تری دونوں بہادر کی نشست
جس قدر ہے زیب افزا کیا کروں اسکا بیاں

بے شک و لا ریب یہ برجیس و بہرام فلک
نیر اعظم سے پائے ہیں سعادت کے قراں

حشر تک یہ دولت و اقبال قائم کیوں نہ ہو
ہیں تیرے اعیان و ارکان بہتر از سیارگاں

نامہ عالی پہ مہر خاص روشن مثل مہر
کیوں نہ ہو ممتاز مثل مہر دبیر آسماں

بہتر از ستان و شکوہ فرق دان برج حوت
ہے سواری میں تری ماہی مراتب بیگماں

اس قدر رکھتے ہیں صولت ساتھ نقارے ترے
شور جن کا غلغلہ افگن ہے تا ہفت آسماں

۱؎ الف میں ہے ... ۲؎ نسخہ ج جلوہ افروزی تری ہوں کیا کروں بنگلے کے بیچ

ذکر تیری بزم کا جوں چاہیئے کب ہو سکے / بزم آرائی کا تیری کیا کروں میں اب بیاں

جام جم ہے دیدۂ لبریز حسرت جس کو دیکھ / "خون دل" کا قوس و کے پیوستہ ہر زماں

غیرت باغ ارم تیرا ہے وہ عشرت محل / جس کا ہر اک طاق رشک چشم ابروئے بتاں

شامیانہ ہے تری مسند پہ واں اس ٹھاٹ کا / چتر شاہنشاہی میں یہ شان و شوکت ہے کہاں

اس قدر ہے جا بجا رنگیں لباسوں کا ہجوم / جس طرف دیکھو تو ہے رشک بہار گلستاں

ہر جگہ ہے جشن کا آئین و سامان نشاط / ساز عشرت سے مہیا ہر محل و ہر مکاں

ہر روش اوپر خراماں ہیں لعبت ناز و ادا / گلبدن، غنچہ دہن، رشک پری، سرو رواں

اس قدر ہے شعلۂ آواز حسن دلفریب / بھولتے ہیں شمع و گل کو بلبل و پروانہ یاں

دائرہ میں بزم کے ہر اک مقام اپنے بیچ / تیری آہنگ نوازش سے ہے ہر دم شادماں

جس گھڑی تو مسند عالی پہ فرمائے جلوس / دیکھ کر روشن ہو پھر جس سے ہے چشم آسماں

ہمت عالی کی تیری مجھ سے کیا توصیف ہو / بخش دیتا ہے اٹھا ادنیٰ کو گنج شایگاں

اس قدر تیرے تبارک اللہ دریا دل کیا / موتیوں سے جیوں صدف سائل کا گھر دیکھو دیا

بسکہ تیرے فیض نے بخشا یہاں تک لعل و در / شرم سے اس رنگ کو پہونچے ہیں سارے بحر و کاں

خاک میں یک لخت بس گئے معدن الماس و لعل / پانی پانی ہو گئے گوہر کے بحر بیکراں

تیرے بندوں کو نہیں اکسیر خالص سے غرض / سنگ پارس سے ترا بہتر ہے سنگ آستاں

گر محاسب تجھ ثنا میں اب اقل مرتبہ / ہر احاد اوپر بڑھا کر صفر ذرات جہاں

جز رو مد کرتا رہے اکثر وہ تا روز شمار / تب بھی ہو سکتا نہیں عشر عشیر اسکا بیاں

نام رکھ کر اس قصیدہ کا "جلوس آصفی" / دیں پناہا ختم کرتا ہوں دعا پہ یہ بیاں[1]

دوستوں کا دیکھ تیرے منہ برنگ صبح عید
غرق حیرت دشمناں جوں دیدۂ قربانیاں

---

[1] (ج) دیں پناہا ختم کرتا ہوں دعا پر یہ بیاں

قصیدہ در سالگرہ ارسطو جاہ بہادر

[۴]

جہاں کے بیچ ہے اب یہ نوید شہرۂ عام
کہ عشرت و طرب و عیش و راحت و آرام

شتاب آن کے حاضر ہوں بارگاہ کے بیچ
ہمیشہ شام سے تا صبح، صبح سے تا شام

ہے جشن سالگرہ آج اس شہنشہ کا
کہ جس جناب کا بہ پستی فلک ہے غلام

کریم ابن کریم اور فیض بخش جہاں
خجل ہے دیکھ کے نیساں بھی جس کا ابر کرم

ہمایوں اکبر و اسکندر و فریدوں تک
حضور اس کے جب آئیں ہیں بہر مدح تمام

ہزار داب سے ہے یہ صدائے چاوشاں
ادب سے دور سے ہٹ کر ملاحظہ سے سلام

نظیر ہووے نہ اس آفتاب کا پیدا
ہزار چرخ اگر کھاوے گردش ایام

اسی کی ذات مبارک سحاب رحمت ہے
کرم سے جس کے ہیں محظوظ سب خواص و عوام

وزیر اس کا جو مشہور ہے بلند مکاں
صواب رائے ہیں دل جس کا مظہر الہام

رموز دان ریاست، دقیقہ یاب جہاں
صواب دید سے اس کی ہے سلطنت کا نظام

سپاہ پرور و گیتی کشا و دشمن بند
امیر اعظم و نیکو شیم، مدار مہام

بسان بزم فریدوں و جشن جمشیدی
کیا یہ جشن ہے آراستہ بہ زینت تمام

وفور نور چراغاں و شمع کافوری
ہے رشک چرخ مقرنس ہر ایک رات مدام

ہزار چشم ستاروں سے کھولتا ہے سپہر
ہے بسکہ دید سے اس بزم کی اسے آرام

اس انجمن کی لکھوں[۱] کیا میں نور افروزی
عجب نہیں ہے کہ روشن ہو دیدۂ بادام

زمیں سے تا بفلک ہے صدائے بلبل عیش
برنگ گل ہے معطر سدا لباس انام

۱؎ (خ) "لکھوں"

دماغ دہر نہ ہو کیونکہ سرخوش عشرت ہے رشک موج مے زر[1] پریوشوں کا خرام

ہے آب گوہر و یاقوت موجزن ہر سو جواہر اس قدر عالم کو اب ہوا انعام

جو اس کا وزن ہوا ہے زر و جواہر میں میں اس وفور کی تفصیل کیا کروں ارقام

بجا ہے اس کو کہوں میں جو یوسف ثانی کنیز جس کی زلیخائے دہر ہوگی مدام

ہے لبکہ وہ شہ عالم پناہ فیض رساں جہانیاں بھی ہیں سب اس کے جان و دل سے غلام

ہے خانہ زاد جو ایمان ہے گا موروثی کرے ہے اب تو دعا یہ پر یہ ختم کلام

وہ رشتہ سال گرہ کا ہو یارب اتنا دراز کہ عمر خضر ہو وابستہ ہر گرہ سے مدام

ہر ایک صبح بصدق و خلوص سے شاہا یہی دعا میں ہے تیرا یہ کمتر خدام

الٰہی تو ہو مسرت ہو اور دنیا ہو کہ تیری ذات مبارک سے ہے جہاں کا قیام

---

۱ (د) "یہ"
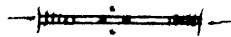
قصیدہ بہاریہ جشنِ نوروز و سالگرہ میر نظام علیخان بہادر نظام الملک آصفجاہ

(۵)

عجب بہار سے آیا ہے اب کے خرّم سال[1]
زمانہ عیش و طرب سے ہوا ہے مالا مال

بیاں وفورِ نشاط و طرب کا کیا میں کروں[2]
کہ شرق و غرب سے لے کر ہے تا جنوب و شمال

جدھر نگاہ کرو دستہ دستہ ہے گلِ عیش
کہ رشکِ گلبنِ فردوس ہے ہر ایک نہال

ہزار رنگ کے ازبس کھلے ہیں غنچہ و گل
برنگِ صحنِ چمن ہیں تمام دشت و جبال

بہار سے نہیں نسبت خزاں کو اتنی بھی
کہ رنگ کاہ ربا زرد ہو سو اب ہے محال

نظر سے غیب ہے وہ اور یہ ہے جلوہ فروز
چمن سے گلشنِ فردوس کو نہ دیجے مثال[3]

زبس نسیمِ سحر آب و رنگ بخشے ہے
ہے برگِ گل سے بھی سیراب تر ہر ایک نہال[4]

ہوئے ہیں رشکِ رگِ گل سُرخ ابطِ اودے سے
زمیں پہ جتنے تھے اس عصر میں سیاہ زغال

نظر میں اتنا ہی دلکش ہے داغ لالہ کا !!
سیاہ عارضِ گل رُخ پہ جیسے ہووے خال

چمن کے بیچ تو گلگشت کے لیے اب کے
ہر ایک سرو صنوبر نے کی ہے پیدا چال

برنگِ غنچہ و گل ہر گرہ شگفتہ ہوئی
جو دیکھو دانۂ تسبیح تا بہ دانۂ خال

یہاں تک اب کے ہے فصلِ بہار عیش انگیز
کہ گل فشاں ہیں تبسّم سے غنچوں کے اطفال

رکھیں ہیں عاشق و معشوق اپنا اتحاد اپنا
کہ طوق فاختہ ہے پائے سرو کی خلخال

زبس ہے نشو و نما کی بلند پروازی !!
عجب نہیں لیلے بھی نکالے اب پر و بال

رکھے ہے اتنی ہوا اعتدال کی تاثیر !
نہیں ہے شمع کو آتش سے بیم اضمحلال

۱؎ الف "کیا" ۲؎ ر دیکھوں ، ۳؎ ب سفال الف۔ زغال

ہر ایک نقش سم اس کے سے نامہ ہو پیدا — جو شورہ زار ہیں سبزہ کو ٹی چرتے ہے غزال
جدا ہر وہ جائے ادھر کے تیئں نسیم ختن — پلٹے[1] شمیم بھر سے اس غزال کے دنبال
رہا نہ فرق سا ازبسکہ رطب و یابس میں — بسان شان عسل شہد ریزی غربال
طراوت اتنی ہے فیض ہوا سے عالم میں — ہر ایک سنگ سے جاری ہوا ہے آب زلال
جہاں تہاں ہے زبس شکل اجتماع فرح — ہوئے ہیں رشک گل اب داغ قہقہہ رمّال
اگر نسیم چلے ٹک بردے خاکستر — تو حشر سوختگاں ہووے یوں بلا اہمال
ہزار نخل برومند کھینچے خاک سے سر — شگوفہ تا بہ ثمر گل کرے باستعجال
زبسکہ خار سے ماہی کے گل ہوئے پیدا — چمن کو بحر[2] سے کرنا تمیز اب ہے محال
یہاں تلک ہے نسیم بہار گل افشاں — کہ وصف باغ میں سوسن کی اب زباں ہے لال
بصد ہزار نشاط و طرب گلستاں میں — ہر ایک شاخ پہ ہے بلبلوں کا اب یہ مقال
شرف میں آج ہے خورشید و شاہ میزاں میں — زہے ہمایوں وہ ساعت رہے مبارک فال
بہم ہے شادی نوروز و جشن سال گرہ — ببارگاہ[3] شہ فیض و عدل خصال
سرو نظام علی فتح جنگ آصف جاہ — بلند جس کا ہے جمشید سے بھی جاہ و جلال
کرم سے اس کے خلایق کی زندگانی ہے — جہانیاں کا ہے ازبسکہ قبلۂ آمال
سوار جب ہو وہ رخش فلک خرام اوپر — چلے رکاب میں اس کے بہ اعتقاد ہلال
شکوہ شان یہ اس کے حضور اقدس کا — جلوس جب وہ کرے ہے بہ مسند اجلال
ادب سے سر بگریباں و دست بستہ مدام — کھڑے ہوں قیصر و فغفور و صف نعال
نہ ہووے ہمت عالی کا اس کی مجھ سے وصف — کہاں یہ حوصلہ مجھ کو ہے اور کب یہ مجال
کہ جیب خاص کا اس کی ہے خرچ یک روزہ — جو کچھ ہے حاصل ہندوستاں کا مال و منال

---

۱ (ب) "لیے"
۲ (د) چمن سے بہر کو ۳ (الف) بہارگاہ

وہ لیں ہے قدر شناس اور راز دان ضمیر
نہ کھولے لب کو کوئی مستمند اگر بسوال

غموز فیض قدمبوس تک نہیں پہونچا
کہ اس کے دل کی بر آوے ہے آرزو فی الحال

کروں بیان عنایت میں اس کا آہ کیا کیا
ہوئی نگاہ کرم جس پہ ہو گیا وہ نہال

تمام عمر وہ پھر منہ سے لعل اگلے ہے
جسے زراہ نوازش کبھو ملے ہے اوگال

سریر و تاج کو زینت ہے ذات اعلیٰ سے
کنیز دولت دنیا ہے اور غلام اقبال

وزیر اس کا جو ہے بے نظیر والا شان
شجاع و عالم و مجموعۂ تمام و کمال

اسی کی ذات سے ہے انتظام دولت و ملک
اسی کی رائے سے ہے سلطنت کو استقلال

خیال اس کا چلے جس طرف پے ادراک
تو شاہراہ ان تمایر کرے ہیں استقبال

بیاں نہ اس کی ہو مجھ سے فصاحت تقریر
زباں سے جس کی تراوش کرے ہے سحر حلال

سحاب فیض کی اس کے بہ آب یاری ہے
کہ سبز جوں پر طوطی ہے مزرع آمال

وہ کیجے وزن مبارک میں لب سخن سنجی
کہ پہنچے جس کے نہ پاسنگ کو کلیم و کمال

کرے ہے اس کا تو شاہیں شکار نسر فلک
بوقت وزن یہ میزان کو ہو وے فخر و جلال

ہر ایک ڈوری ہے اس کی جو رشک خط شعاع
ہر ایک کفہ کو خورشید و ماہ کیجے خیال

وہ پلہ جس میں بدولت ہو رونق افروزی
بجا ہے چشمۂ حیواں سے دوں جو اسکو مثال

ہزار دانۂ یاقوت کی بنے تسبیح عہ
وہ سلک سال گرہ میں ہو اس طرح کا کمال

حیات خضر ہو وابستہ ہر گرہ کے ساتھ
گرہ جو سال گرہ میں پڑے ہے سال بہ سال

بس آگے عرض کی قدرت نہیں رہی شاہا
کہ صبح و شام ہیں ایماں کو یہی اشغال

الٰہی تو ہو سلامت رہو اور دنیا ہو
جہاں کے بیچ با فضال ایزد و متعال

یہ دونوں جشن ہیں تا قیام زمانہ میں جب تک
رہیں یہ شاہ و وزیر آفتاب و ماہ مثال

یہی دعا ہے بحق نبیؐ و علی ولی !!
کہ سر فراز رہیں دوست دشمناں پامال

عہ الف ہزار دانۂ یاقوت تسبیح کے بینے

قصیدۂ مہتابیہ در مدح وزیر میر نظام علیخان بہادر نظام الملک آصفجاہ

ہوا ہے آج کی شب ماہتاب کا یہ وفور
کہ شش جہت کو جو دیکھو ہے ایک عالم نور

زمیں جو دیکھو تو ہے خوان نقرئی گویا
ہے آسماں سے بھی سرپوش نقرئی کا ظہور

ہے بسکہ دامن صحرا پہ نور پاشیٔ ماہ
ہر ایک کوہ ہوا کوہ برف سے مشہور

فلک پہ گویا ہزاروں ہلال ہیں پیدا
جو دیکھو بحر میں کشتی ہے تاجروں کا عبور

برنگ برق ہے ہر ایک موج تابندہ
بسان پالہ ہے گرداب بے قصور و فتور

ہوا ہے نور مہ اب جذب اس قدر یہ بھی
کہ ایک تختۂ الماس ہے نگہ کے حضور

اثر تجلی کا ہے یہ کہ مثل بوتیمار
سفید زاغ سے کر ہوئے ہیں تا عصفور

نہیں ہیں روم سے کم رو سفید زنگیاں
بدن پہ گویا زمانہ کے ہے ملا کافور

ہوا یہ جیسے ستاروں کے چھوٹتے ہیں گنج
فلک آشیانوں سے پرواز گر کریں ہیں طیور

بغیر کرمک شب تاب اب نہ ہو پیدا
جہاں کہ بیچ ہے جس جائے خانۂ زنبور

ہے نور پاشی زبس ماہتاب عالم میں
بنے ہے سلک گہر جب چلے قطارۂ مور

ہر ایک سنگ بھی شیشہ کا ہو گیا فانوس
شرار اس میں ہے جوں شمع روشن کافور

ہر ایک قصر ہے آئینہ خانہ کا ہم چشم
ہوا ہے خاک سے زنگار اس قدر اب دور

چمن کے بیچ جو دیکھو تو یہ شگوفہ ہے
کہ ہر درخت ہوا رو کش درخت بلور

ثمر درختوں پر اس طرح زیب دیتے ہیں
کہ آسماں پہ ہو تاروں کا جس طرح ظہور

ہے تار سنبل تر وہ منقش سیمیں
کہ جس کے رشک سے ہے پیچ پیچ گیسوئے حور

ہے بید مجنوں کا عالم مثال فوارہ !!
ہوا ہے سرو سہی رشک نخل قلہ طور

ہر ایک تاک کی ہے شاخ مثل کاہ کشاں | بسان غنچہ پروین ہے خوشۂ انگور !

ہر ایک نہر ہے اب جوئے شیر کے ہم رنگ | ہے رشک چشمۂ سیماب حوض آب طہور

ہوئے نہ لالہ و سوسن ہی یاسمیں سے بدل | ہر ایک گل سے ہے نسرین و نسترن کا ظہور

شگفتہ ہووے گل اشرفی سے داؤدی | جہاں تہاں گل مہتاب کا ہے اب یہ وفور

فقط نہ جلوۂ طوبیٰ ہے ہر درخت اوپر | ہے برگ برگ درخشندہ مثل عارض حور

ہوا کمانچہ بھی روشن ہلال کی مانند | ہے رشک کاہ کشاں بزم میں ہر اک طنبور

ہے قرص بدر کی روکش سیاہی مردم | ہر ایک زہرہ جبیں ہو گئی سراپا نور

ہر ایک ساقی مہتاب رو کے اب آگے | دھرا ہے شیشۂ الماس کا رو جام بلور

زبس جہاں کے ہے مہتاب شست و شو کے بیچ | نہیں غبار کا خاطر پہ اب کہیں مذکور

طلسم خال بتاں کیجئے مقرر ہے | سواد سایہ بھی دھویا گیا بایں دستور

نظر میں آوے وہ ہر اک سفید بادلہ پوش | کسی بھی رنگ کا پہنے لباس اناث و ذکور

لکھوں کچھ اور بھی ایمان آب گوہر سے | جو ہووے خانۂ الماس اور لوح بلور

کہ یک لطیفۂ مضمون خاص کا اظہار | ہے ایسی طرز کی تمہید سے مجھے منظور

کہ فیض عام ہے یہ ایک روشن اختر کا | ہیں جس کے عہد میں اب شاد کام سب جمہور

امیر اعظم و عالی جناب والا شاں | وزیر شاہ دکن مفخر قیصر و فغفور

بہ بزم ثانی جمشید و کیقباد نسب | بروز رزم و معارک مظفر و منصور

بہ بذل مثل فریدوں با معدلت کسریٰ | جہاں کشائی میں مثل سکندر و تیمور

کسے ہے آنکھ ملانے کی طاقت و یارا | ہیں اس کے روبرو سب سر بہ جیب اہل غرور

رموز دانی کا اس کے ہو مجھ سے وصف کہاں | خدا نے جس کو عنایت کیا یہ فہم و شعور

ضمیر اس کے پہ اسرار منکشف ہیں یوں | جو سال و ماہ میں ظاہر جہاں میں ہوں بدور

کہ جیسے سیر کواکب کے درجہ و آثار | تمام ذہن منجم میں رہتے ہیں محصور

بیان کاتب آسمان بے لکھے سمجھتا ہے | معانی خامہ تقدیر میں جو ہے مستور

تسلی ہوتی ہے یہاں کس کو مدح غالب سے
ہو جبہ سائی سے اسے خامہ باریاب حضور

مطلع ثانی

ہے آج دولت جمشید کا تجھے مقدور
ضمیر پاک ہے جام جہاں نما مشہور

یھی ہے تجھ کو ہی فرمانروائی عالم
رقم ہوا ہے ترے نام سے ہی یہ منشور

صواب رائے کے تیرے میں کیا کروں اوصاف
تجھ ہی سے آبرو پاتے ہیں سلطنت کے امور

کرے ہے پرورش رساکنان ہفت اقلیم
خدا نے تجھ کو اسی کام پر کیا مامور

ترا بھی پنجہ بخشش نہیں کم از نیساں
کہ جو صدف کف سائل گہر سے ہے معمور

ترے کرم کا وہ دریا ہے بیکراں جس سے
کرے شناور وہم و گماں کبھو نہ عبور

کمان و تیغ و سپر فیل دبا دیا تیرا
ہلال و برق و سحاب و سر و نسیم سحور

اب اس جناب کا کب مجھ سے ہو سکے ہے صف
کہ شاعران زماں کا ہے فہم یاں معذور

بصد عقیدت و آداب و کورنش و تسلیم
ادائے تہنیت عید اب مجھے ہے ضرور

مطلع

ہے آج وہ تری دولت سرا میں جشن و سرور
کہ خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں قیصر و فغفور

نہ ہووے کیونکہ وہاں ماہتاب پا انداز
کہیں ہے مسند زریں کہیں ہے فرش سمور

وہ شیشہ خانہ ہے یا رو کش پری خانہ
کہ ایک عکس کرے صد ہزار جلوے ظہور

تجھے بہ مسند اقبال دیکھ جلوہ فروز
گل بہار کی مانند خرم و مسرور

برائے تہنیت و نذر راجہ و نواب
بصد نیاز عقیدت ہوں بار یاب حضور

ہر ایک عید کو ہے مہر و ماہ نے نذر سیم
دکھائے نذر ہے تجھ کو ادب سے ہٹ کر دور

یہ تیرا رتبہ والا کہ جز نگاہ کرم !!
کبھو نہ ہاتھ سے اپنے اٹھائے ان کی نذور

زبسکہ مجمع خوبی ہے بے عدیل و نظیر
ترے کمال کی تحریر کا کسے مقدور

دعا پہ ختم میں کرتا ہوں اب قصیدہ کو — الٰہی تا رہے یہ گردش سنین و شہور

برنگ صبح رہیں روسفید تیرے دوست

سیاہ بخت عدو ہوویں جیوں شب دیجور

قصیدہ در مدح نواب مدار الملک بہادر یعنی گھانسی میاں ہمراہی نواب شمس الدولہ بہادر

[۷]

نیلم کے سر پر اوپر بیٹھا جو شہ خاور — اور سر پہ رکھا زرّیں زیبندہ عجب افسر

بھاگی سپہ زنگ اور دی ڈال سپر مہ نے — پوشیدہ ہوئے جاکر شب گرد جو تھے اختر

ٹک صبح کے دم بھرتے یک مرتبہ ہی اٹھ گئی — منہ پر سے زمانے کے وہ غالیہ گوں چادر

گل ریز ہے ہر سوسن، نسرین ہے بہار افزا — کافور کے جلوے سے محجوب ہوا عنبر

آفاق کا سب عرصہ یک دست ہوا روشن — زرپاش ہوا یعنی جب اس کا زمانے پر !!

پھر فیض لگے پانے جو جو ہر قابل تھے — زر خاک ہوئی یکسر اور سنگ ہوا احمر

ذرات کی بھی رتی چمکے ہے ہر جانب — شبنم کا بھی اب رتبہ پہنچا ہے فلک اوپر

دروازے خلایق کی آنکھوں کے کھلے ہر سو — اور قصر فلک کے بھی وا ہوگئے سب منظر

اس کارگہ نقش میں وہ رنگ ہوئے تازہ — ہیں دیکھ جسے حیراں نقاش سے تا زرگر

خوبوں نے بھی رو تازہ دیکھا جو زمانے کا — آئینہ کو دھر آگے ہر ہفت کیا زیور !!

انعام جو ارزاں گلشن کو ملا یاں تک — پیالے ہے زر خالص ہر گل نے طبق بھر بھر

خورشید کے پرتو سے طفلان حبابی کو
زرین کلاہی کا ہے تا زلب جو بر

لے باغ سے تا صحرا ست جا نو شبنم ہے
یہ فیض سحر نے ہی بخشے ہیں در و گوہر

گلگون صبا گرچہ ہے گشت میں اب لیکن
غنچہ کا چٹکنا بھی کوڑا ہے گویا اس پر

مے خانۂ عالم میں اب دور صبوحی ہے
مینا سے پری نکلی مستوں میں چلا ساغر

مرغان چمن دلکش کرتے ہیں غزل خوانی
غنچے ہیں تبسم میں خنداں ہیں گل اب یکسر

یاقوت کی فنجاں کو ابدھر لیا لالہ نے
اور ساغر زر بر کف اودھر ہے گل عبہر

کس زلف کے تئیں پہنچے ہی سلسلہ اب اس کا
دیتی ہے صبا ہر دم جو رایحۂ عنبر

اب صبح بہاری کا یہ فیض ہے عالم میں
جو کچھ ہیں کہیں تجھ سے کچھ تر اسے باور

ہے شعلہ و دود اس میں مانند گل سنبل
گلدان کے روکش ہیں ہر ایک جگہ مجمر

یہ سب شہ خاور کی دولت سے مرتب ہیں
لے ذرۂ خاکی سے تا قرص مہ انور

سختی سے گزرتی نت اوقات ہنرمنداں
ہوتا نہ اگر جگ میں وہ ایک کرم گستر

نواب فلک قدر و فیاض زماں جس کا
آفاق میں سروار الدولہ ہے خطاب اظہر

اس دور میں سب اس کو کہتے ہیں حبیب اللہ
ازبسکہ سخی ایسا دیکھا نہ جہاں پرور

ایمان تجھے واجب ہے مدح و ثنا اس کی
ہر لطف و عنایت کا اللہ کے ہے مظہر

اب پڑھ حضور اس کے اس مطلع رنگیں کو
ہو جاوے رخ حاسد سنتے ہی جسے اصفر

مطلع ثانی

وہ ابر کرم تیرا اقبال سے ہے جو بہتر
داماں گدا کر دے یکدم میں پر از گوہر

وہ حاتم دوراں ہے نواب کے زمانے میں
آگے تری ہمت کے ہے لعل بھی جوں کنکر

یکساں ہے ترے آگے لے دوست سے تا دشمن
اخلاق و کرم تیرا جاری ہے سدا سب پر

لے کر بنی آدم سے تا غنچہ و گل ہم نے
دیکھا نہ کوئی مفلس دیکھا نہ کوئی بے زر

کچھ مطلب تجھ سے ممنون نوازش ہے
آوازہ کرم کا ہے عالم میں بہر کشور

تنہا نہ غلام اب ہے اقلیم حبش تیرا ۔ شرمندۂ احساں ہے فغفور سے تا قیصر

اغنام کی ہے مانند خلقت کے تئیں تو نے ۔ بخشے ہے سدا فیل و اسپ و شتر و اشتر

تجھ عدل کی ہیبت سے اب مور کو رکھتا ہے ۔ مژگاں کی طرح اپنی آنکھوں پہ سدا اژدر

گر کوہ کمر باندھے ٹک کاہ کی ایذا کو ۔ تجھ برق غضب سے ہو جل کر دم میں خاکستر

تجھ عہد میں رہتے ہیں ہم خانہ بعمر الفت ۔ لے شیر سے تا آہو اور باز سے تا تیتر

تو دین محمدؐ کے انصار سے ہے ازبس ۔ ہے نام ترا روشن محراب سے تا منبر

خوش ظاہر و خوش باطن خوش خلق تو ہی اتنا ۔ ہیں دل سے فدا تجھ پر آفاق کے سب دلبر

اب وصف شجاعت میں تیرے وہ پڑھوں مطلع ۔ فق ہووے جسے سن کر ہر ایک بزرد آور

مطلع

ہو رزم میں رستم بھی تجھ سے نہ کبھو سر بر ۔ ہے تو صف مرداں میں ہمسر دیم صفدر

روئیں تن اگر آوے کیا تاب کہ دم مارے ۔ ہے گیو بشن برزو ہر ایک ترا چاکر

خورشید صفت یکتا تو ہی وہ بہادر ہے ۔ ہووے نہ بیاں تیری شمشیر کا اب جوہر

میداں میں اگر ہووے وہ سایہ فگن یکدم ۔ وہاں خاک سے ہو پیدا سبزے کی جگہ نشتر

گر پاس تیرے دشمن کے زرہ کیا میں نے ۔ فولاد کا ہو مغفر فولاد کا ہو بکتر

فولاد کے پاکھر سے پھر غرق سراپا تک ۔ ہو اس کی سواری میں اک فیل فلک پیکر

جب کھینچ کمر سے تو چھوڑے سر دشمن پر ۔ یکدم میں دو حصہ ہو تا ناخن فیل آکر

میداں میں ہو جس جا دم شمشیر علم تیری ۔ یک بار زمانہ بھی ہو جاوے وہیں ششدر

خورشید ہی ازبسکہ تو اوج سعادت کا ۔ تجھ ہاتھ میں ہے نیزہ محسود خط و محور

قبضے میں ترے ایسا ہی فن کمانداری ۔ جیوں قوس قزح اس کا رتبہ ہے فلک اوپر

تشبیہ کماں تیری رکھتی ہے مہ نو سے ۔ خورشید کے جلوہ سے ترکش ہے ترا ہمسر

گر شست کی صافی سے ٹک تیری بیاں کیجے ۔ بہرام، عطارد تک ہوں حلقہ بگوش آ کر

غربال بنا دیوے کہسار کے سینہ کو تو چاہے شرر دوزی جس وقت نشانہ پر
ہے رشک چمن تیری افواج کا ہر دستہ امواج سے دریا کے افزود تر لشکر
پیرو ہی ہے سدا اس کی یہ بادِ بہاری بھی وہ تیری سواری ہیں گلگوں پری پیکر
شبنم کی طرح اس کے ہر قطرۂ پسینہ کا اُڑ جاوے فلک اوپر ہر چند کہ ہے بے پر
کوئی رشحہ زمیں پر جو ٹپکے ہے کبھو ہو کا سیماب صفت وہ بھی رہتا ہے سدا مضطر
سرگرم وہ کاوے پر جس وقت کہ ہوتا ہے ہوں شعلۂ جوالہ پھرتا ہے ہوا اوپر
اس برق صفت کو تو پلہ پر اگر پھینکے پھر گرد کو بھی اس کے پہنچے نہ کبھو صرصر
ہیں فیل سواری کی کیا شان لکھوں تیرے افلاک کبودی کا ہے ایک وہی ہمسر
وہ قطرہ فشاں اب ہو دے جوں ابر سیاہ جس دم دانتوں سے وہیں چمکے وہ برق بہم دیگر
خرطوم کہوں اس کی یا نیل کا یہ دریا جاری ہو فلک پر سے یہاں رو زمیں اوپر
ہو موج ہیں اگر رونق افزوں تو ہوا اس کے ہالہ میں فلک اوپر ہے گویا مہ انور
مداحی تری رتبہ میرا نہیں پر نسبت رکھتا ہے سلیماں سے ہر مورچہ لاغر
جو میرے دہن سے ہے تجھ وصف میں زرریزی یوں آوے صدف سے بھی گوہر نہ کبھو باہر
اب مدح و ثنا تیری تحریر اگر کیجے افلاک کا بھی کافی ہووے نہ کبھو دفتر
ہے ختم دعا اوپر اب نظم سخن یارب یہ نام رہے قائم تا صبح دم محشر
ہر وقت احبا کو ہو فتح و ظفر روزی !! حلقوم پر اعدا کے پھرتا رہے نت خنجر

قصیدہ شادی بادشاہ دکن نواب میر اکبر علیخاں بہادر نظام الملک آصفجاہ بہ جہاں پرور بیگم

جہاں کے بیچ وہ آئی ہے اب کے فصل بہار
کہ کھلے ہیں لالہ و گل چو طرف ہزار ہزار

فلک کے آئینہ میں ہو نمود عکس شفق
ہوا کے ساتھ زمیں سے اگر اٹھے ہے غبار

دلہن زمانہ ہیں شبنم کی درفشانی ہے
نصیب سبزۂ خوابیدہ کے ہوئے بیدار

ہر ایک غنچہ سے از بسکہ رنگ پاشی ہے
ہوا ہے مثل چمن سرخ دامن کہسار

غرض بجا ہے یہ فصل بہار کی افراط
نہ کیوں ہو رشک رگ گل چمن میں ہر اک خار

ہے اس مخدرہ عز و جاہ کی شادی
ہر اک کنیز ہے جس کی پری و شیریں کار

حریم حرمت و عفت کی ہے وہ محلہ نشین
جہان پاک کی ہے بانوئے ستودہ شعار

مجال کیا ہے کہ اک برگ گل کو جنبش ہو
صبا ادب سے محل میں کرے ہے اسکے گزار

وہ آب شمع شبستان جاہ و عزت ہے
نہ پہنچے پرتو خورشید و مہ وہاں زنہار

کوئی نہ زلف کا محرم ہے اس کی جز شانہ
سوائے آئینہ اس کا نہ دیکھا کوئی دیدار

اگرچہ ہے صدف خسروی کی در یتیم
پر اس کا دادا ہے فخر کیان بلند تبار

میر اعظم و عالی جناب والا شان
وزیر شاہ دکن ہے آسمان وقار

یا ہے اس کو بہ شہزادۂ سکندر جاہ
کہ ہووے ماہ کو خورشید سے حصول انوار

پہنچے جس کے تجمل کو جشن جمشیدی
کیا عروس کا سامان اس قدر تیار

سنا اگرچہ ہے سابق میں جشن نوشاہہ
پر اس کی گرد کو پہنچے نہیں ہے وہ زنہار

سحر شگفتہ چمن، شام رشک شہر ختن
کہ پیر چرخ نے دیکھا نہ تھا یہ لیل و نہار

کہوں میں خانۂ شادی کہ رشک باغ ارم
کہ بہتر از خط و خال بتاں ہے نقش و نگار

وہ بوٹی دار ہر اک جائے فرش قالیں ہے
جدھر نظر کرو ادھر چمن پہ چمن ہے بہار

کہیں بلور کی قندیل اور کہیں فانوس
نہ قمقموں کا ہندسوں سے ہو سکے ہے شمار

نہیں فلک پہ ستارے، یہ داغ حسرت ہیں
ہوا ہے بسکہ شبستان عیش پر انوار

ہوئی ہے رشک رخ زرفشان ماہ وشان
وفور نور چراغاں سے ہر در و دیوار

مدام بزم میں رامشگران زہرہ نوا
لے آویں دل کو فرشتوں کے آسماں سے تا

کوئی ستارہ جبیں اور کوئی ہے ماہ لقا
کہیں ہے نغمۂ دلکش کہیں ہے ناچ و [illegible]

نہ کیوں ہو گلشن کشمیر دیکھ کر حیراں
کہ خرچ ہوویں ہزاروں ہی جب گلاب کے ہار

یہ انجمن ہے معطر کہ بوئے عنبر و مشک
کرے ہے آن کے دریوزہ وہاں نسیم بہار

یہ وہ ہے جشن کہ جس پر طبق طبق زر و سیم
نثار کرتے ہیں خورشید و ماہ لیل و نہار

شب حنا کی بیاں ہو نہ مجھ سے رنگینی
کہ ایک دست چمن تھا محلہ و بازار

کہوں سواری مہندی کی کیا میں شوکت و شاں
چمن میں جیسے گل افشاں چلی ہے باد بہار

نشان وہ کہ نشاں جس میں اسم اعظم کا
سمہ تر کہ صورت اللہ جس سے ہو اظہار

جدھر کو دیکھو تو ہے دستہ دستہ لالہ و گل
کہ سرخ پوش ہوئے کل پیادے اور اسوار

بسان مہر ہیں فیلان آسماں شاں پر
پہن کے خلعت زریں کو سینکڑوں سردار

نظر پڑے تھا وہاں معجزہ نبوت کا
جہاں کہ نور فشاں تھے درخت آتش بار

میں کس طرح نہ کہوں اس کو باغ ابراہیم
کہ ایک آن میں آتش کا ہو گیا گلزار

صدائے نوبت شاہانہ اس قدر دلکش
کہ ہوویں طوطی و بلبل ہزار جاں سے نثار

غریو کوس و کورجلاجل و کرنا ہے
کرے ہے ہفت فلک سے بھی اس طرف کو گزار

میں کس زباں سے کروں اب بیان آرائش
خجل ہو باغ ارم جھینپتی ہے جس سے بہار

ہزار رنگ کے گل اور ہزار شکل کے نخل — جدھر نظر کرو اودھر چمن چمن گلزار

کہیں ہے تختہ نرگس کہیں کنول روشن — کہیں ہیں سرو و صنوبر کہیں درخت انار

رواں جلو میں ہزاروں ہیں مشعل و مہتاب — فلک نجوم سے جس کا ہوا ہے آئینہ دار

ہجوم نور سے ہے پر مارنا فرشتوں کو — ہوا تمہارے ہوا پر فلک تلک دشوار

بیاں نہ شان ہو اب مجھ سے وضع ہندی کی — کہ جس قدر تھی تجمل سے اس کی واں رفتار

کہوں میں اس کو نہ زنہار تخت طاؤسی — کہ ایک جھاڑ تھا الماس کا مرصع کار

دریچے کھول کے قصر فلک کے حور و ملک — زمین کو جھانکتے ہے تھے کہ ہے عجب بہار

عطا و بذل کیا وہ جہیز شاہانہ — کہ جس کا ہو نہ سکا سب سے فہم کے بھی شمار

پر از نفائس روئے زمیں تحائف دہر — ہزار فیل فلک ساں طلائے سلسلہ دار

تمام ساز طلا کار و صندلیں پالاں — حریر و اطلس و دیبائے خوش قماش دیار

ہزار درج گہر برج کوکب رخشاں — پر از جواہر رنگیں و گوہر شہوار

فلک کے جیسے ستاروں کا ہو سکے نہ حساب — ظروف سیمیں و زریں کے سینکڑوں انبار

براق چہرہ و فولاد نعل و برق شتاب — ہزار اسپ مرصع لجام و خوش رفتار

نمود ہودج زریں کی پشت فیل پہ یوں — فلک پہ جیسے ہو برج حمل بہ فصل بہار

خجل ہوں جس سے کہ خورشید کے خطوط شعاع — پڑی وہ ڈور تھی ریشم کی اس پہ زریں کار

وہ کج کلاہ ہیں یکسر غلام غلمان چہر — نظیر جن کا نہیں تا بہ چین و روم و تتار

کنیزیں غرق جواہر میں جو سراپا ہیں — کوئی ہے حور لقا اور کوئی پری رخسار

تھا وہ تخت عروسی کہ دیکھ کر جس کو — کا قد کہے بلقیس لاکھ بار پکار

اور اس پہ سایہ فگن وہ جو شامیانہ ہے — نہ کھینچے چتر بھی جمشید کا اسے زنہار

کرے ہی ختم اب ایماں اس قصیدہ کو — دعائے خیر پہ اسے قدردان بذل شعار

تو قائم اس کے رہے سر پہ نخل طوبیٰ سا — وہ تیرے سایہ عالی میں ہووے برخوردار

قصیدہ جشن سالگرہ اعظم الامرا بہادر گزرانیدہ بنام سلیمان جاہ

[۹]

شکر خدا بہار ہے عہد شباب ہے
ساقی پری نژاد ہے جام شراب ہے

جوش جوانی اس قدر اب ہے جہان میں
یا تہ ہوا شفق سے پیر فلک نے خضاب ہے

اس فصل میں غبار زمیں سے اگر اٹھے
بار ندگی کے بیچ مثال سحاب ہے

ہر شب گلاب پاش ہے شبنم یہاں تلک
چاروں طرف جہان میں بوئے گلاب ہے

رقصاں ہے اس بہار سے طاوس باغ میں
فوارہ جس کو دیکھ کر آب آب ہے

بلبل کے چہچہے ہیں ادھر گل کے قہقہے
شیریں نوائے مطرب و چنگ و رباب ہے

چھلکے ہے آج دختر رز اس بہار سے
زاہد کا دیکھتے ہی جسے دل کباب ہے

زلف عروس کھاوے ہے بل جس کو دیکھ کر
سنبل کی شاخ کا بھی عجب پیچ و تاب ہے

پھولا نہیں ہے شام کو یہ جا بجا شفق
جامے پہ آسماں کے بھی چھڑکا شہاب ہے

شمشاد اگر سوال کرے ہے نشاط کا
قمری کو بھی جو دیکھو تو حاضر جواب ہے

نظارہ باز بسکہ ہیں اس حسن کے مدام
آتا نہ اختروں کی بھی آنکھوں میں خواب ہے

یہاں تک ہے اب تو جوش سرور نشاط کا
سو پردہ میں سے نکہت گل بے حجاب ہے

ایمان میں نے پیر خرد سے کیا سوال
یہ کیا خوشی جہاں میں بصد آب و تاب ہے

بولا مجھے کہ دیدہ دل کھول کر تو دیکھ!
شاہد نشاط عیش کا اب بے نقاب ہے

یعنی ہے آج سالگرہ اس جناب کی
فیروزمند جس کا لقب مستطاب ہے

نور بصر ہے شاہِ دکن کا اگرچہ وہ
پر شمع دودمان وزارت مآب ہے

باقی ہر ایک سال ہے اس جشن کا وہی
فضلِ خدا سے شاہ کا نائب مناب ہے

عالم کے بیچ شاہِ دکن کے حضور سے
مشہور اعظم الامرا کا خطاب ہے

تب میں کہا قلم سے کہ ہو جلد سرنگوں — توصیف بادشاہ کی کرنا صواب ہے

شاہوں کے بیچ آج تو ہی انتخاب ہی — آدم کی نسل کا تو ہی لُب لباب ہے

کب مجھ سے ہو سکے ہے بیاں تیری ذات کا — روشن سپہر قدر پہ جوں آفتاب ہے

تو آج وہ ہے رستم دوراں کرم شعار — دریائے فیض کا ترے گردوں حباب ہے

گردن کشاں ہیں دہر کے تجھ در پہ سرنگوں — ازبسکہ اپنے عصر میں عالی جناب ہے

پروردہ نمک ترا اینده ہے فقط — دولت سے تیری ایک جہاں کامیاب ہے

اے شاہ! تیرے جود و بخشش سے دہر میں — ہر اک گدا کو دیکھو تو صاحب نصاب ہے

محکوم کیوں نہ ہوں ترے جن و بشر تمام — شرمندہ جس کے خلق سے کو گلاب ہے

تائید سے خدا کے ہر اک معرکہ کے بیچ! — ہے فتح ہم عنان ظفر ہم رکاب ہے

ہیبت سے جس کے لرزہ زمیں آسمان فلک — شمشیر تیرے ہاتھ میں وہ برق تاب ہے

اسفندیار تن ہوا گرچہ ترا عدو!! — مانند برگ بید اسے اضطراب ہے

تیرے کبود رنگ فلک سیر کے لیے — ہے کہکشاں لگام دمہ نور کاب ہے

میں اس کی سیر و طیر کا اب کیا کروں بیاں — دریا میں ہے نہنگ ہوا میں عقاب ہے

خیمہ کا تیرے جاہ کے خورشید ہے کلس — خط شعاع اس کو بجائے طناب ہے

وصف و ثنا کو تیرے کہاں تک کروں بیاں — عاقل کو ایک نقطہ مثال کتاب ہے

شاہا تو ہے کہ حامی دین نبیؐ ہے اب — تیری مدد مدام شہ بوتراب ہے

عمر شریف کو تری شاہا نصیب ہو — جتنا حیات خضر کا طول حساب ہے

جو تیرے حق میں میں نے کیا یوں دعا بدل — اللہ کی جناب میں وہ مستجاب ہے

قصیدہ تہنیت سالگرہ بہ اعظم الامرا بہادر گزرانیدہ

[۱۰]

ہے بسکہ ہر گیانی کی آج سالگرہ — ہوا ہے بدر کی مانند اب ہلال گرہ

چمن کے بیچ جو دیکھو شگفتگی کے ساتھ — بہار غنچوں کی دیتی ہے لال لال گرہ

زبس ہے موسم عیش و طرب زمانہ میں — ثمر سے باندھے ہے گلشن میں ہر نہال گرہ

کہوں میں زلف کی دلی ہے یا جہاں آباد — کہ جس میں ہیں دل عشاق بال بال گرہ

اس آب و تاب سے ہے انعقاد بزم نشاط — حباب کی طرح باندھے ہے اب زلال گرہ

رواج بسکہ ہے آرایش نشاط کا اب — بتوں کی چال کو دیکھے ہے خال خال گرہ

ارادہ بسکہ ہے بزم سرور کا سب کو — قبا کی باندھے ہے ہر صاحب جمال گرہ

ہر ایک میکدہ میں وقت بادہ ریزی کے — گلے میں شیشہ کے پھرتی ہے بمثال گرہ

وفور بذل و عطا سے ہر ایک رشتہ میں — لسان سلک گہر ہے یہ انفعال گرہ

یہ جشن سالگرہ نے رواج پایا ہے — کہ استوار ہے ہر جا سوائے مال گرہ

کرم سے اس کے جہاں میں یہ امر واللہ ہے — رکھے نہ اب کسی خاطر یہ احتمال گرہ

کشادہ کار ہے عالم کا اس قدر منظور — کسی گدا کی زباں پر نہ ہو سوال گرہ

یہ فیض عام ہے جود و سخا کا چار طرف — کہ دیوے کیسہ پہ اب کوئی کیا مجال گرہ

برائے مصرع تاریخ تہنیت کے لئے — برنگ غنچہ مرے دل میں تھا خیال گرہ

دیا سروش رہیں پیر خضر نے ناگاہ
ہزار سال ہو یارب یہ جشن سال گرہ

قصیدہ [ع۱]

(۱۱)

بحمد اللہ مجھ تک صبح دم پیک صبا پہنچا — نوید دولت جاوید کو لیتا ہوا پہنچا

کہا مجھ سے کہ اب کیونکر نہ ہو گل گل شگفتہ — کہ دامان اجابت کو ترا دست دعا پہنچا

تو اپنے عقدہ دل کو بیکایک کھول جیوں غنچہ — ترا بھی مقصد دیرینہ تا حاجت روا پہنچا

نہ رہ تو آج سے خلوت گزیں گنج گمنامی — بس اب انجام کو ترا یہ طول انزوا پہنچا

ہزاروں شکر حق واجب ہوئے تجھ پر اے غافل — کہاں تک دیکھ تو بارے ترا اب نام جا پہنچا

حضور فیض نواب مشیر الملک جم فطرت — سنا ہوں میں بہر صورت قصیدہ وہ ترا پہنچا

زہے نواب عالیقدر والا شان با شوکت — کہ جسکا رمز مخفیات کو فہم رسا پہنچا

فلاطون و ارسطو کی جہاں کے فکر ہوئی قاصر — اسے بھی کنہ کے تئیں ہوش اسکا بارہا پہنچا

فراست میں اگرچہ عقل کل کا وہ ہوا ثانی — مقدم بو علی سینا پر اس کا مرتبا پہنچا

نظام کار و بار خلق ہے اس کے اشارہ میں — یہ حصہ اس کو فیاض ازل سے ابتدا پہنچا

شجاعت کے مراتب میں وہ سہراب زمانہ ہے — عدالت میں اسی نوشیرواں کا سلسلہ پہنچا

وزیر بے نظیر شاہ اقلیم دکن ہے وہ — کہ جسکا ارتفاع مرتبہ فرق السما پہنچا

غرض اس پیک عالم کی سیر کی اب رہنمائی سے — بحمد اللہ تنکر روبرو بندہ بھی آ پہنچا

سراپا صورت تسلیم و یکسر کلک کے مانند — جبیں فرسودہ کی لیکر بصد صدق و صفا پہنچا

مطلع

تنکر اس آستان فیض جبیں دم گدا پہنچا — علاوہ مرتبہ اس کا بیکایک تا سما پہنچا

ع۱ "مجموعہ فصاحت" (قلمی)، مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

نہ دیکھا تجھ سا روشن اختر اب چشم زمانہ میں
کہ تیری ناصیہ کا رتبہ تا بدر الدجا پہنچا
مشیر الملک تو کیونکر نہ ہووے اے فلک مرتبت
کہ تنزیل و ثنا و رسم کا مضموں تجھ تک آ پہنچا
امیر المومنیں اس مجمع علم و شجاعت سے
تجھے بھی صاحب سیف و قلم کا مرتبا پہنچا
تری تدبیر نباض امور ملک و دولت سے
مریض دہر تیرا گھر سمجھ دار الشفاء پہنچا
نہیں حکمت سے خالی ہے وہ نزدیک خردمنداں
جہاں تک نقل ظاہر ہیچ قوۃ سے تیر آ پہنچا
ارادہ جسطرف تونے کیا کشور کشائی کا
بسیط ارض میں جسدم اس کا غلغلہ پہنچا
لرزتا کانپتا ہر ایک سرکش ملک سے اپنے
مقالید خزاین لے کے تیرے پیشوا پہنچا
تیری شمشیر برق خرمن ہستی اعدا ہے
کہ اس کو جوہر برش غرض بے انتہا پہنچا
جھپک جاتی ہے چشم آفتاب اسکے چمکنے سے
یہی برہان قاطع کے لیے مضموں بھلا پہنچا

نا ۔ ج " کہ تنزیل و ثنا و رسم کا مضمون تجھ تک آ پہنچا "

ہوا پامال دم میں صدمہ فوج ہراول سے
ترا دشمن نہ تیرے سامنے روز وغا پہنچا
کہاں نداری پہ تیری نہ ہو دشمن تیرا قرباں
کہ رتبہ صاف رستے کا تری جب اس جگہ پہنچا
اندھیری رات میں آواز یا آہٹ اگر پایا
نشانہ پر تیرا ہر بار تیرے خطا پہنچا
رسائی برق کی جس جا پہ ہوتی ہے بعد محنت
پلک کے مارتے اس جائے تیرا بادپا پہنچا
پری پیکر کہوں یا شوخی باد بہار اسکو
قدم جھکا برنگ شعلہ بر روئے ہوا پہنچا
بجائے تو تیا[1] ہرنوں کی آنکھوں میں وہ کلکوں کا
دکن سے تا ختن ہر جا غبار نقش پا پہنچا
سواد اعظم اب اسکو کہوں یا شاہ زنگستان
شکوہ فیل ترا میں نہ جانوں تا کجا پہنچا
برہمن دیکھ کر اسکو کہے ہے رام کی سوگند
جنم[2] کینش کا لے کر کنہیا جگ میں آ پہنچا
نظر میں دوستوں کی بھی برنگ ابر رحمت ہے
سر اعدا پہ جوں روز سیہ دیار ہا پہنچا

۱۔ الف ''طوطیا''   ۲۔ الف ''جنم کینس''

سراپا کوہ الوند اور بادتند ہے بیشک
کہ سیر و استقامت کا یہ اس کے مرتبا پہنچا

بعینہ پالکی تیری تو اب چشم زمانہ ہے
خم ابرو سے بہتر بانس جسکو دلربا پہنچا

سراسر جوں صف مژگاں ہے جھالر دیدہ زیب اسکو
پھر اس پر تھوپ بھی خوش وضع دنبالہ نما پہنچا

گل گلشن سے کیوں نہ رنگیں ہم چشم وہ ہوئے
زبس اوج تجل کا اسے نشہ رسا پہنچا

تیری ذات مبارک اسمیں عین نور عینیں ہے
قسم آنکھوں کی مجھکو یہ عجب مضموں نیا پہنچا

کہ جسکے سنتے ہی یکدم اولوالابصار کے منہ سے
کہوں کیا تا بہ مہر و ماہ شور مرحبا پہنچا

خدا نے بیکسوں کا اب کیا ہے دادرس تجھکو
ترے کانوں تلک جس ناتواں کا ماجرا پہنچا

نگاہ تیز سے دیکھا ہے گرچہ شیر ارغوان نے
غزالہ کی طرف جب روبرو یہ اس کے جا پہنچا

غرض پل مارتی پلنگ تیری امر عدالت سے
سیہ تاب اس کی آنکھوں بیچ سیل کرمکا پہنچا

مطلع

سعادت کا ترے رتبہ کہوں تا کجا پہنچا
کہ مہر و ماہ کو سرمایہ نور ضیا پہنچا

زمانہ میں نہیں لیتا ہے کوئی نام حاتم کا
کرم کا یہاں تلک عالم میں اب تیرا اشہا پہنچا
بتاوں کیا تیرے جو دو کرم کی ہیں گرانباری
اسی سے کاروبار چرخ تا ایشت دوتا پہنچا
نظر آتا نہیں کوئی بھی ایسا اب اسے دریا دل
کہ جیسکے تئیں نہ تیرا بہرہ جود و سخا پہنچا
گرہ میں غنچہ وگل کی تیری بخشش نے زر باندھا
صدف کے بھی کف مقصد[۱] میں در بے بہا پہنچا
نہال اپنے وہ ہونے سے بلند آوازہ کے پایا
جو کوئی محنت زدہ تجھ پاس بے برگ ونوا پہنچا
ملے ہے نقد سیم و زر اسے مانند مہر و مہ
برائے آستاں بوسی جو کوئی صبح و مسا پہنچا
ہے کے دست و پائے سر بسر اے سایہ رحمت
ترے کے دامان دولت تک میرا بھی ہاتھ جا پہنچا
مجھے کیونکر نہ ہووے نعمت جاوید اب حاصل
کہ میں بھی اب تو زیر سایۂ بال ہما پہنچا
نہیں ہے جائے استعجاب انقباض عالم یہاں
یہی مضمون اب مصداق حال مبتلا پہنچا

۱- ج "مقصود"

کہ روشن طالعی سے خانہ خورشید تک اکثر
ہوا ہوگا جہاں نئیں ذرہ بے دست وپا پہنچا
مترے ایمان پر ہر دعطوفت تجھکو لازم ہے
کہ یہ تیری حضوری میں بصد خوف ورجا پہنچا
سخن کو ختم کر اے خامۂ تسلیم جو اس جا
پس اب باب اجابت تک دعا با صفا پہنچا
بحق سید و سرور امیر المومنین حیدر !!
احبا کو مقاصد تک شتابی اے خدا پہنچا
نہ رہ شمشیر کیں زنہار قبضہ میں کسی صورت
کہ بند دست سے دشمن کے دن ہووے جدا پہنچا

قصیدہ

[۱۲]

بحمد اللہ زمانہ میں ہوا امن وامان پیدا[۱]
بہار عیش افزائی زمین تا آسمان پیدا
ہوا ہے سبز و خورم اسقدر ہر خار و خس اب کے
کہ ہے ہر دشت کی صورت سے رنگ گلستان پیدا

---

۱ "مجموعہ فصاحت" (قلمی)

زبس تاثیر جاں بخشی ہے اب باد بہاری میں
نسیم صبح کے چلنے سے ہو روح رواں پیدا
چمن میں بسکہ فیض عام آرام و راحت کا
ہوا بلبل کو مثل غنچۂ گل آشیاں پیدا
بہا ہے بسکہ آب و رنگ کے طوفاں میں گلشن
ہوا کشتی گل کو برگ گل سے بادباں پیدا
ہوتی ہے اسقدر اب کے چمن کے بیچ شادابی
ہر ایک شمشاد کے سایہ میں ہے آب رواں پیدا
گل نسریں میں عکس رنگ گل ہے خوش بدن ایسا
بلوریں جام میں جیسے شراب ارغواں پیدا
بہار لالہ و گل کا ہے بس گلگشت میں گلگوں
ہوتی موج نسیم صبح سے اسکے عیاں پیدا
دھن غنچوں کے خنداں ہیں شگفتہ روئے گل یہاں تک
کہ ہے ہر قطعہ گلشن سے گشت زعفراں پیدا
بہار باغ کی تعریف میں مصروف ہر دم
ہوتی ہے غنچہ سوسن کے منہ میں اب زباں پیدا
نشاط و خورمی کا بسکہ ہے آہنگ گلشن میں
دہن سے ہوئے غنچوں کے صفیر بلبلاں پیدا
سرور و جشن کے نغمات دلکش بسکہ ہیں ہر سو
خیاباں در خیاباں ہے ہجوم گلرخاں پیدا

کہاں تک شرح اب کیجئے وفور حسن و خوبی کی
نشاط و عیش ہے عالم میں تا پیر و جواں پیدا
مجھے ایماں نہ تھی وجہ طرب کی جستجو ہر دم !
ہوا ہے مثل گل خنداں یکا یک باغباں پیدا
کیا یہ عرض خدمت میں اسکی اے چمن پیرا
ترے مخلص پہ ٹک ہووے یہ راز نہاں پیدا
کہ یہ کس کے قدم کے فیض سے ہے رنگ گلشن میں
جدھر دیکھو ادھر کوئی بہار دلستاں پیدا
کہا اس نے کہ اب نواب سیف الملک کے گھر میں
ہوا فرزند عالی بخت با صد عزّ و شاں پیدا
یہ سب تمہید اس کے جشن کی ہے باغ عالم میں
کہ ہر یک لحظہ ہے تازہ نشاط انس و جاں پیدا
کہاں تک اس تولد کی سعادت کا بیاں کیجے
ہوا ہر اک کے دل میں سرور بیکراں پیدا
کرم اور بذل کا مجھ سے شمار اب ہو نہیں سکتا
زبس دادا کو ہے اس کی مسرت ہر زماں پیدا
سنیر الملک وہ کیخسرو و جمشید حشمت ہے
کیا ہے جسکی ہمت نے نتائج بحر و کاں پیدا
زہے نواب عالی قدر و حاتم عصر دریا دل
ہوا ہے آستیں سے جسکے ابر دُر فشاں پیدا

بسان مردمک خلقت کے آنکھوں میں اس جا ہے
کیا ہے جس کسو نے اسکے دل میں ٹک مکاں پیدا
نہال اب ہو گیا ہے ایک عالم ناز و نعمت سے
ہوا جس وقت سے وہ نو نہال باغ جاں پیدا
زر سرخ و سفید اب اسقدر بخشش میں آیا ہے
کیا ہر ایک مفلس نے ہے گنج شایگاں پیدا
زمیں سے تا فلک اک پردہ قانون عشرت ہے
یہاں تک عیش عالم میں ہوا ہے مہرباں پیدا
یہ سنتے ہی ہوا گل گل شگفتہ لشکر میں گویا
دل افسردہ کو مسکے ہوا ہے تازہ جاں پیدا
بسان مہر عالمتاب سے کے مشرق دل سے
زباں اوپر ہوا یہ مطلع راحت رساں پیدا

مطلع

چمن میں دہر کے ایسا ہوا سرو رواں پیدا
قدم سے جسکے ہے شادابی باغ جہاں پیدا
مزاج دہر اب کیوں کر نہ آوے اعتدال اوپر
جہاں کے بیچ میں ثانی ہوا نوشیرواں پیدا
کیانی خانداں اے دوستاں کیونکر نہ ہو روشن
ہوا عالم فروز ان چراغ دودماں پیدا
بقائے عمر و دولت سے ہوا یہ سلسلہ جاری
کیا اللہ نے اب صاحب نام و نشاں پیدا

دویم ردے کرامت سے لکھا نوشیروان ثانی
ہوا از بسکہ عالم میں وہ فخر خانداں پیدا
الٰہی اس کی ہووے عمر کی ڈوری دراز اتنی
کہ ہو ہر یک گرہ اندر حیات جاوداں پیدا
بغیر از شعر مجھکو دسترس کب ہے کسو شئی کی
کیا ہوں نذر کی خاطر یہی میں ارمغاں پیدا
احبا کے سر او پر چیغۂ یاقوت رمّانی
تبر دشمن کے تارک سے ہو بنہ لگی شان پید

÷

قصیدہ ؏۱

[۱۴]

بیدا ہے تیرے چہرہ سے یہ شان وزارت
جو دیکھے سو بولے کہ ہے شایان وزارت
بہتر جو کیا فہم ارسطو سے بھی تجھ کو !!
تب شاہ نے بخشا ہے قلمدان وزارت
شاگردی کے پیشہ میں ہے شائستہ اسد خاں
بیرم تیرا ہے طفل دبستان وزارت !!

؏۱ "مجموعہ فصاحت" (قلمی)

جسطرح کہ خورشید فلک پر ہے سزاوار
زیبندہ تجھے مسند دیوان وزارت

جیوں نور نظر چشم میں ہے باعث انوار
روشن ہے تیری ذات سے ایوان وزارت

پہنچے نسب حسب ترا شاہان سلف کو
کیونکر نہ کہوں تجھکو میں سلطان وزارت

جسطرح کہ رائج ہے زر سکہ شاہی
جاری ہے تیرا ملک میں فرمان وزارت

بخشے ہے شرف جیسے تیری ذات نے اسکو
باللہ ریاست پہ ہے احسان وزارت

کہتی ہے کہ ہوں جاریہ بے زر و دینار
ہے ذات سے تیری یہی پیمان وزارت

جتنے کے الوالعزم ہیں شاہان زمانہ
حیران ہیں تیرا دیکھ کے سامان وزارت

کیونکر نہ کہوں میں تجھے اب گوہر شہوار
ہے ذات تیری لعل بدخشان وزارت

اے ابر عنایات خدا آیۂ رحمت
سرسبز ہوا تجھ سے گلستان وزارت

گلشن میں زمانہ کے کبھو پیر فلک نے
دیکھا نہیں تجھ سا گل خندان وزارت

ہے رائے سے تیری ہی ریاست کو تجلی
روشن ہے یہ اب شمع شبستان وزارت
مقدم سے ترے اے سبب خوبی عالم
اک خلق ہے اب خرم و شاداں وزارت
مانند مسیحا کے ریاست کیا احیا !!
سوگند بہ خالق کہ تو ہے جاں نثار وزارت
ہیں اور بھی ہر چند امیران زمانہ !!
سب نجم ہیں تو مہ تاباں وزارت !!
ہیں قطب و افلاک ریاست کے بلا ریب
اس دور میں جتنے کہ ہیں ارکان وزارت
پہنچے ہے کہاں رتبہ کو اس کے شہ خاور
رکھتا ہے شرف جو ترا درباں وزارت
ازبسکہ تو زر پاش ہے ہر روز جہاں میں
بیجا ہے ترا مہر درخشان وزارت
زیبا بھی ترے سامنے دامن کو پسارے
تیرا ہے کرم ابر دُرافشاں وزارت
انصاف کی یہ دھوم میں ہے گرمی بازار
جیسے کہ ترے ہاتھ ہے میزان وزارت
ہمت کے ترے کہسار کا دیکھے تو پرکاہ
مدسکر کہ ایسا ہے نگہبان وزارت

جوں مہر ہے زیر قدم اس کے یہ زمانہ
ہے تیری سواری کا جو یکران وزارت
بدخواہ جو ہیں دولت عالی کے الٰہی
اغنام کے مانند ہو قربان وزارت
ماضی ہے ترے روبرو حاتم کی سخاوت
تو عصر کا منعم ہے ثنا خوان وزارت
ایمان کی یہ حق میں دعا ہے ترے دن رات
اے موجب شادابی بستان وزارت
طوبیٰ کی طرح سایہ نگن سر پہ جہاں کے
تا حشر ہو یارب تیرا دامان وزارت

٭

قصیدہ (تسمیہ خوانی)[۱]

[۱۴]

شکر خدا جہاں ہے سراسر سرور میں
سررشتہ نشاط ہے جاری دہور میں
ہے شش جہت میں آج تو یہ جشن دلفزا
قاصر ہے عقل جس کے شمار و فور میں
پہنچے شمیم عیش جنوب و شمال تک
بوئے فرح فزا ہے صبا و دبور میں

۱۔ مجموعہ فصاحت (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

فرحت کا اب تو عالم بالا تلک ہے جوش
آرائش سرور ہے غلمان و حور میں !
غنچہ شگفتہ ہوتے ہیں اور گل ہیں باغ باغ
نغمات دلکشا ہے چمن کے طیور میں !
دور نشاط اب کے ہے اس آب و رنگ سے
صہبائے لعل فام ہے جام بلور میں !
بریں ہر ایک شخص کے ہے تا نش نقرہ
گو یا کہ غوطہ زن ہے جہاں بحر نور میں
ایمان تہنیت کے لیے اب شتاب چل
نواب اعظم الامرا کے حضور میں !!
تسمیہ خوانی آج ہے نام خدا وہاں
آیا ہے فیض عام سے عالم سرور میں
خورشید اور مہ کی روپیہ اشرفی اسے
گزار دے صبح شام خلایق نذور میں

مطلع

کوشش کیا ہے تو جو کرم کے امور میں
آرام ہر گدا کو ہے فرش سمود میں
اللہ نے کیا تجھے یکتائے روزگار !
تیرا نہیں نظیر بطون و ظہور میں
اتنا تیرا کرم تو عطا بخش عام ہے
ذرہ نہیں ہے فرق سلیمان و مور میں

بخشا ہے تو نے جتنے جواہر اے گنج بخش
معدن میں اتنے لعل نہ گوہر بحور میں
خوان فلک میں اس کی بیشک کب سما سکے
نعمت جو کچھ ہے تیری سماط سحور میں
یہ دسترس ہے تجھ میں کہ ذرہ کو بخش دے
ہے نان مہر یہ جو فلک کے تنور میں!!
مانند مہر سب ترا پنجہ ہے زر فشاں
کچھ فرق اب رہا نہیں نزدیک دور میں
جو کچھ رموز علم تری ذات پر ہے کشف
آوے نہ بوعلی کے بھی ہرگز شعور میں!
جب سے کہ دہر میں ہے ترے ضبط عدل کا
آیا ہے امن و عیش یہاں تک ظہور میں
دیکھے نگاہ تیز سے ملک ناتواں طرف
ایسا نہیں ہے اب کوئی اہل غرور میں
جس نے کہ ذات عالی کی تری بوجھا قدر
ہے سفلگی کا حوصلہ اس ناشکور میں
نعمائے کردگار سے محروم ہو مدام
داخل وہ ہیں ہودہ تو کردہ کفور میں
العنت جناب کی اے دین پناہ اب
واجب ہے مومنین کے قلوب و صدور میں

اللہ کے کرم سے رہے جشن و انبساط
تیرے یہاں تمام سنین و شہور میں
تیری ثنا و مدح کا نواب نامدار !!
یارا کہاں ہے عبد سراپا قصور میں !!
جیسا کہ جوش بحر نہ امواج سے رکے
محصور ہو نہ وصف ترا اب سطور میں
دریا دلا ہنوز ہے کشتی خیال کی !
تیرے بحار وصف و ثنا کی عبور میں
صدقے سے بخشش کے تیرے دوست کو ملے
جو کچھ کے ذائقہ ہے شراب طہور میں !
رکھتا ہے تیری ذات سے جو کوئی دشمنی
ہووے گا روسیا وہ روز نشور میں

⁂

قصیدہ[۱]

[۱۵]

ہزار غنچہ دل میں آب و رنگ نشاط !
عجب شگفتہ رکھے ہے بہار سال گرہ
جہاں کے نبع سراسر ہے اب روے سرور
برنگ سلک در آبدار سال گرہ

۱؎ مجموعہ فصاحت (اس قصیدہ میں مطلع موجود نہیں ہے۔)

ہے بدل درہم و دینار یہ گنج خفی!!
کہ فیض عام سے ہے آشکار سال گرہ
اس دعا میں ہے ایمان روز شب یا رب
رہے یہ جگ میں سدا برقرار سال گرہ
ہر ایک آن زیادہ ہو دولت و اقبال
نشاط و عیش سے ہو یار بار سال گرہ
بحق پنجتن پاک و چار دہ معصوم!!
حیات خضر کی ہو رشتہ دار سال گرہ
زیادہ عمر ہو اتنی کہ اپنی عشر عشیر
کرے نہ طول امل کو شمار سال گرہ
ہر ایک دم ہو مہیا ہزار عیش و نشاط
مدام ہووے بصد اقتدار سال گرہ
سرور و بقا سے ہمیشہ اے نواب!!
نصیب ہووے تجھے بہ ہزار سالگرہ

مثنویاں

برق تابِ باراں

(۱)

عجب برسات کی ہے فصل پیاری
کہ جس کا فیض ہے عالم میں جاری

لکھوں کس رنگ سے تعریف اسکی
کہ کاغذ خود بخود ہوتا ہے ابری

اگر صفحہ پر کھینچوں جدول سیم
رواں ہوتی ہے مثلِ جوئے تسنیم

ہر اک نقطہ سے قطرہ ہووے پیدا
بنے ہر سطر اشکِ موجِ دریا

حروف عین و غین از قاف تا قاف
ہیں دالِ ابرو عینِ چشمہ صاف

کوئی اب شعر کہہ سکتا کہاں ہے
کہ ہر اک بحر دریائے رواں ہے

رقم ہووے اگر مضموں بہ دشوار
ڈبو دیوے سفینہ بحرِ اشعار

پہونچنا کیونکہ ہووے تا بہ منزل
سیاہی سے قلم ہے پائے در گل

مگر بہ جانبِ مژگان پُرنم
برنگِ ناؤ رواں جاری ہے ہر دم

لکھوں جو زرق برق اس کی بجا ہے
کہ بہتر موسم ابر و ہوا ہے

ہجوم ابر کا ہے اس قدر جوش
کہ ہے خورشید بھی عالم سے روپوش

یہ طوفاں آب کا از غرب تا شرق
مہ نو کی بھی کشتی ہو گئی غرق

تلاطم بس کہ تا چرخ بریں ہے
نہنگِ کہکشاں بھی تہ نشیں ہے

عروجِ آب کا اتنا ہے طوفاں
پھریں بہتے برجِ حوت و سرطان

گذر قوسِ قزح سے ہے بے تامل
فلک پر بھی بندھا ہے اندنوں پل

نہیں یہ برق اب چمکی ہے ناگاہ
دلِ مجنوں کی آتش ریز ہے آہ

شرارِ تیشۂ فرہاد یا ہے
کہ جس نے بے ستوں کو شق کیا ہے

اگر ہر سو [illegible] بہر
نمو ہے وہ آہ اشکِ مجنوں

فراہم پنبۂ داغِ جگر کر — سراسر قیس نے پھینکا ہوا پر

نہیں ہے گرد شب تیرہ سیاہ پوش — سویدائے دلِ مجنوں کا ہے جوش

سیہ خیمہ ہے لیلائے عرب کا — سوادِ وادیٔ عالم میں برپا

ہوئی قوسِ قزح ازبسکہ زرد گیر — برستے ہیں عجب قطرات کے تیر

نہ کیجے شورِ رعد و برق کی پے — کہیں دونوں کی آپس میں چھڑی ہے

شفق ابرِ سیہ میں یاں ہے غلطاں — ملا ہے خاک میں خونِ شہیداں

نہ گرم و سرخ کے اب تو ہو در پے — نشانِ دستِ فندق بید کی ہے

جہاں لکھے نیچ آتش کی نشانی — اگر ڈھونڈو تو اب مشکل ہے پانی

تنورِ گرم سے طوفاں کا ہے جوش — ہوئی آتش برنگِ لعل خاموش

ہے آتش سنگ میں بھی بسکہ نایاب — شرر کی جائے نکلے قطرۂ آب

سمندر کی یہ سنتے ہیں زبانی — "ہوا جاتا ہوں میں بھی پانی پانی"

یہ دشت دور میں بارش کا اثر ہے — کہ خارِ خشک بھی مژگانِ تر ہے

خطِ جادہ ہے ازبس رود پُر آب — ہوا ہے نقشِ پا مانندِ گرداب

زمیں اوپر پڑا تا سنگ ہے کب — شناور ہے بسانِ سنگ پشتِ آب

زمیں گیری محال ازبس ہوئی ہے — پڑے پھرتی ہے ترتے ابابیلے

حباب اب جا بجا مت بوجھ ترتے — ہیں مرغابی کے انڈے ہیں بھرتے

تموج میں ہے ازبس آبِ گوہر — صدف مثلِ حباب اب ہے شناور

جہاں شمشیر میں جوہر عیاں ہے — برنگِ سبزہ و آبِ رواں ہے

طراوت اتنی ہے طوفاں کی در پے — کہ نقشِ بوریا بھی موج زن ہے

تموج آب کا ہے تا با فلاک — پھرے خطِ شعاعی مثلِ خاشاک

ہوا کا بادپا ہے برق آہنگ — جلو ریزی میں ابرش کے رکھے ڈھنگ

زبس فیلِ سحاب اب قطرہ زن ہے — گجک کی شکل ہر شاخِ چمن ہے

لب جو پر ہیں نخل از بس کہ نایاب   بجائے سرو ہیں فوارۂ آب

ہر اک غنچہ سمن کا شبنم تر   ٹپکتا موتیا سے آبِ گوہر

بجائے بید مجنوں ہر مکاں میں   ہوئی قوسِ قزح پیدا جہاں میں

ہوا اب شعلۂ آتش گُل تر   بجائے دود پیدا سنبل تر

یہ ہے انگشت و اخگر کا حوالہ   معطر ہے برنگ داغ لالہ

ترشح میں ہے از بس ابر تصویر   چمن نقاش کا ہے رشک کشمیر

عجب نیرنگ کی نشو و نما ہے   پر طاؤس دامان ہوا ہے

زمیں سے تا فلک مت سرسری دیکھ   بہارِ عالم نیلوفری دیکھ

یکایک برق جب کڑکے ہے بیباک   دھمک جاوے حصار ہفت افلاک

یہ ہے بادل گرجنے سے علامت   کہ آئے شور میں صور قیامت

نہیں جگنو چمکتے ہیں یہ سارے   پڑے افلاک سے ہیں ٹوٹ تارے

شب تاریک میں یوں شمع ہے گم   کہ جیسے دیدۂ آہو میں مردم

ہے سیل شمع سے بھی یہ خرابی   بنی فانوس کی صورت حبابی

یہ طوفاں اب ہے میخانے کے اندر   کہ شیشہ آبگینہ حوض ساغر

ہے زہد خشک کا اب تر اسباب   عصا فوارہ و تسبیح دولاب

نہ کیجو سر پہ اپنے تو عبث جبر   کہ بارانی ہے دریا بار جوں ابر

سمجھ اس فضل سے گر آشنا ہو   کہ جوں عکس آئینہ جائے شنا ہو

بیاں ہووے نہ کیفیت کماہی   ہے جوشِ آب از مہ تا بماہی

حباب آسا زمانہ کا ہے اسباب   زمیں تا آسماں اک عالم آب

ادھر لا کشتیِ مے جلد ساقی!   جہاں کے ڈوبنے میں کیا ہے باقی

مجھے جانا ہے اس خورشید رو تک   عروسک جس کے فندک کی کنیزک

نظر میری طرف تیری کہاں ہے   مری ہر اک پلک اب ناوداں ہے

نہ دی نالوں نے فرصت رات مجھ کو ستاتی ہے نپٹ برسات مجھ کو

اُدھر اک بار بجلی کا کڑکنا غضب ایدھر مرے دل کا دھڑکنا

عذاب ہجر سے کیونکر نہ ہوں سر پر مجھے قوس قزح آرہ ہے سر پر

عجب طوفان پر ہے ابر مژگاں نگہ میری ہے برق خرمن جاں

نمونہ برج آبی چشم کا ہے کہ سیل اشک بھی اک ماجرا ہے

سُنے جو کوئی اس کو لوٹ جاوے سرشک چشم سے دریا بہاوے

یہ رُت بدلی ہے جب سے جی گھٹا ہے کہ وہ خورشید رو مجھ سے جدا ہے

اندھاری رات ساون کی ڈراوے ادھر بجلی جُدی آنکھیں دکھاوے

کبھو مارے ہے چشمک برق سے ابر کبھی غراں ہے رعد تند جوں ببر

عجب اک کشمکش کے دام میں ہوں کہ اک دم بھی نہیں آرام میں ہوں

اُدھر بادل طرف جنگل کے اینچے ادھر بجلی جُدی تلوار کھینچے

سُنے پی پی پپیہا کی جب آواز کرے ہے مرغ جاں تا لب سے پرواز

شتابی آ کہیں اسوقت ساقی تری اس سردمہری نے لیا جی

پھروں ہوں چرخ ڈالوانڈول لیے پیتے کہ عقل اس چاہ میں اب باولی ہے

عجب آئی ہے فصل برشگالی نہیں ہے موج سے کوئی بھی خالی

رواں نہریں ہیں اور سبزہ ہے گہرا چمن سے لے کے تا دامان صحرا

کسی جا ناچتے بن بن کے ہیں مور کسی جا کو کلا کوئل کا ہے شور

جدھر دیکھو ادھر اب کیا کہوں میں ہنڈولوں پر پری رو جھولتے ہیں

نظر اس پینگ میں مہ حسن کب آوے ہوا پر ایک تجلی سی چمک جاوے

حنائی دست و بازوبند طلائی شفق ہے جوں کرن کی روشنائی

قیامت ہے اگر حسن دلاویز غضب آواز شیریں شور انگیز

کہیں ساون کی ہے آواز دلکش فرشتے کو سُنے سے ہبکے ہو غش

کہیں ٹھہری کسی جا داد را ہے — کہ ٹک سنتے ہی جس کے جی ہوا ہے
پری رو ہر مکاں میں ہو کے اب جمع — برنگ صحبت پروانہ و شمع
کریں باہک دگر اب گرم جوشی — مہیا اب ہے بزم بادہ نوشی
جہاں میں جا بجا ہے راگ اور رنگ — جسے دیکھو تو اب ہے عیش آہنگ
رکھے ہے ایک مجھ سے جنگ یاراں — کرے ہے دل یہ میرے سنگ باراں
رکھے کب تک مری کشتی تباہی — مجھے دے وصل کی دولت الٰہی
سدا میرے رہے وہ سیم بر ساتھ — بالفت لب بلب اور ہاتھ میں ہاتھ
شراب عیش کا جام و سبو بخش — ترابندہ ہوں مجھ کو آبرو بخش
جہاں میں جب تلک ابر و ہوا ہے — یہی ایمان کی یارب دعا ہے
یہ سب جوش و خروش ابر باراں — مبارک ہو بہ جمع میگساراں
وہ میرا مہرباں اور میں ہر اک دم — رہیں ابر و ہوا کی طرح باہم

فراق نامہ
(۲)

سراپا کرم گستر و مہرباں — الٰہی سلامت رکھے جاوداں
تمنا یہاں تک ہے دیدار کی — کہ طاقت نہ تحریر و گفتار کی
اگر ایک شمہ کو کیجے رقم — تو پیدا کرے چشم نرگس قلم
مثال آئینے کے یہاں اب تلک — قسم ہے ملی نہیں پلک سے پلک
ہر اک صبح اٹھتے ہی اندوہ ناک — کروں ہوں گریباں طاقت کو چاک
چلے جب چمن میں ہوائے سحر — تو کہتا ہوں اس سے دم سرد بھر
صبا عرض کیجو تو بعد از سلام — کہ ایمان کا ہے یہی اب پیام
اگر باغ میں دیکھے شمشاد کو — کرے یاد اس سرو آزاد کو

تصور میں تب اس کے قربان ہو
گلے مل کے قمری سے نالان ہو

کبھو جا پڑے ہے جو گل پر نظر
تو کہتا ہے بلبل سے ہو چشم تر

حکومت چمن کی خدا دے تجھے
مرا مہرباں وہ ملے گر مجھے

سدا آپ ہی آپ دل تنگ ہے
اسے غنچے کا دیکھنا تنگ ہے

چمن میں ہے وہ اس قدر اشکبار
کہ رہتے ہیں معمور سب جوئبار

سدا دن اسی طرح جاوے گزر
چھپے جبکہ خورشید نکلے قمر

کرے آہ کو مشتعل جوں چراغ
دکھا دے ستاروں کو سینے کے داغ

نظر جب کرے ہے ستاروں پہ وہ
تو لوٹے سحر تک انگاروں پہ وہ

کرے کوئی اس سے تمہارا بیاں
نکل جاوے جوں بوئے گل تن سے جاں

غرض طرفہ غم میں گرفتار ہے
کہ جینے سے بھی اپنے بیزار ہے

ہوس دیکھنے کی ہے واں اب تلک
تب آنکھوں میں جی رہ گیا ہے اٹک

شتابی خبر لے برائے خدا
نہیں تو کوئی دم میں ہوگا ہوا

زیادہ کہاں تک لکھوں قدرداں
قلم پھٹ کے اب وہ گیا ہے یہاں

الٰہی تو یہ باغ آباد رکھ
دل دوستاں کو سدا شاد رکھ

رہیں دشمناں یاں کے اب روسیاہ
ہمیشہ پھریں وہ ذلیل و تباہ

مرا آپ سے جو کہ پوچھے پیام
بصد اشتیاق اس کو کہیے سلام

بے تاب نامہ

(۳)

سرو گلزار آشنائی!
جانِ شیریں دل ربائی

رہو مجلس میں تیری جوں گل!
لب ریز نشاط ساغر کو

تیرا ہے خیال بس کہ دن اور رات
خوش آتی نہیں کسی کی بھی بات

آنکھوں میں پھرے ہے تیری صورت
دل میں ہے بھری تری محبت

ہر صبح یہ دھیان ہیگا
کس جائے وہ مہربان ہیگا

حسرت ہی میں دن تباہ ہوئے
آنکھوں ہی میں جاں سیاہ ہووے

جب زلف کشا عروس شب ہو — آفت ہو، عذاب ہو غضب ہو
وحشت کی کہوں کہ بے قراری — آنکھوں کی کہوں کیا اشکباری
پلٹے ہے وہ کر بے اثر ہو — پھر نالہ جگر پہ نشتر ہو
بھاتا ہی نہیں پلنگ مجھ کو — کھائے جائے ہے جوں پلنگ مجھکو
ہے داغ سے دل کے گرم بستر — درکار نہیں ہے نرم بستر
جوں شمع تمام شب ہے رونا — جلنا ہے یہاں کدھر ہے سونا
گاہے جو پلک جھپک گئی ہے — تجھ پر ہی نظر اٹک گئی ہے
کیونکر نہ عزیز ہو وہ سپنا — جس میں کہ ملے حبیب اپنا
اس وقت نصیب کیوں نہ جاگے — دلدار گلے سے جب کہ لاگے
اس آن کے وصل پر سے قرباں — اک جان تو کیا ہے بلکہ سو جاں
پھر آنکھ جو کھل گئی ہے ناگاہ! — آیا نہ نظر وہ یار دل خواہ
تا صبح قرار پھر نہ آیا! — وہ رشک بہار پھر نہ آیا
طوفاں کیا چشم تر نے — دل غم سے لگا ہے آہ بھرنے
قسمت سے اگر نصیب جاگے — تب آنکھ اسی طرح سے لاگے
پھر ٹک نہ لگے پلک پلک سے — تر جب ہو اشک کی ڈھلک سے
ہو جان پر اس قدر تباہی — جیسے کہ چراغ صبح گاہی
تن بہہ کے ہوا ہے مثل دریا — آنکھیں ہیں بھری حباب آسا
دیدار کی بس کہ تشنہ لب ہیں — مہمان یہ کوئی دم کی اب ہیں
لازم ہے خبر شتاب لینا — مرتے کو جلا ثواب لینا
جاں بخشی اگر کرو تو بہتر — بے طرح فراق میں ہیں مضطر
اک شمہ کہاں ٹلکا دل کا — ناسور ہوا ہے گھاؤ دل کا
ہم ہیں اور یاد مہربانی — کہیو قاصد یہی زبانی
سوئے ایمان ہم لگا ہے — بیہم اگر نیست گاہ گاہے

مثنوی خسرو و شیریں

(۴)

اے دلبر خوبرو بد اطوار ۔ جوں ایک گل اور ہزار ہوں خار

گیسو جو ہیں سر بسر معنبر ۔ جز روز سیہ نہ لائیں سر پر

ہر چند جبیں ہے لوح سیمیں ۔ ہے نقش وفا سے سادہ آئیں

ابرو ہیں اگرچہ وہ دل آویز ۔ شمشیر کی شکل پر ہیں خوں ریز

نرگس ہے بعینہ اگر چشم ۔ پر اس میں حیا نہیں بجز خشم

مژگاں جو ہیں مثل ناخن باز ۔ خونخواری سے رہیں نہ ٹک باز

ہیں گرچہ وہ گوش بہتر از گل ۔ پر سنتے ہیں کب فغان بلبل

ہے مثل سحر اگر بناگوش ۔ کر دے ہے چراغ عقل خاموش

زلفیں ہیں اگرچہ مشک تاتار ۔ پر حرف گزندہ جوں سیہ مار

چنپے کی کلی ہے گرچہ بینی ۔ خود بینی ہے ستم گزینی

جوں غنچہ اگرچہ وہ دہاں ہے ۔ پر زیر زباں سو زباں ہے

ہیں سلک گہر اگرچہ دنداں ۔ الماس سے تیز ہیں وہ چنداں

شیریں لب ہیں پہ ہے یہی قہر ۔ دہن تلخ جواب بدتر از زہر

ہے وہ جو زنخ مثال سیب ۔ پہنچاتے ہے دل کو آہ آسیب

گردن وہ جو ہے صراحی خوب ۔ پینا اسے خون دل ہے مرغوب

شاخ گل ہیں جو دست و بازو ۔ شمشیر بکف ہیں عربدہ جو

خورشید اگرچہ ہے وہ پنجہ ۔ دست عزیا کرے ہے رنجہ

ہے پشت بھی ابرگ موز ہر چند — پر افعی جعد سے ہے پیوند
سینہ ہے اگرچہ آب شفاف — دل اس میں ہے سنگریزۂ صاف
تا قم سے بھی نرم گر شکم ہے — گنجائش راز اس میں کم ہے
گرویدۂ حور ناف ہے وہ — پہنائے ہے چشم زخم دل کو
وہ موئے میاں ہے گرچہ باریک — کرتی ہے نگاہ عقل تاریک
لے ران سے تا بہ ساق ہر چند — خوشتر ہے نہال موز مانند
پر ختم ہے سرد مہری اس پر — بھاگے گا کافور وہاں سے اکثر
ہے رات اگرچہ سرو قامت — رفتار میں ہے بھی قیامت
بیٹھا ہے کہیں نظر کہیں ہے — ہے شام کہیں سحر کہیں ہے
القصہ ہے سر سے لے کے تا پا — نقش آفت بلا کا پتلا
اس فرقہ میں امتیاز کب ہے — بے شرمی و بے وفائی سب ہے
ہر جائی ہیں اس قدر یہ بے برد — خانہ خانہ پھریں ہیں جوں نرد
دراصل ہیں بسکہ پست طینت — سفلوں سے رکھے ہیں گو کہ صحبت
دیکھیں جس جائے مال والا — سکھلائیں نگاہ کو چپھنارا
زردار سے لگ چلیں نہایت — دن رات ہے عشق کی حکایت
سو طرح سے اور ہزار کد سے — زر کی ہے طالب ہے نیک و بد سے
جب مال ہوا تمام اس کا — پھر لیں نہ کبھو یہ نام اسکا
اشراف تو ان کے یہاں وہی ہے — جس کے کیس میں اشرفی ہے
قدر انسان نہیں ہے ذرہ — ہے اپنے رذالہ پن پہ غرہ
ان سے ہے غرض کنارہ بہتر — ہے دور ہی سے نظارہ بہتر
ایمان نہ کر بہ بے مزہ ذکر — مضمون لطیف کی کر اب فکر

یعنی خوباں پاستانی ! تھی جن میں وفا و مہربانی

بسکہ لیلیٰ سے تا بہ شیریں معشوق یہ ہیں مروت آئیں

ملک ارمن کی ایک بانو اقبال تھا جسکے یہاں دو زانو

خورشید افسر ستارہ منظر شمشیرزن و سپاہ پرور

چوگان بازی میں شہسواری جیسے کہ نسیم نو بہاری

رہتی تھی دوام اس کے ہمراہ ہفتاد پری وشان دلخواہ

ہر ایک تھی ان میں شوخ و بیباک تیرانداز و سوار چالاک

گلگوں ایک اسپ ایک شبدیز تھا برق سے بھی ہر ایک سبک خیز

ہر شام میں تھی بملک ارمن صحرا صحرا شکار افگن !

مشتاق ہیں قصہ دار ہر چند لیکن قصہ ہے چند در چند

فرمان فرمائے ہفت کشور خسرو ثانی شہ دلاور

نادیدہ ہوا وہ عاشق اس کا پہنچا ارمن کے ملک تنہا

کی ہے شیریں نے چند مدت انواع انواع کی ضیافت

گاہے بزم کباب و مے تھی آواز سرود و چنگ و نے تھی

گاہے چوگان و ترک تازی گاہے اشعار و نرد بازی

چاہا خسرو نے وصل جس دم اس شوخ غزال نے کیا رم

کی عرض وہیں کہ اے جہاندار بے عقد نہ ہو یہ کام زنہار

خسرو سنتے ہی اس سخن کے ناکام پھرا طرف وطن کے

دولت میں خلل ہوا جو ناگاہ لی ہے ناچار روم کی راہ

تھی قیصر روم کی جو دختر خورشید جمال و روشن اختر

وصلت کو اس سے ساتھ لے فوج آیا پھر اپنی یہاں بصد اوج

عمر شیریں کی وہاں گزر گئی | اس کہنہ بہار سے کوچ کر گئی
شیریں کو ہوا نہایت اندوہ | انبوہ ملال کوہ در کوہ
ناسفتہ تھا بسکہ وہ در پاک | مانند صدف کیا جگر چاک
کوئی نہ عزیز نہ برادر | جوں کوہ گرا غم اسکے سر پر
شیریں کے بھی عشق نے کیا جوش | سب عیش و طرب ہوا فراموش
ناچار غلام کو دیا راج | ارمن کا ہوا وہ صاحب تاج
جس کا حق تھا سو اسکو دے کر | باقی سب مال ساتھ لے کر
پھری خسرو کے شہر کی راہ | القصہ وہاں پہنچ کے ناگاہ
جنگل میں بنا کے ایک محل دور | قصر شیریں سے جو ہے مشہور
کی ہے ناچار وہاں اقامت | اور اپنے ہی ہمرہوں سے صحبت
خسرو نے یہ سن نوید فرحت | بھیجا شاپور بہر خدمت
با وصف شکوہ بادشاہی | کی لاکھ زباں سے عذر خواہی
لیکن یہ سن کے کامیابی | حاضر ہوتا وہیں شتابی
ہے قیصر روم کی جو دختر | ضابط ہے وہ ملک و سلطنت پر
اس عذر کو اب معاف رکھنا | خاطر کو ادھر سے صاف رکھنا
شیریں نے سنا یہ جب کہ پیغام | رکھا دل کو بہر غلط تمام
لیکن اتنا کہا ہے ناچار | شیریں ایسی بھی تو نہیں خوار
جس دم کہ نقاب ٹک اٹھا دے | لاکھوں عاشق وہیں بنا دے
لازم یہ ہے کہ خوش رہیں آپ | شیریں سے نہ بات کچھ کہیں آپ
شاپور سے پھر کہا ایک کام | بہتر ہے جو ہو سکے سرانجام
اس دشت کا آب صرف ہے زہر | افعی کی گیاہ میں بھی ہے بہر

رکھا ہے دوا ب دور یہاں سے ۔۔۔ شیر آئے ہے دیر کر وہاں سے
پیتے ہیں بجائے آب یہاں شیر ۔۔۔ آنے کی شتاب کچھ ہو تدبیر
شاہ پور نے یہ کہا کہ فرہاد ۔۔۔ کاریگر ہے بڑا ہی استاد
تیار کرے گا اس طرح نہر ! ۔۔۔ جس میں جاری ہو شیر کی لہر
لایا ہے چنانچہ کوہ کن کو ! ۔۔۔ یعنی اس مرد تیشہ زن کو
شیریں نے کیا پھر اس کو مامور ۔۔۔ تیاری نہر پہ بدستور
فرہاد نے جا جہاں ؟ تھا ۔۔۔ نہر نادر کا نقش باندھا
ڈالا گر اس میں قطرۂ شیر ۔۔۔ گھر میں پہنچا بدون تاخیر
اب تک ہے وہ نہر عشق معمور ۔۔۔ عالم میں ہے جوئے شیر مشہور
شیریں تو خوش وقت ہو نہایت ۔۔۔ آئی ہے برسر عنایت
گھر میں فرہاد کو بلا کو !! ۔۔۔ بخشا گوش و گلو کا زیور
اور کی ہے نوازش زبانی ۔۔۔ شیریں سخنی و قدر دانی !!
شیریں کی سنے سخن جو دلکش ۔۔۔ فرہاد گرا زمیں پر کھا غش
شیریں از بس تھی اس کی آواز ۔۔۔ اس نام سے ہی تھی وہ ممتاز
آیا جس دم غش سے باہر ۔۔۔ انعام نثار کر کے یک سر
کوہ و صحرا کی لی ہے پھر راہ ۔۔۔ یا اشک رواں و نالہ و آہ
گاہے بیہودہ رہ نوردی ! ۔۔۔ خار خارا میں دشت گردی
پھر انس کیا ہے رام و دد سے ۔۔۔ صحرا کے ہر ایک نیک و بد سے
مرغ و ماہی سے تا دد و مور ۔۔۔ ڈالا شیریں کے نام کا شور
خسرو پر ہوا یہ جب ہویدا ۔۔۔ شیریں کا ہوا ہے کوئی شیدا
کی ہے پہلے تو قتل کی فکر ۔۔۔ مشہور ہووے نہ تا کہ یہ ذکر ع[1]

ع[1] "الف" مشہور نہ ہووے تا کہ یہ ذکر

آخر کو یے کا عدل کر یاد | جائز نہ رکھا یہ ظلم و بیداد

اس کو پھر مکر اور فسوں سے | اٹکایا کوہ بے ستوں سے

یعنی کہ تراش کر یہ کہسار | کر ڈالے ایک شاہ راہ ہموار[1]

شیریں کے ہو تب ہی وصل سے شاد | دہشت برباد دخانہ آباد[2]

فرہاد نے پھر اٹھا کے تیشہ | لی وجد و طرب سے راہ بیشہ

تھا کوہ وہاں سے چند فرسنگ[3] | جوں چرخ بلند و سنگ در سنگ

یک دست اسے تراش ڈالا | لے کر پائیں سے تا بہ بالا

کھودی شیریں کی پھر وہ تصویر | جس میں[4] پرواز دار تحریر

اس نقش کو دیکھ بر سر سنگ | صورت گر چیں بھی ہو گیا دنگ

گلگوں پہ کہیں سوار شیریں | خسرو سے کہیں دوچار شیریں

اس کوہ میں بلا تحاشا | بت خانہ چیں کا تماشا

شیریں سن کر یہ صنع کاری | کی پھر ملاحظہ سواری ۱۱

دیکھا وہ تمام کوہ سنگیں | ہے نقش و نگار سے ہی رنگیں

دیکھا ہے جو کوہ کن کو دلگیر | بخشا خاصہ کا ساغر شیر

اس تلخی ہجر سے مسلم | شیریں کامی ہوئی ہے اک دم

گھر کا جدم کیا ارادہ ۱۱ | فرہاد جلو میں تھا پیادہ

ناگاہ فرس سکندری کھا | دونوں زانو پہ آ رہا تھا

اس عاشق بیل تن نے وہیں | لے دوش پر اسپ اور شیریں

۱۔ الف "کر دے ایک راہ بین و ہموار" ۲۔ ج "وحشت خانہ برباد و خانہ آباد"

۳۔ الف "فرسنگ" ۴۔ الف "جس میں پرواز اور تحریر"

رہ میں نہ لیا کہیں ذرہ دم ‏ لایا تا قصر شاد خرّم
پہنچی خسرو کے تئیں خبر جب ‏ دانشمندوں کو جمع کر تب
پوچھا کہو اب صلاح کیا ہے ‏ کیا منع ہے اور مباح کیا ہے
فرہاد تو کر چکا جو چاہا ‏ اپنے اقرار کو نباہا
دانشمندوں نے یہ کہا تب ‏ باقی تدبیر ایک ہے اب
فرہاد کے پاس جا کے دو چار ‏ تھے خانہ خراب وہ جو مکار
یہ اس سے کہا کہ تو کدھر ہے ‏ شیریں کی بھی کچھ تجھے خبر ہے
تھی کتنے دنوں سے وہ جو بیمار ‏ پہنچی خسرو کو آج اخبار
صد حیف گئی ہے جان شیریں ‏ سنسان ہوا مکان شیریں
فرہاد نے سنتے ہی اس آن ‏ گر کر کہسار سے دیا جان
شیریں نے یہ واقعہ کو سنکر ‏ جعد و زلفوں کو کھول کر یکسر
پہنچی ہے وہاں بہ آہ و فریاد ‏ جس جائے پڑی تھی نعش فرہاد
تار کاہش پہ مار زخمہ !! ‏ رکھا اس کو میدان و خمہ
تیار کیا بلند گنبد !! ‏ رکھے ہر سو ہوا کے مسند
ہر چار طرف گل و ریاحیں ‏ سوسن ہے کہیں کہیں ہے نسریں
کہسار پہ لالہ زار ادھر کو ‏ ہے رشک ارم زمیں ادھر کو
دخت قیصر وہ تھی جو مریم ‏ اس کو بھی دیا کسو نے ہلاہل سم
بعض کہتے ہیں بہر شیریں ‏ مریم کو دیا ہے زہر شیریں
جب دونوں طرف ہوئی صفائی ‏ شادی شاہانہ تب رچائی
خسرو پرویز اور شیریں ‏ ہمخواب ہوئے برسم کابین
آخر پھر چاک کر جگر کو ‏ مارا فرزند نے پدر کو !!

دیکھی ہے جہاں جو نقش شوہر
شیریں بھی مری کھا کے جوہر

ہے بسکہ جہاں یہ پیچ در پیچ
قصہ اس کے ہیں پیچ در پیچ

ایماںؔ چل اب یہ وادئ نجد
تا دل کو سرور ہووے اور وجد

قیس و لیلیٰ

(۵)

اپنے دل کی تجھے کہوں میں
دیوانۂ عشق قیس ہوں میں

تھا ملک عرب میں اک جواں مرد
جوں دختر جاں کے منتخب فرد

اللہ نے دیا تھا مال سو فور
تھا سید عامری سے مشہور

خلاق جہاں نے بعد مدت
فرزند کیا اسے عنایت

بیتابی بعد و خون دل شبیر
الفت بنیاد و عشق تخمیر

باغ جہاں کا گل شگفتہ
برج دل کا مہ دو ہفتہ

تھا بسکہ قیاس کا معما!!
کیوں کر نہ ہو قیس سے مسما

جس دم وہ ہوا چہار سالہ
بڑھنے لگا عشق کا رسالہ

یعنی مکتب میں اس کی مائل
تھی اک دختر پری شمائل

زلف اسکی تھی بسکہ لیلۃ القدر
لیلیٰ نام و مشابہ بہ بدر

دونوں ہم درس تھے شب و روز
باہم غمخوار اور دل سوز

یہ انس ہوا ہے رفتہ رفتہ
رہتے یکجا تھے ہفتہ ہفتہ

دہ سالہ ہوا وہ ماہ جس دم
مشتاق ہوا تمام عالم

آئی لیلیٰ کو بھی جوانی!
جیسے کہ بہار بوستانی

تھا قیس اگرچہ سرو خوبی   لیلیٰ بھی تھی ایک تذرو خوبی
مل کر بیٹھیں تو ہو یہی سبح   دونوں جیسے کہ چاند سورج
کچھ فرق نہ تھا انہوں کے مابین   گویا کہ ہوا قران سعدین
تھا درس کتاب اک بہانہ   پڑھتا اشعار عاشقانہ
تھی تیغ وفا کی بسکہ مجروح   قالب دو تھے اور ایک تھی روح
دو چار گھڑی اگر جدا ہوں   رونے روتے غرض فنا ہوں
یہ پیر فلک ہے بسکہ بے مہر   پوشاک سفید و نیلگوں چہر
خوش آئی نہ اسکو ان کی صحبت   پھینکا ناگاہ سنگ فرقت
لیلیٰ کے پدر کو طنز کی راہ !   لوگوں نے کیا ہے جاکے آگاہ
سنتے ہی یہ بات اس نے بے ڈھب   موقوف کیا ہے درس مکتب
رکھا گھر میں کر اس کو قدغن   فانوس میں جیسے شمع روشن
لیکن جوں شمع اشک جاری   شعلہ کی طرح بے قراری
یاں قیس ہوا ہے بے خور و خواب   پروانہ مثال بلکہ بیتاب
پڑھنے لگا عشق کا رسالہ   گلزار جنوں نظر میں پھولا
ہر اک کوچہ میں اور بازار   پڑھتا عشق و جنوں کے اشعار
کوئے لیلیٰ میں جا شب و روز   پڑھتا بیت و غزل جگر سوز
گرد اس کے ہوں جمع جب اطفال   کرنے لگے وجد ہو کے خوشحال
دیکھ اس کے تئیں کمال مفتوں   لڑکوں نے رکھا ہے نام مجنوں
لیلیٰ غرفہ سے کر نگاہیں !   بھرتی تھی خموش سرد آہیں
تب سید عامری ہو ناچار   کر جمع عزیز اپنے یک بار
اظہار کیا غم درونی !!   اور قیس کی ذلت و زبونی

یہ سب نے کہا کہ رسم ہے ہاں   پیوند ہو نخل نخل سے یاں

کیجے اب چل کے ایک یاری   لیلیٰ کے پدر سے خواستگاری

شاید وہ یہی سمجھ غنیمت   راضی ہووے برسم و ملت

لیلیٰ کے پدر نے سن یہ پیغام   یوں کہ کہ نہ ہووے مجھ سے یہ کام

دیوانہ کو کر کے اپنا داماد   ننگ و ناموس دوں میں برباد

ہوتا ہی نہیں یہ کام ہرگز   کیجے نہ خیال خام ہرگز

پھر قیس کو لے پدر نے ہمراہ   کعبہ میں گیا بہ نالہ و آہ

محراب حرم کے پاس جا کر   بیٹے سے کہا کہ ہاتھ اٹھا کر

کر عرض جناب کبریا میں   سو عجز و نیاز سے دعا میں

یارب میں ہوں نپٹ ہی رنجور   رکھ آفت عشق سے مجھے دور

مجنوں نے کہا کہ یا الٰہی !!   دے عشق و مجنون مجھے کماہی

لیلیٰ سے کبھو خجل نہ کیجو   خالی الفت سے دل نہ کیجو

پھر باپ نے ساتھ لے پسر کو   آیا نومید اپنے گھر کو !!

سوجھی ناچار پھر یہ تدبیر   ڈالی مجنوں کے پا میں زنجیر

مجنوں اک شب تمام جاگا   زنجیر توڑ کے گھر سے بھاگا

پہنچا جس دم یہ وادی نجد   کرنے لگا رقص فرحت و وجد

بیٹھا کوہ بلند پر جا !!   خورشید فلک کی طرح تنہا

زنجیر ہلا ہلا کے اس جا   یک بار کیا ہے شور برپا

کوچے لیلیٰ میں روز جانا   سنگ طفلاں خوشی سے کھانا

پھرتا بیہودہ دشت و در میں   کانٹے کف پا میں خاک سر میں

نوفل نامی کوئی سپہ دار   تھا صاحب خلق و فیض آثار

آیا ہے پئے شکار ناگاہ !!
برّ مجنوں میں بھول کر راہ

دیکھا مجنوں کو بر سر کوہ !
با آہ و فغاں و درد و اندوہ

پڑھتا وہ شعر درد آمیز
مضموں جس کا ہو عشق انگیز

تنہا مجنوں کے پاس جا کر
ہمرو اشتفاق سے سنا کر

لایا گھر میں یہ کر کے اقرار
تجھ سے تیرا ملاؤں دلدار

گرم آب سے کر کے سب بدن پاک
پہنائی ہے پھر لطیف پوشاک

کھانے الوان کے کھلائے
شربت اقسام کے پلائے

صحبت مجنوں ہی سے شب و روز
اشعار کی گفتگو دل افروز

لیلیٰ کے پدر کو لے کے خامہ
لکھا وصلت کا پھر تو نامہ

اس نے یہ جواب صاف بھیجا
قاصد سے کہا کہ جلد لے جا

دیوانہ سے کیجے کیونکہ وصلت
رہتی ہے کہاں جہاں میں عزت

خورشید ہوا ہے جبکہ روشن
پہنائی صبا نے بریں جوشن

اپنی ملت میں ہے یہ مانوس
سر جائے کے بعد جائے ناموس

نوفل نے سپاہ کر فراہم
مجنوں کو بھی ساتھ لے کے اس دم

اک یار یگی کر کے ستر لیں طے
پہنچا لب سر قبیلہ سے !!

نوفل کی سپہ سے جب کہ ہوئی جنگ
مجنوں کبھی لگا ہے مارنے سنگ

پوچھا یہ کس نے اے جنونی
فوج اپنی کی چاہے ہے زبونی

"بولا لیلیٰ کی میں طرف ہوں
تیر آفات کا ہدف ہوں"

لیلیٰ کے پدر نے یہ کہا ہے
باقی اب ہم میں کیا رہا ہے

گزرے سر پر اگر قیامت
جیتے جی تو نہ ہو یہ وصلت

خاطر ہووے اگر نہ لیلیٰ
بیچوں سر بے شعور لیلیٰ

نوفل نے یہ سنتے ہی حقیقت ‏ کھینچی دل میں کمال خجلت
سمجھا کہ جدال حرف ہے پوچ ‏ وہاں سے اس آن ہی کیا کوچ
مجنوں کو بھی دے کے اسپ و خلعت ‏ ناچاری سے کیا ہے رخصت
مجنوں وادی میں جب پھر آیا ‏ ایک ابر سیاہ سا گھر آیا
نالاں گریاں بسان سیلاب ‏ ہر لمحہ مثال برق بیتاب
اک دن صیاد نے قضارا ‏ پکڑا ہے غزالہ چکارا
مجنوں جا کر ہوا ہے سائل ‏ یہ بخشش مجھے پڑے شمائل
تب اس نے کہا کہ مول لیجے ‏ پھر دام سے اس کو کھول دیجے
گھوڑا صیاد کو دیا ہے !! ‏ مول اس سے غزالہ کو لیا ہے
پھر اس کو گلے لگا کے رویا ‏ لیلیٰ کی ہے چشم تیری گویا
رفتار بھی ویسی ہو بہو ہے ‏ لیلیٰ کے سکوں میں آہ تو ہے
سبزہ خاصہ کھلا کے تھوڑا ‏ نام لیلیٰ پہ اس کو چھوڑا
پھر ایک دن اک گوزن کو آہ ‏ پکڑا صیاد نے جو ناگاہ !
اپنی دے کر تمام خلعت ‏ اس کو بھی رہا کیا امانت
مارا الفت کا اس قدر دام ‏ وحشی صحرا کے سب ہوئے رام
رہتی تھی مدام اس کے ہمراہ ‏ شیر و آہو پلنگ و روباہ
صحرا سے اداس ہو کے تنہا ‏ اک دن اک باغ میں گیا تھا
دیکھا یہ وہاں کہ باغباں ہے ‏ اک سرو کے کاٹنے کے درپے
مجنوں نے کہا یہی بہ تکرار ‏ تیشہ نہ چلائیو خبردار !
تیغ ایسے نہال پر چلانا ‏ قد لیلیٰ سے جو ہو مانا
بولا اس وقت پہ کدیور ‏ دیجے قیمت میں زر کہ زیور

بازو پہ بندھا تھا لعل سنگیں
دانہ سے انار کے بھی رنگیں

وہ لعل گراں بہا دیا کھول
اس سرو سہی کو پھر لیا مول

کر یادو ہیں خرام لیلیٰ !!
آزاد کیا بنام لیلیٰ !!

اس دن ہی سے کہتے ہیں سب استاد
مشہور ہوا ہے سرو آزاد

آیا اک بار موسم گل !!
تھے نغمہ سرا چمن میں بلبل

داماں جبال و دامن دشت
تھا قابل سیر و طیر و گلگشت

لیلیٰ کو ہوئی ہے بے قراری
ناقہ پہ کسا کے وہ عماری !

زریں جس کا ہر ایک جرس تھا
خوشتر خورشید سے کلس تھا

ہمراہ تھیں اور بھی پریزاد !
ہر ایک تھی ان میں رشک شمشاد

محمل لیلیٰ کا پیش آہنگ !
اور پیچھے شتر قطار خوش رنگ

آوے جوں فصل نو بہاری
اتری اک باغ میں سواری

تھے خوار فقط نہ سرو سنبل
پامال ہوئے ہیں لالہ و گل

لیلیٰ کو قریب سرو موزوں
آیا نظر ایک بید مجنوں

اک بار اٹھا ہے نالہ درد
گلگوں نہ چہرہ ہو گیا زرد

مجنوں کا بندھا غرض تصور
ٹپکے آنکھوں سے اشک کے دُر

ایسے میں کوئی جوان قابل !!
ناگاہ ہوا وہاں مقابل !

پڑھنے لگا طبع زاد مجنوں
جی میں تھی یہ مراد مجنوں !

یہ کہیو صبا شتاب جا کر !
اس شوخ غزال کو جتا کر

میں تیرے لیے ہوں سر بصحرا
خوار و زار و غریب و تنہا

معلوم نہیں کہ تو کدھر ہے
اور میری بھی کچھ تجھے خبر ہے

دل کو کب تک کوئی سنبھالے
دیدار کبھو تو ٹک دکھا لے

سوئے مجنوں خود نگاہی ! | سہم گر نیست گاہ گاہی
لیلیٰ کو ہوئی ہے سن کے وحشت | بھولی خویش و پدر کی دہشت
یکبار کیا ہے جوشش خوں نے | گھیرا بے طرح سے جنوں نے
اس باغ سے ہر طرح اٹھا کر | لائے گھر میں خدا خدا کر
تشخیص جنوں ہوا ہے یک بار | تجویز ہوئی ہے فصد ناچار
قیس و لیلیٰ تھے بسکہ توام | قالب دو تھے اور ایک تھا دم
اک زن نے کیا جو فصد کا قصد | واں قیس کے کھل گئے وہیں فصد
تھا ابن سلام ایک ذی جاہ | لیلیٰ کے جمال سے ہو آگاہ
بھیجا بخوشی پیام وصلت | چاہا دلخواہ کام وصلت
لیلیٰ کے پدر نے مصلحت جان | شادی کا وہیں کیا ہے سامان
محمل میں بیٹھا عروس کو آہ | داماد کے کر دیا ہمراہ !
گریاں محمل میں ہے وہ نومید | برج آبی میں جیسے ناہید
حجلہ میں گئی ہے جبکہ لیلیٰ | ہر سو ایک روشنی سی پھیلی
چاہا شوہر نے کامیابی ! | لیلیٰ آگاہ ہوئی شتابی
ابرو کو چڑھا کے جون کمانچہ | مارا اک زور سے طمانچہ
اور اتنا کہا ہے ہو کے بیزار | یہ سمجھ کہ ہے یہ نقش دیوار
نظارہ پہ خوش رہو تو بہتر | ورنہ یہ گلو ہے اور خنجر
تب اس نے وہ ترک کی ہے قربت | جانا ہے نظارہ ہی غنیمت
ایک مرد عزیز اور ہشیار ! | رکھتا تھا نپٹ ہی ذوق اشعار
کہتے تھے جہانیاں اسے زید | تھا وہ بھی کمند عشق کا صید
مجنوں کے سنے کہیں جو اشعار | آیا مشتاق ہو کے اک بار

دیکھا تو ہر ایک درندہ واں ہے — مجنوں ان سب کے درمیاں ہے
گاہے ہوتا ہے گرگ تکیہ — گاہے شیر بزرگ تکیہ !!
نیچے ہیں غزال کے بغل میں — صرف اوقات ہے غزال میں
ایک ببر درندہ نے یہ چیتا — کھا جاوں پہنچ کے اس کو جیتا
مجنوں نے دو ہیں اسے ڈٹایا — سب کو نزدیک سے ہٹایا
اور زید کو پھر کیا اشارہ — کہیئے مقصد جو ہو تمہارا
بولا کہ نیاز مند ہونگا !! — مشتاق ہزار چند ہونگا
تب پاس بلا اسے بٹھایا ! — اور شعر جنوں اسے سنایا
پوچھا پھر زید نے کہ اس جا — سرکار کی ہے کہو غذا کیا
مرغوب ہے گاہ گاہ اپنا — شیریں صمغ مغیل صحرا
رخصت پھر وہاں سے زید ہو کر — آیا لیلیٰ کے گھر کے باہر
دیکھا تو ہے ایک ہجوم طفلاں — مجنوں کا ہر ایک ہے غزلخواں
لیلیٰ انعام دے رہی ہے — اشعار وہ مول لے رہی ہے
اس نے بھی پڑھے جو تازہ اشعار — لیلیٰ کو ہوا ہے وجد یکبار
تب زید سے یہ کہا کہ بھائی — مجنوں سے تمہیں ہے آشنائی
دیکھا نہیں اسکو مدتوں سے — جان آتی ہے لب پہ فرقتوں سے
ایسا ہووے کہ بیٹھ باہم !! — خالی کریں اپنے دل کو اک دم
تب زید نے یہ کہا کہ بہتر — لایا جانو اسے مقرر !!
لی ہے یہ کہہ کے دشت کی راہ — پہنچا مجنوں کے پاس ناگاہ

۱۵ء۔ ”مجنوں نے اسے دہیں ڈٹایا“

سن کر کے شوہر سے ایک حیلہ   آئی جنگل میں وہ جمیلہ

رستے سے الگ میان صحرا   نخلستان تھا بہت ہی گہرا

ناقہ جھاڑوں میں باندھ کر واں   بیٹھی گوشہ میں آپ پنہاں

اتنے میں ادھر سے زید آیا   مجنوں کو بھی اپنے ساتھ لایا

دونوں جس دم ہوئے مقابل   عالم تھا وہ دیکھنے کے قابل

ٹپکے نرگس سے شبنم ادھر   ژالہ ابر سیہ سے اودھر

کرتا جو قبا تھا پاک ادھر گل   فریاد میں تھی ادھر کو بلبل

تھی شمع ادھر باشک باری   پروانہ ادھر بہ بیقراری

پھر جب کہ کچھ اک ہوش آیا   ہر اک نے درد دل سنایا

جس دم ہونے لگی ہے رخصت   مجنوں نے کہا یہ کر کے رقت

تم نے مجھکو بلا کو سونپا !!   میں نے تم کو خدا کو سونپا

ہر چند کہ چاہتا نہ تھا دل   لیلیٰ ہو کے سوار محمل !

آئی گھر میں بصد تب و تاب   گزری وہ رات بے خود و خواب

مجنوں پہنچا جب اپنے بر کو   سیلاب بہا دیا ہے رو رو

بیٹھا جس جا تو بن گیا نخل   ہوش و حرکت کو کچھ نہ تھا دخل

آخر کو طیور نے کئی بار !!   کر جمع ہزار ہا خس و خار

باندھا سر پر ہے آشیانہ   بچوں کو دیا ہے آب و دانہ

وہ ابن سلام شوہر لیلیٰ   تھی جس کہ آبروئے لیلیٰ

ناگاہ ہوا وہ سخت بیمار   ہر چند کئے علاج و تیمار

چارہ نہ چلا قضا سے ہرگز   صحت نہ ہوئی دوا سے ہرگز

لیلیٰ کو برسم اضطراری !!   دو سال رہی ہے سوگواری

باہر نکلی ہے سوگ سے جب ۔۔۔ خرگاہ حجاب دور کر سب
گھر میں آئی ہے جب پدر کے ۔۔۔ شوہر کی طرف کے لوگ سر کے
استاد کیا سیاہ خیمہ !! ۔۔۔ جیسے جنگل بیں گنج ہیمہ
جب دل میں نہ ہو سکی سمائی ۔۔۔ تب آتش عشق تا چھپائی
اور زید کو پھر وہاں بلایا ۔۔۔ اپنا احوال سب سنایا
بولی اب ذرہ اے برادر ۔۔۔ ہے خوف پدر نہ باک مادر
لا کر خزد حریر و دیبا !! ۔۔۔ پوشاک ہو جس کی خوب زیبا
پھر زید کو وہ لباس دے سب ۔۔۔ بولی مجنوں کے پاس جا اب
اور اس کے بدن کو دھو سراپا ۔۔۔ پوشاک یہی پھر اس کو پہنا
میرے نزدیک لا شتابی ۔۔۔ تا ہووے یہ دور سب خرابی
یہ سن کے تو وید زید ہشیار ۔۔۔ پہنچا مجنوں کے پاس یکبار
یہ مژدہ جونہی اسے سنایا ۔۔۔ مجنوں وجد و طرب میں آیا
کھایا پھر چرخ ہفت باری ۔۔۔ جوں ہفت فلک بجان نثاری
پہنا ہے لباس جب نہا دھو ۔۔۔ پھیلی جنگل کے بیچ خوشبو
جتنے تھے وہاں وحوش صحرا ۔۔۔ حاضر ہو کیا ہے سب نے مجرا
سوئے لیلیٰ ہوا روانہ !! ۔۔۔ باشوکت و حشمت شہانہ
شیر و گرگ و پلنگ تھے گرد ۔۔۔ مجنوں کو یہی تھا دمبدم درد
ہو پھر بھی ادا نہ شکر باری ۔۔۔ گر کیجے صد ہزار باری !
چل کر القصہ اس طرح سے ۔۔۔ آیا لیلیٰ کے یہاں فرح سے
نکلی لیلیٰ بھی ہو کے بیتاب ۔۔۔ آنکھوں سے بہا لہو کا سیلاب
دونوں باہم گلے لپٹ کر ۔۔۔ میداں میں ہی گر پڑے زمیں پر

اطراف ہجوم رام و دد تھا　　مشتاق ہر ایک نیک و بد تھا

چاہا بعضوں نے دخل جب وہاں　　دو چار ہوئے ہلاک انسان

دوپہر تلک یہی سماں تھا　　حیران جیسے دیکھ آسمان تھا

چھڑکا ہے گلاب زید نے جب　　دونوں آئے ہیں ہوش میں تب

لیلیٰ جس دم ہوئی ہے ہشیار　　مجنوں تھا اگرچہ نقش دیوار

ڈال اس کے گلے میں ہاتھ اپنے　　لایا خیمہ میں ساتھ اپنے

بیٹھے آپس میں روبرو ہو　　برنگ جوزا کی شکل دونو

ازبسکہ تھا اتحاد مائل !　　تھا فرق نہ درمیان حائل

ہوتے ہی دوچار مل گئے واں　　دل سے دل اور جان سے جان

دو آئینہ جیسے ہوں مقابل　　تھی ایک صفائی محض حاصل

ہوتا تھا نہ عکس جلوہ گر وہاں　　اور شخص کو بھی نہ تھا گزر واں

آخر کو وہ دونوں یار خود کام　　اک پوست میں جوں دو مغز بادام

غش کھا کے گرے ہو ہم آغوش　　یک لخت دوئی ہوئی فراموش

عصمت تھی ادھر ادھر کو عفت　　یہ دونوں کنیز میں تھیں بخدمت

باہر ہی رہا کھڑا عکس بھی !!　　پر مار سکے نہ واں مگس بھی

بیٹھا تھا خموش زید باہر　　اور گرد تھے دام و دود سراسر

جس دم کہ ہوئی ہے پھر سحر گاہ　　اور چلنے لگی نسیم دلخواہ

قیس و لیلیٰ ہوئے ہیں بیدار　　نظارہ سے پھر ہوا سروکار

لیلیٰ گفتار کی تھی مائل !!　　مجنوں خاموش تھا مقابل

پوچھا لیلیٰ نے کیا سبب ہے　　اے دوست خموش تو جو اب ہے

بولا کہ ملی ہے دولت وصل　　لعل نوشیں ہے لذت وصل

جس شیشہ میں ہووے شربت قند
منہ اس کا تو چاہیئے کہ ہو بند

ہووے جس گھر میں مال اور زر
لازم کہ ہو قفل اس کے در پر

جس جائے کہ مختفی ہو اکسیر !!
کیجئے نہ طلسم کا وہاں طنز !!

ہے قیس کدھر کدھر ہے مجنوں
لیلیٰ باقی ہے میں کہاں ہوں

پہنچا جب مہر استوا کو !!
سایہ اک بارگی فنا کو

جدھر دیکھو ادھر ہے خورشید
سایہ ہستی سے تب ہے نومید

قطرہ ملتا ہے بحر سے جب
پھر اس کو کہیں گے بحر ہی سب

دریا دریا ہی چو طرف ہے
گوہر ہے کہاں کہاں صدف ہے

یہ کہہ کے کیا ہے چاک جامہ
اور فرق سے بھی اتار عمامہ

دوڑا صحرا کی سمت یکبار !
پڑھتا ہوا عاشقانہ اشعار

پایا صحرا میں کنج آخر
باقی نہ رہا ہے رنج آخر

کہتا تھا جو کچھ کہ شعر حالی !!
یا کوئی قصیدہ وصالی !!

کرتا تھا وہ زیب سب قلم بند
مجنوں ہوتا تھا دیکھ خورسند

اشتیاق نامہ

[٦]

اے نسیم بہار نوروزی !
تجھ سے آتی ہے بوئے دلسوزی

تجھ سوا اس جہاں میں اب تو کہیں
کوئی دمساز عاشقوں کا نہیں

کون تجھ بن ہے نامہ بر اپنا
یا ہوا خواہ دادگر اپنا

جا کے اس گلعذار سے کہیو
مونس و غمگسار سے کہیو

اے گل نو بہار باغ وفا !! — در یکتائے بحر صدق و صفا

سرو سرسبز بوستان وقار — بھولتی نہیں مجھے تمہاری یاد

پھر کہ آیا جہاں میں موسم گل — چہچہاتے ہیں باغ میں بلبل

کوئلیں کوکتی ہیں چار طرف — مور پھولا ہے اب ہزار طرف

روز بن بن کے ناچتے ہیں مور — اور پرندوں کا جا بجا ہے شور

عندلیبان ہیں باغ باغ جدا — نکہت گل سے مست نام خدا

جھنڈ پھرتے ہیں بلبلوں کے ہزار — گلشنوں میں چمن چمن ہے بہار

سرو لہرا رہا ہے کنار جو !! — قمریوں کی ہے جا بجا کوکو

غنچہ بیٹھے ہیں عیش کو تکتے — گل بھی پھولوں سما نہیں سکتے

ہر کہیں سبزہ ہیں کنول تالاب — اور بھنور ہیں سگندھ میں غلاقاب

رات ہے چاند سے چکور دو چار ؟ — اور پروانہ شمع پر ہے نثار

ہنس موتی چگیں سرور سے — ابر نیساں کی یوں جھڑی برسے

لال بٹوسی ہوئی تمام زمیں — پاؤں دھرنے خزاں کو جائے نہیں

خار کی نوک میں سے گل پھولا — دل سے غم کو جہان نے بھولا

روز آئے بسنت کی رت اب — ایک عالم ہے محو عیش و طرب

دیکھتا ہوں جسے بقدر حال — یار سے اپنے خوش ہے لالم لال

پر ہے ایمان کہ یہ حیرانی — مجھ سے کیوں دور ہے میرا جانی

کس سبب آسماں ہے برسر کیں — میں بھی یارب جہاں میں ہوں کہ نہیں

۱۔ د "سرو لہرا رہا ہے کنار جو" ۲۔ سبز بھی ۳۔ نہیں کھلا

کیا ہوا گر بہار آئی ہے　　بلبلوں کی پکار آئی ہے

کب خوش آتا ہے سیر باغ مجھے　　دے ہے لالہ جگر پہ داغ مجھے

جب نسیم بہار چلتی ہے　　تیر سی دل سے ہو نکلتی ہے

دیکھ شبنم کو صبحدم گل پر　　اشک آتے ہیں آنکھ میں چل کر

دل میں سلتا ہے بار بار مجھے　　ہر رگ گل ہے خار خار مجھے

دیکھ کلیوں کے لال منہ ہر سو　　گھونٹتا ہوں میں اپنا آپ لہو

کب میں گلشن میں باغ باغ پھرا　　لالہ و گل سے داغ داغ پھرا

دیکھ تالاب میں کنول ہے ہے　　جی مرا ڈوب جاتا ہے

ربط پروانہ شمع دیکھ ہم !　　جی میں ہوتا ہوں اپنے جل بھسم

دیکھکر چاندنی کو روتا ہوں　　جوں کتاں چاک چاک ہوتا ہوں

مور پر جب صدائے کویل ہو　　ریشہ ریشہ وہیں مرا دل ہو

راگ سنتا ہوں جب کہیں ہنڈول　　میں ہوں مجلس میں دل ہے ڈانواں ڈول

کوئی زد ہو اگر بہار کی تان　　در ہوش و خیال ہو غلطان

راگ بن گرچہ قوت جاں نہیں　　دل میرا تو بھی شادماں نہیں

کویلوں کی سنو ہوں جب کوکیں　　دل سے اٹھتی ہیں دمبدم ہوکیں

یا الٰہی ملا شتابی تو !!　　اس گل نوبہار سے مجھ کو

جسکی زلف رسا کا بندہ ہوں　　یاد سے اس لبوں کی زندہ ہوں

جسکی ابرو ہلال عید مجھے　　مت رکھ اس مہر سے بعید مجھے

اس سوا کب یہ رت سہاتی ہے　　کون کافر کو آہ بھاتی ہے

اے د " کرتا ہوں "

برہیں جب تک نہ ہو وہ خرمن گل — خار اور زہر ہے مجھے گل دل؟

اب بہر کیف یہ شتابی ہو — میں ہوں ساقی ہو اور گلابی ہو

میرے بر میں وہ سیمبر سوتا — دل کو آرام کچھ تبھی ہوتا !!

دیکھے گا بہار کا پھر رنگ — ہو وہ گلرو اگر بغل میں تنگ

دل مرا باغ باغ ہو جاوے — روح بھی خوش دماغ ہو جاوے

ہو ہم آغوش دل کے راز کہیں — بادۂ عیش پی کے مست رہیں

سختی انتظار سے چھوٹیں !! — ہجر کے اس خمار سے چھوٹیں

اب کہیں جلد ہو بدل یارب — وصل کے دن سے ہجر کی ہر شب

دوستوں کو سلام پہنچانا
خیریت کا پیام پہنچانا

مثنوی در تنبیہ حاسد

ایک جنگل میں سگ مردار تھا (۷) شیر کے وہ درپے آزار تھا

رات دن روباہ بازی میں رہے — غائبانہ شیر کے تئیں بد کہے

روبرو بھی لاوے گیدڑ بھبکیاں — بیٹھ کر اپنے سگوں کے درمیاں

اور بلا آوے کبھو ہو چار چشم — پر اکھاڑے شیر کی ہرگز نہ پشم

شیر نے چیتا کہاں تک چپ رہوں — چڑھ کے چھاتی پر کہو اسکا لہوں

تب اسے اک دوست نے اس وقت آ — دوستی سے بات یہ سمجھا دیا !

سامنے ہو شیر کے گر فیل مست — ایک پنجہ میں وہیں ہو جائے پست

یا نہور ہے اگر جنگلی سور !! — شیر سے مل جائے ہے دم داب

دیکھے ہیں شیر کو جب روکیار — بھونکتے ہیں دور سے کتے ہزار

شیر کے آویں اگر میدان میں — جیبیں ڈالے سینکڑوں یک آن میں
شیرِ قالیں یا ہو شیرِ نیستاں — دونوں صورت میں ہے سگ کا جانستاں
نام کا ہے شیر کے کیا مرتبا — سلسلہ پہنچے ہے تا شیرِ خدا
تو بھی فرما کام خلق و حلم کو! — مت مخاطب کر سگِ بے علم کو
روسیہ حاسد اگر زردار ہے — شیر کے آگے سگِ مردار ہے
آرزو تھی دل میں شاید دیر سے — تب تو لا ٹھہرائے اپنے شیر سے

○

۱۔ نامہ منظومہ

اے عاشقِ باوفا، عیاں باز — عشاق کی فوج بیچ ممتاز
شمشاد بلند جوئے الفت — بیدِ مجنوں باغِ الفت!!
موزوں طبع و فصیح گفتار!! — شیریں سخن لطیف اشعار
نامہ پہنچا بعد فصاحت!! — دل کو بخشا عجب ہے راحت
مصرع تھا ہر اک سروِ موزوں — رنگیں تھا نپٹ ہی جسکا مضموں
دلچسپ ہر ایک بیت اس کی — ہم چشم بر ابروانِ لیلیٰ[۱]
ہر سطر تھی زلفِ روئے شیریں — یا سنبل پیچ دار و مشکیں
ہر نقطہ سیاہ خالِ خوباں — یا گوہرِ آبدار نیساں!
پیچیدہ معانی غنچہ آسا — صد رنگ شگفتگی بیک جا
مضموں بہتر از نکہتِ گل — تازہ ہو دماغ جس سے جوں مل
خط رشکِ خطِ سمن عذاراں — سرسبز ہو جس طرح گلستاں
بیتابی دل تھی بس سراسر — سیماب ہو جسطرح سے مضطر

---

[۱] ج ”ہم چشم بہ ابروانِ لیلیٰ“

ہر شعلۂ آہ آسماں سا — ہر قطرۂ اشک دجلہ پیرا
دیوانگی و ہزار وحشت ! — آوے مجنوں کو جس سے دہشت
نالہ کو سنے جو تیرے فرہاد — جرأت اپنی کو دیوے برباد
میدان وفا کا تو ہے رستم — کہسار اٹھا لے پر نہ ہو خم

جس میں کہ رضائے یار ہووے — تو اس پہ بدل نثار ہووے
ہے عشق میں گر یہ سو ملامت — اللہ تجھے رکھے سلامت

ہر چند ہیں بے نظیر آفاق
ہم بھی تیرے بدل ہیں مشتاق

۲۔ نامہ منظومہ

تو ہے فرہاد بسکہ شیریں کار — بے ستوں پر کرے ہے نقش و نگار
تیرے تیشہ کی آبداری سے — کیا تعجب کہ جوئے شیر بہے
نہ نظر میں تری ہے خسرو عصر — نہ خدم نے حشم نہ اسکا قصر
بسکہ ہے تیرے پاس دولت عشق — تخت اور تاج تا ریاست عشق
آہ و نالے کے صد ہزار نشاں — موج در موج فوج اشک رواں
تجھ سے کس طرح کوئی بر آوے — منہ پہ رستم بھی بے سپر آوے
تو وہ رکھتا ہے آج پائے ثبات — کہ نہ لغزش میں آوے تا لجبات
جادۂ عشق پر قدم قائم — حق تعالیٰ تیرا رکھے دائم
اپنی بھی ہے یہی پسند مدام — صید اس کا ہی آوے بدام
رہے تار نظر سے وابستہ — نہ کمند وفا سے برجستہ !!
نہ ہو پابند آشیانے کا — نہ گرفتار آب و دانے کا
شمع پر جاں نثار پروانہ — گل پہ ہو عندلیب دیوانہ
کہاں ایسا ہے جو ہٹے والا — زندگی تک بنا ہتے والا

تم میں سب خوبیاں یہ پاتے ہیں — اس لیے ہم بھی دل لگاتے ہیں

۳۔ نامہ منظومہ

اے سرو باغ عزّ و شرافت — پاکیزہ دُرِّ بحرِ لطافت
فرہاد شیریں گفتار تجھ سا — عالم میں اب تک ہم نے نہ دیکھا
اشعار تیرے گویا ہیں گوہر — ہے نثر کا بھی سب تجھ میں جوہر
موزوں تمہارا بھیجا ہے نامہ — مژگان آہو حسیں کا تھا خامہ
شاید سیاہی تھی مشک اذفر — تھا آب گوہر مخلوط تس پر
خوشبو دماغ اب ایسا کیا ہے — نکہت سے گل کے برہم ہوا ہے
مضمون تازہ اس میں تھے مرقوم — دقت سے معنی ہوتے تھے معلوم
تحسیں تو سو بار نکلے زباں سے — خوش رکھے اللہ امن و اماں سے
تھی نثر میں یہ ترقیم نادر — تک ایک شکوہ ہوتا تھا صادر
یعنی کہ اپنی خط و کتابت ! — خاطر پہ لائے شاید کدورت
یہ صرف صاحب فہم غلط ہے — ہم کو محبّت تم سے فقط ہے
ایسا ہی ہوتا ہم کو جو منظور — نامہ کا ارسال پھر کیا ہے مذکور
اپنی نہیں ہے ایسی تو الفت — دو چار دن میں ہو جائے کلفت
خاطر کو اپنی مسرور رکھیے — الفت ہماری منظور رکھیے
کچھ ایک اپنے ہیں گے شرائط — کتنے ہیں درکار ان کو وسائط
منظور ہو تو اظہار ہو ویں ! — انشا سراسر اسرار ہو ویں
کیجیے انہیں غور فہم رسا سے — تا صبح سو بار وقت سا سے

ہوویں پذیرہ گر وہ سوا شیق — پھر ہے ملاقات بے فصل و تعویق
ہم تا بہ مقدور حاضر ہیں صاحب — لطف و کرم کے تیرے ہیں طالب

اللہ تجھ کو رکھے سلامت

باذوق دانست باشوق والفت

۷۔ نامہ منظومہ

مہرباں بدل صاحب کرم — ناظم سخن فطرت اتم!!
عاشقی تری ہے نپٹ ما غضب — دیکھ کر جسے بولیے عجب
قیس گرچہ تھا شہرہ جہاں — یہ طپش غرض اسکو تھی ہی کہاں
منچلا کوئی اس قدر نہ ہو — کوہکن سے بھی یہ جگر نہ ہو
نام سے ترے باندھے ہے کمر — رزم عشق پر جسکی ہو نظر
بلبل چمن دیکھ کر تجھے! — نام عاشقی پھر کبھو نہ لے
رستم زماں تو ہے اب بجا — بوکیے اگر کوہ لے اٹھا
عشق کو ہوے تجھ سے آبرو — نام ہو ترا کیوں نہ چار سو
نثر میں تجھے دسترس کمال — نظم میں رسا ہے تیرا خیال
مثنوی نمط نامہ جو لکھا!! — دیکھ کہ اسے دل تو خوش ہوا
خاطر شریف ہم کو ہے عزیز — بسکہ تم نپٹ ہو گے باتمیز
دوستی تری بسکہ ہے پسند — شوق ایک سے ہو گیا دوچند
جذبہ عشق کا اسقدر ہوا! — دل تیری طرف نت رہے گا
جب تلک نہیں آوے ہے پیام — یاد کے سوا کچھ نہیں ہے کام
ہم تو سب طرح تجھ سے خوش ہوئے — نامہ اس لیے بارہا لکھے!!

امتحان غرض ہو چکا بس اب — ہو گئی ادا محنت و تعب
عہد جتنے تھے ہونے کے رقم — فرصت اس گھڑی کی ہے بہت ہی کم
بھیجیں گے غرض لکھ کے تا سحر — غور سے نپٹ کیجیے نظر
وصل اک دن ہووے ہے غرض — دفع کیوں نہ ہو ہجر کا مرض
مدعا جو تھا سو ہوا ادا !! — خوش رکھے خدا آپ کو سدا

○

رباعیاں

ہے حسن کا اوروں کے بھی گرچہ چرچا
دل اپنا نہ تجھ سوا کسو سے برچا
تن کے سودے ہیں یہ تو گذری ہم پر
کیا مال ہے دل کا کہ نقدِ جاں بھی خرچا

○

کیا کہیے فراق بیچ شب کی شدت
دن کچھ بھی بھلا خصوص شب کی شدت
کافور بھی فائدہ نہ بخشے جوں شمع
ہے آتش ہجر میں غضب کی شدت

○

سابق سے مزاج کو افاقہ ہے گا
لیکن پرہیز صرف فاقہ ہے گا
صحبت نے کیا ہے قطع سب درد بدن
ہمارے دل سے ایک علاقہ ہے گا

○

ایّام فراق میں تعلق ہو پیدا
سینہ میں قلم کی طرح شق ہو پیدا
جاری ہے تتک بھی خون آنکھوں سے
خورشید کے ڈوبتے شفق ہو پیدا

○

جب سے کہ فراق مجھ سے ہے برسرِ جنگ
آتا ہے نظر میں گھر بھی اک کام نہنگ
آرام ہو کیوں نہ اسکو اب خواب و خیال
کاٹے ہے پلنگ بھی مجھے مثل پلنگ

○

درکار ہے مجھکو تجھ سے ملنا لیکن
دشوار ہے مجھکو تجھ سے ملنا لیکن
بیتاب ہے دل نہ مل تو مجھ سے ہر چند
یکبار ہے مجھکو تجھ سے ملنا لیکن

جوں ظرف چراغ ہے یہ ترکیب بدن — لہو بھی ہے بے شبہہ بجائے روغن
مانندِ فتیلہ ہے رگ و پے ہر یک — اور روحِ رواں ہے جیسے شعلہ روشن

○

کیا اپنے نصیب کی کہوں تجھ سے یار — اک بات پہ دشنام سناتا ہے ہزار
کل باغ میں گرچہ گھورتا تھا عالم — مرے ہی ہوا گلے کا وہ آخر ہار

○

غیروں کی سنو مزہ سے ساری باتیں — اور تلخ لگیں تمہیں ہماری باتیں
اڑتے ہو یہ کس سے باز آؤ صاحب — ہم خوب سمجھتے ہیں تمہاری باتیں

○

نے ہم وہ رہے ہیں اب نہ وہ یار رہا — بلبل ہی نہ وہ، نہ اب وہ گلزار رہا
گاہے ماہے کہیں جو مل جاتے ہیں — خالی باتوں سے ملک سروکار رہا

○

جس دم کہ ہوائے برشگالی ہووے — شیشہ میں شراب پرتگالی ہووے
اللہ ہی اللہ ہے اس وقت اگر — آغوش میں یارِ لاابالی ہووے

○

دنیا کے نہ مال و زر سے ہو تو مانوس — شمعِ کافور یا بلوریں فانوس
قارون کی طرح سوائے گنجِ حسرت — کچھ اپنے نہ ساتھ لے گیا دقیانوس

○

وہ غنچہ دہن ہے یا بتِ چین و چگل — تا حور و پری حسن سے جسکے ہیں خجل
رخ شعلۂ طور، دود ہے زلفِ سیاہ — دندان گہر و لعل لب و سنگیں دل

ا۔ الف "سکا"

اس غنچہ دہن کا سر دھندہ آزاد / لالہ کو ہے داغ بندگی مادر زاد
بے داغ و زوال بسکہ اسکا ہے حسن / رشک مہ و خورشید ہے وہ حور نژاد

○

جس رات تو ہووے مست آ جاں اور میں / اور سب کی نظر سے تو ہو پنہاں اور میں
پھر تجھ کو پلنگ پر لٹاؤں بخوشی / منہ پر تو لے کے سووے داماں اور میں

○

گردن میں ہوے زلف کمند آخر کار / ہم نے یہ کیا دام پسند آخر کار
دل جبکہ ہوا سوز دروں سے بیتاب / فریاد کیا مثل سپند آخر کار

○

گھر میرے جو وہ پری کل آئی شب کو / بے چینی گئی مجھے کل آئی شب کو
پھر جنبش شاخ گل نہ بھاوے زنہار / مڑتے دیکھی جو وہ کلائی شب کو

○

مجلس میں تو ہم سے بے حجابی معلوم / خلوت میں بھی آہ باریابی معلوم
احوال ہمارا جو کبھو عرض کرے !! / ایسا تو کوئی یار ثوابی معلوم !!

○

گر جان تجھے عزیز ہووے پیارے / قرآن تجھے عزیز ہووے پیارے
سوگند دروغ تو نہ کھایا کر اگر !! / ایمان تجھے عزیز ہووے پیارے

○

کیوں کر ہو کسی کو اب موذن دل خواہ / کرتا ہے جو تلخ خواب شیریں ناگاہ
وہ حیی علی الصلوٰۃ بولے اور میں / لاحول ولا قوۃ الا باللہ

○

میخانہ میں کل شیخ جو آیا ناگاہ
گم کر کے کہیں تار میں تسبیح کی
میں دیکھتے ہی طلعت سیموں کو کہا
لاحول ولا قوت الا باللہ

○

وہ سیم بدن ہے یا کہ ہے دردانہ
مژگاں پہ ہے زلف کا جس کے
جوں شمع عرق ریز ہو وہ سیمیں تن
دیکھے جو نگاہِ کرم سے پرو

○

وہ ماہ جبیں ہے بسکہ زیبا منظر
ہوتا ہے خجل رنگ سے لعل را
نقشہ کے لیے مصوّرِ قدرت نے
یاقوت کو حل کیا بہ آبِ گو

○

وہ ماہ جبیں ہے غنچہ لب گل اندام
ہے آفت جاں و فتنہ دین را
اعجاز ہے عیسیٰ کا سخن میں جس کے
قامت سے قیامت ہو بہ ہنگامِ خ

○

اس ماہ جبیں کا بسکہ روشن ہے جمال
ابرو کو ہوا دیکھ کے شرمندہ ہلال
گل پھول گیا ہے نسبت عارض سے
تشبیہ سے قامت کے ہوا سرو نہال

○

وہ سیمیں تن فرنگ کا غنچہ دہن
مشکیں گیسو ہے رشکِ خوبانِ ختن
کیوں کر عالم نہ مست ہو دیکھ اسے
آنکھیں ساغر ہیں اور صراحی گرد

○

گلریز شب برات نے تیرے گھر آئے
دشمن جو ترا ہو یک قلم ٹوٹا پا
مہتاب طرب دیکھ ترے یاں روشن
چہرہ پہ حوروں کے ہوائی چھوٹ جا

○

جوں گل یہ چاک جیب بینا ہے عبث
خوں دل کا برنگ غنچہ پینا ہے عبث
حاصل نہیں تدبر سے کچھ اے ناصح
مرنا ہی بھلا ہے اب تو جینا ہے عبث

○

ہے تجھکو جوانی کی ترقی اے یار
ہے نور مہ نو کی طرح لیل و نہار
ازبسکہ ترا حسن ہے ہر آن فزوں
تصویر مصور سے بھی کھینچنا دشوار

○

اپنے ہی طرف سے کی جدائی تو نے
ٹک بھی نہ نباہی آشنائی تو نے
عالم ہے تیری وضع کا ظالم شاکی
اک مجھ سے ہی کی نہ بے وفائی تو نے

○

ہو عاشق صادق نہ صبر کا محتاج
بس دل کی طپش نہ بال و پر کا محتاج
جس کو کہ نہیں عشق ہے کامل حاصل
فریاد و فغاں کے ہے اثر کا محتاج

○

عاشق تو رکھے ہے وصل دلدار امید
نہ مال و منال و سیر گلزار امید
معشوق کا در کار ہے اور سر عجز و نیاز
یہ ایک امید بس نہ دو چار امید

○

پاتا ہے وہی نشاط اور عیش حبیب
برداشت کرے ہے جو سدا طیش حبیب
باندھا ہے کمر کو بندگی میں جس نے
پھر اس کے ہے فرمان میں بھی جنبش حبیب

○

جھوٹے اخلاص یہ زبانی کب تک
پیغام و سلام و شعر خوانی کب تک
ہو وصل کہ فصل خیر اتنا کہہ دو !!
آخر ہووے گی یہ کہانی کب تک

○

اقبال تجھے ہے بزم افروزی کو — نیّرہ بھی ہے روزن کی جگر دوزی کا
اکرام سے سیتا ہے قدر کا خیاط — قامت پہ ترے قبائے فیروزی کا

○

ہو عشق کے ہمسر نہ کبھو حرص و ہوس — پروانہ کے منصب کو نہ پہنچے ہے مگس
معشوق کا در اصل تغافل ہے محک — ہو جس سے کہ دریافت ہر اک ناکس کس[1]

○

قصہ خسرو کا بارہا ہم نے سنا — مریمؑ سے شکر سے ضد سے شیریں کے
تدبیر ہزار کی اگرچہ اس نے — بے مرضی دوست وصل حاصل نہ ہوا

○

خسرو کی نہ شیریں سے چلی کچھ تدبیر — فرہاد نے بھی کی نہ سر مو تقصیر
منزل کو نہ پہنچے بے رضائے معشوق — اس راہ میں یکساں ہیں امیر اور فقیر

○

سو بار اگر روٹھ گیا ہے مجھ سے — پھر آپ سے ہی آن ملا ہے مجھ سے
ہیں ناز کے انداز ہزاروں اس میں — کہتا ہے "یہ کون؟" وہ خفا ہے مجھ سے

○

آنا کہ ہے وقت مہربانی جانی !! — یا بھیج دے کچھ اپنی نشانی جانی
کہیو قاصد کہ ہے جو عاشق تیرا — دیتا ہے وہ جان کہہ کے "جانی جانی"

○

---

[1] از نسخہ الف "ناکس کس"

ٹک آنکھ لگی شب کو روتے روتے
دیکھا سپنے میں تجھ کو سوتے سوتے
پھر آنکھ جو کھل گئی یکایک یوں شمع
جاں آ گئی لبوں پہ صبح ہوتے ہوتے

○

کرتی تھی وہی سلوک اکثر لیلیٰ
مجنوں کی نہ ہووے جس میں خاطر میلی
یہ محض غلط ہے جو ستم کی اسکے
آفاق میں چو طرف کہانی پھیلی !!

○

آنے کی جو گلبدن کے پائی آہٹ
نرگس کی گئی چمن میں جھٹ نیند اُچٹ
شمشاد نے سرو قد غرض دی تعظیم !
غنچے لینے لگے بلائیں چٹ چٹ !!

○

کل پائے گا تو یوں ہی جہاں میں ظالم
کل پائےگا تو یوں ہی جہاں میں ظالم
بے چین کسی کو جب رکھا تو کیوں کر
کل پائیگا تو یوں ہی جہاں میں ظالم

○

ہو لے گا کو کرے ہے آج ساقی سروا؟
گلگوں صہبا سے خم کے خم ہی بھر دا
گالی سے کیجئے نہ جھڑکیوں سے کافر
از ہے بدمست نہیں کچھ پروا

○

کسریٰ سے ہے بس نسب قرینی تجھ کو
اسکندر سے (ہے حسب) گزینی تجھ کو
جشن نوروز میں مبارک ہووے
شاہاں کیاں کی جانشینی تجھ کو

○

تو وہ ہے چراغ دودمانِ کسریٰ
روشن ہوا جس سے خاندانِ کسریٰ
یارب اقبال و فتح و نصرت سے مدام
قائم رہے جگ میں یہ نشانِ کسریٰ

○

ماتم میں شہید کربلا کے واللہ / پہنا ہے لباس آسماں نے بھی سیاہ
تشریف وہ لائے کلبۂ احزاں میں / رونا جسے منظور ہو اور نالہ و آہ

○

اس بزم میں ہے تعزیۂ شاہ شہاں / ہر چشم ہے اب شمع تلک گریہ کناں
تشریف وہ یاں شب کے نہیں لاوے آج / جو شخص کہ شبیر کا ہو مرثیہ خواں

○

اس بزم میں جوں شمع فقط رونا ہے / اور نامۂ اعمال سیہ دھوتا ہے
تشریف اگر لائیے مداح امام / ضائع یہ نہیں اجر کہیں ہوتا ہے

○

ہے مجلس ماتم شہید اکبر / سرگرم ہے جوں شمع ہر اک رونے پر
تشریف لے آئیں کہ اس ماتم میں / ہر دانۂ اشک ہے بہ از گوہر تر

○

ماتم میں حسین کے جو رو دیں احباب / ہر قطرہ اشک ہے بہ از گوہر ناب
رو دے کہ رلا دے جو کوئی آج محب / واجب ہے بہشت اس پہ از روئے کتاب

○

امت پہ شفاعت کا ہے احسان حسین / کیونکر نہ دل و جاں سے ہو قربان حسین
واجب ہے کہ تشریف وہ لاوے شب کو / جو شخص کہ ہووے مرثیہ خوان حسین

○

ہے مجلس ماتم و عزائے حسنین / جوں شعلہ شمع دل ہیں لاکھوں بے چین
تشریف لے آئیں کہ یہاں چار طرف / آنسو کے چراغاں ہیں بلا شبہ و شین

○

کچھ صبح کا اس غم سے گریباں نہیں چاک
شبنم کے برسنے سے یہ ہوتا ہے یقیں
اب شام بھی کھولے بال اڑاتی ہے خاک
ماتم میں حسین کے ہے گریاں افلاک

○

اب غم سے حسین کے جگر پانی ہے
لانا تشریف آج شب کو کہ یہاں
جو چشم ہے سو وہ ابر نیسانی ہے
ماتم ہے یکا ہے مرثیہ خوانی ہے

○

عشرہ کے دنوں میں آج ہیگا ہنگل
اس شاہ کا ماتم ہے کہ جس کے غم میں
تشریف لے آئیں کہ یاں ہیگا دنگل
روتے ہیں بشر خاک بسر ہے جنگل

○

ہے رام کنور زبسکہ شیریں آواز !!
انسان تو کیا ہے بلکہ سن کر اس کو
ہوتی ہے سرود سے وہ جس دم دمساز
زنہار نہ کر سکے پرندہ پرواز !!

○

اے ساقی بزم عیش و عشرت بنیاد
ایک شیشہ ادھر بھی بھیج دیجیو گا ہے
ہے دور میں تیرے مست ہر اک دلشاد
خم خانہ تیرا مدام رہیو آباد !!

○

مطلوب ہے وہ شراب اے اہل شعور
کیفیت نشہ میں ہو ایسی لذت
درکار نہ صندل کی نہ قندی منظور
ہو جس سے کہ آب آب آب انگور

○

وعدہ جو کیا ہے سو شتابی بھیجو !
دیکھے سے ہو نشہ و مسرت جس کے
پر شرط ہے یہ کہ انتخابی بھیجو !
اک ایسی شراب کی گلابی بھیجو !

اے "دلشاد"

پھر ویسا ہی بھیجو اک مُل کا شیشہ جوں غنچۂ گل بہار گل کا شیشہ
منظور ہے یہ کہ مثلِ جامِ جمشید رکھے احوال جزو و کل کا شیشہ

○

جب سے کہ گیا ہے وہ صنوبر بالا ! ہر صبح قیامت سے پڑا ہے پالا
کب تلک دیکھوں غم و مصیبت ہو شام فراق کا کہیں منہ کالا !!

○

ازبسکہ رقیب سے نپٹ ڈرتا ہوں کوچہ میں ترے قدم نہیں دھرتا ہوں
ناچار کیا ہوں ضبط دل کا اپنے ہر چند کہ ملنے کے لیے مرتا ہوں

○

ہر دم ہو شہنشاہ کو مولا کی مدد اور زندگیٔ خضر و نشاطِ سرمد
یوں سالگرہ سے ہو دست نت عمر فزوں جوں صفر کے دینے سے ہو وہ چند عدد

○

تو وہ ہے امیرِ اعظم و بندہ نواز کہیے جسے ابنائے زماں میں ممتاز
سالگرہ سے عمر یارب ہو فزوں جیسے کہ گرہ سے نیشکر ہووے دراز

○

طرح سے خورشید سعادت کا ہے ۔ لامع اور پیشانی ستی نور عبادت ساطع
تہنیت کے لیے یہ مصرعہ تاریخ لکھا نیک ہو سالگرہ تمکو مبارک طالع[1]

۱۱۴۶ھ

○

مبارک ہووے تجھکو عید اے مہر درخشانی رہے گھر میں نت عیش و عشرت کی فراوانی
مجھے اے قبلۂ عالم ثواب حج اکبر ہے کروں دشمن کو تیرے آج کے دن تجھ پہ قربانی[2]

۱، ۲ "مجموعہ فصاحت" (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد۔

مستزاد رباعیاں

کب بحر سخن کا آشنا ہے یہ غریب — شاعر ہے جدید
جلسہ بھی کیا نہ کوئی کامل کے قریب — واقف نہ مزید
ہے طے طریق شعر میں جو کہ خفیف — کیونکر ہو بسیط
کب فاصلہ اس سبب نہ ہو لاکھ جریب — عرصہ ہے مدید

○

کیا مجھکو شعور کیا ہیں میرے اشعار — معنیٰ ہے کدھر
معلوم نہ شاعری کے نقش و نگار — مضموں کے ہنر
اس فن میں دخیل کیونکر ہووے وہ مجہول — توجیہہ یہ ہے بس
سمجھے جو نہ قافیہ ردیف تک زنہار — اے اہل خبر

○

مجھکو توصیل میں نہیں راہ ہنوز — تفسیر یہ ہے بس
تشبیہ سے مطلق نہیں آگاہ ہنر — توضیح ہوس
کیونکر نہ ہو ابتدا کا یہاں عجز یہ رکن — الصدر کمال
تقطیع بھی آئی نہیں دل خواہ ہنوز — گذریں ہیں برس

○

دیکھا ہے جو حسن بے نقاب شیریں — فرہاد مثال
لیجاتے کبھو اس کو خواب شیریں — بے وہم خیال
جان شیریں ہی جسکو ہو زہر سے تلخ — دور ایسے سبب
کیونکر خوش آئے اس کو آب شیریں — ہو گرچہ زلال

ہے شاہ کو تجھ سے چشم دولت خواہی — اے فخرِ زماں
درویش کو امید ہے لطفِ شاہی — اور شوکت و شاں
حاصل کہ تیری ذات ہے اب مرجعِ کل — کیا شاہ و گدا
روشن یہ سخن ہے مہ سے لے تا ماہی — بے ریب و گماں
صد شکر کہ ہے راست مری معنیٔ گفتار — از لطفِ قدیر
احمد کا وصی جب کہ ہوا حیدرِ کرار — در خمِ غدیر
ہے نام خدا شاہ جہاں رستمِ دوراں — مشہور بعالم
باللہ وزارت کو ہے سہراب سزاوار — بے مثل و نظیر دا

○

رباعی[۲]

نواب تیرے واسطے پہنچے یہ نوید !! — دولت ہو تیری روز فزوں عمر مزید
جیسا کہ ہوا عید سے عالم خوش وقت — مسرور تیری ذات سے ہے عید سعید

○

۲۔ "مجموعۂ قدرت" (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ، حیدرآباد۔

مثلث

اے صنمِ بلند اختر، سرو قد، چمن پیکر　　غنچہ لب، دہن کوثر، زلف و رخ مہ و عنبر

ہے نہیں تجھے بہتر میں رہوں سدا مضطر

کیا کہوں تری خوبی یا وہ قد بہ از طوبیٰ　　دمبدم خوش اسلوبی وہ پھبن وہ مرغوبی

وہ ادا وہ محبوبی نقش ہے مرے دل پر

رخ ترا برنگ گل اور بنفشہ ہے کاکل　　ہے چمن میں شور و غل بولتے ہیں یوں بلبل

زلف ہے اگر سنبل، چشم ہے گل عبہر

کیا کہوں تجھے جانی تو ہے یوسف ثانی　　پر تری ستم رانی ہے فقط یہ نادانی

میں ترا ہوں قربانی کیجیو اسے باور

وہ خفا ترا ہونا عیش کا مرا کھونا　　یا کہوں عبث رونا آنسوؤں سے منہ دھونا

پھر گلے لپٹ سونا بے طرح سے اے دلبر

صاف وہ ترا سینہ حسن کا ہے گنجینہ　　یا حلب کا آئینہ عاشقوں سے یہ کینہ

العیش وہ دیرینہ یاد کر ستم گستر

گھر ترا پری خانہ میں ہوا ہوں دیوانہ　　تو پھرے ہے مستانہ ہاتھ میں لیے پیمانہ

ساقیا خرامانہ تو مجھے پلا ساغر

سرو قد بدن گل گوں دیکھ کر تجھے موزوں　　بید بھی ہوا مجنوں جو کہ ہے ترا مفتوں

غنچہ ساں جگر پر خوں کیوں نہ ہو بھلا پھر

جو سخن کے ہو شایاں، بہتر از در و مرجاں　　طرز یہ نہیں آساں طبع ہے کہ ہے نیساں

شعر کا ترے ایماں، لفظ ہے ہر اک گوہر

مسدس ★

(۱)

جسکا ہے نام ماہ جبیں جگ میں آشکار — شیریں سے بہتر اُس کی کنیزیں ہیں گلعذار
بادِ بہار سی وہ کرے ہے جدھر گزار — اُس کی سواری دیکھ کے خلقت کہے پکار
محمل نشین کہتے ہیں خرام یار میں
لیلےٰ کا ایک ناقہ وہاں کس قطار میں

جب لعل لب اس کی ہو گوہر فشانیاں — مثل صدف ہو گوش سراپا بیانیاں
طوطی کہے ہے سنتے ہے جو یہ خوش بیانیاں(۱) — جس میں کہ جانفزائی کی ہووے نشانیاں
اعجاز منت کشے ہے ترے لب کے کلام کا
کیا ذکر واں مسیح علیہ السلام کا

گلگشت کو جو آئے چمن میں وہ رشک ماہ — نرگس سے تا بہ شبنم اُسی کی طرف نگاہ
جب اُٹھ کے بس ہے باغ سے دولت سرا کی راہ — بلبل یہ بیکلی سے پکاری کہ واہ واہ
غنچے سے مسکرا کے اُسے زار کر چلی
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلی

نوشیں دہن ہے اُسکا بہ از چشمۂ حیات — ہر ایک بات کیوں نہ ہو شیریں بہ از نبات
مانی کہے ہے دیکھ کے بہزاد سے یہ بات — نقشہ یہ کیسے کھنچ سکے غیر از خدا کی ذات
نازک ادا(۲) کے ساتھ وہ دلبر شکیل ہے
تصویر چیں بھی روبرو اُس کے ذلیل ہے

مسند نشین بزم ہو جس دم وہ شمع رو — مست شراب عیش ہے ساغر ہے نا سبو
آہنگ انتساب(۳) ہے چنگ و رباب کو — زہرا ترانہ ساز ہو یہ اس کے روبرو

---

(۱) ج "طوطی کہے ہے سنتے ہی جو یہ خوش بیانیاں" (۲) ج "نازو ادا" (۳) ج "انبساط"

★ دیوان ایمان "(قلمی) کراچی میں اس مسدس کا عنوان" در تعریف ماہ لقا بائی" ہے

تجھ سا کوئی وجیہہ نہیں آسماں پر
کیوں کر کرے نہ ناز زمیں آسمان پر

تزئیں پہ جب کرے ہے توجہ وہ دلربا — منظور دیکھ سرمہ کو غازہ ہو جبہ سا
شانہ بعہ زبان ہے وصاف زلف کا — ہو یک زباں ہر ایک سے کہتی ہے یہ حنا
عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
اُس کے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

مشاطہ دیکھ آئینہ رخ کرے خیال — ہے عکس مردمک یہ نہیں ہے سیاہ خال
بل بل ہی جائے زلفوں کا گوندھنا بال بال — اسپند دل سے وار کے لوٹے ہر ایک لال
سینے کو تھنوں کے نگاہ اس کی توڑ دے
آنکھوں کی ہر پلک صف محشر کو توڑ دے

بیدار جب کہ خواب سے ہوتی ہے صبح گاہ — پہلے کرے ہے آئینہ پہ اُس میں سے نگاہ
پھر صحن باغ بیچ خراماں ہو رشک ماہ — جتنے ہیں گلبدن کریں آنکھوں کو فرش راہ
رکھے ہے کس ادا سے وہ عالی دماغ پا
رنگ حنا سے لبکہ ہوا رشک باغ پا

جوں سرو سبز پوش ہو شیریں روزگار — گلگوں صبا خرام پہ جس وقت ہو سوار
صحرا کے بیچ دل میں یہ جیسے کروں شکار — آہو تو کیا ہے کار انہیں شیر بھی پکار
ممکن ہے تیر خوردہ تڑپ کر سنبھل کر
مارا تری نگاہ کا ہرگز نہ جی سکے

ابرو کماں دل ترے قرباں کیوں نہ جائے — تیر نگاہ جب کہ تو یوں بیدھڑک چلائے
ہوئے حرم کا بھی جو کبوتر نہ باز آئے — پرواز کیوں نہ طائر عرشی بھی کرنے پائے

ع۱ "الف" پہلے کرے ہے آئینہ پر رسم سے نگاہ ع۳ "ب" مثل ماہ

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑے زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

شہرہ ہے ترے حسن کے روشن ہے سب جہاں　　لے کر زمیں کی سطح سے تا ہفتم آسماں
پہنچیں ترے جمال کو حور و پری کہاں　　ہے گا ہر ایک ذرہ کی چشمک سے یہ عیاں
منہ دیکھ آئینہ کا تری تاب لا سکے
خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

کیا نقش مارتا ہے ترا عشق اے حبیب　　پہلو سے ترے جو کہ ہوا ایک دم قریب
پھر عمر اسکو پھر طپش دل رہے نصیب　　ہو لا علاج کرتے ہیں اقرار سب طبیب
والد کو ترے چشم کے آزار ہی رہا
عیسیٰ وقت تھا وہ تو بیمار ہی رہا

مستانہ تری چشم کا ہر اک ایاغ ہے　　تیرا ہی نت نسیم سحر کو سراغ ہے
بلبل کو بوئے گل کا رہا کب دماغ ہے　　کس کس کا ذکر کیجئے اک خلق داغ ہے
سنبل تمہارے گیسوؤں کے غم میں لٹ گیا
ابرو کی تیغ دیکھ مہ نو وہ کٹ گیا

اس رشک نوبہار کے بلبل ہیں صد ہزار　　غنچے بیٹھے ہیں خون دل و گل جگر فگار
سودائے زلف و گیسو میں سنبل ہیں تار تار　　قامت کا اس کے سرو بھی مجنوں بھی بیدوار
اے لالہ گو فلک نے دیے تجھ کو چار داغ
چھاتی تمری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

میں جب سے اسکے حسن کا دیوانہ ہو گیا　　ویرانہ دل کا رشک پری خانہ ہو گیا
از بس شراب شوق سے مستانہ ہو گیا　　عالم کے بیچ قصہ و افسانہ ہو گیا
چرچا جو میرے عشق کا جنگل میں چل پڑا
زانو پہ ہاتھ مار کے مجنوں اچھل پڑا

شکرِ خدا کہ اب تو مرے حال پر مدام　　مہندول دل سے مہر ہے اُس ماہ کے تمام
صحبت میں زلف و رُخ کی گذرتی ہے صبح و شام　　ہم بزم ہم پیالہ و ہم راز ہم کلام

تب اُس بہشت رو سے بہ خلط بہم کیا
برسوں ہی ہم نے سورۂ یوسف کو دم کیا

ان کا ہی عشق ہے مجھے بہ و شعور سے　　جو خوبرو ہو دیکھ لیتا ہوں دور سے
رکھتا نہیں ہوں کام پری سے نہ حور سے　　کہتا نہیں یہ بات میں ہر گز غرور سے

مجھ کو دماغِ وصف و گل و یاسمن نہیں
میں جوں نسیم بادہ فروشِ چمن نہیں

ہر گز نہ ہووے عشق سے ہمسر کبھو ہوس　　فریاد عندلیب کہاں اور کہاں جرس
پہنچے نہ سوز کو دلِ پروانہ کے مگس　　بے درد کے لیے ہے یہی شعرِ درد بس

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی کوئی ہوا ہو کسو کی نگاہ کا

ایماں آدمی کو کچھ اک درد خوب ہے　　یعنی سرشک سُرخ و رُخ زرد خوب ہے
لب پر برنگ صبح دم سرد خوب ہے　　پیدا کرے جو سوز وہی مرد خوب ہے

ہوے نہ ملک عشق سے کم رسم داغ دل
روشن رہے ہمیشہ الٰہی چراغِ دل

(۲)

کیا کروں اب فلک گرگ خصائل کا بیاں ۔ یا کہوں قصۂ بے مہری اخوان زماں
گم ہوا تھا جو شب ہند میں خورشید جہاں ۔ چشم یعقوب کے مانند تھے انجم نگراں
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعاں کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

یعنی نواب فلک قدر وزیر اعظم ۔ شاہ کا نور بصر جان جہاں زیب حشم
حاتم گنج و عطا صاحب اقبال و ہمم ۔ جلوہ فرما وہ ہوا شکر خدا نیک شیم
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعاں کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

کشتی خلق جو ہونے لگی یکبار تباہ ۔ دل عالم سے اٹھا شور و فغاں واویلا
دیکھ اس حال کو یونس کی طرح وہ ناگاہ ۔ آپ سے بحر حوادث میں گرا تھا واللہ
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعاں کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

اسقدر تھا نسق ملک و مالی برہم ۔ کہ نہ آمد تھی خزانہ میں کبھو دام درم
شہر کے بیچ نہ رونق تھی نہ دیہات میں دم ۔ اٹھ گیا تھا مزہ خواب و خورش ایک قلم
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعاں کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بے جان کے بیچ

عرصہ دہر میں ناساز عجب باد چلی ۔ کہ نہ افسردہ دلی خلق کی جاوے ہے کبھی
سرد مہری کی جفا سے یہانتک ہے ہوئی ۔ شمع و پروانے کی صحبت میں بھی گرمی نہ رہی

١- مجموعہ فصاحت (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بے جان کے بیچ

مست میخانہ میں کرتے تھے گریبان کو چاک — اشک حسرت سے رہے دیدہ ساغر نمناک
ہچکیاں لے لے کیا آپ کو شیشہ نے ہلاک — آتش ہجر میں جلتی ہی رہی دختر تاک

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بے جان کے بیچ

خوبرویوں کے بھی اوقات کا تھا یہ دستور — نہ سروکار تھا شانہ سے نہ سرمہ منظور
شل شمع سحری منہ پہ نہ تھا ذرہ نور — غنچہ ساں تنگ دلی گلبدنوں کی تھی ضرور

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعاں کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

بلبل و قمری بھی نالاں تھے چمن میں یکسر — غنچہ دل تنگ تھا اور گل کا بھی ٹکڑے تھا جگر
اور دم سرد ہی بھرتی تھی سدا باد سحر — اشک حسرت سے تھے نت دیدۂ شبنم بھی تر

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

دلبروں میں نہ رہی ذرہ زبس عشوہ گری — رنگ رخسار کے ہمراہ اڑا نازبری
غیر خورشید نہ دیکھا کہیں پوشاک زری — اپنی رفتار کو بھولا تھا سبھی کبک دری

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

چاہ میں اسکی گرفتار تھا ہر پیر و جواں — برہم از بسکہ ہوا سلسلہ کار جہاں
کارواں تھے غم و اندوہ کے ہر سمت رواں — شل خورشید ہوا شکر خدا جلوہ کناں

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

رونق افزا جو وہ تھا مصر میں جوں باد بہار — مصر کا اُس کے قدم سے ہوا زمان گلزار
غنچہ ساں وہاں کی ریاست کے کھلے عقدہ کار — گلشن دہر میں اب ہے یہی بلبل کی پکار
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

سرو و شمشاد کو پھر آئے طراوت تازہ — گل رخوں نے ہے ملا عیش کا منہ پر غازہ
جام عشرت ہے بلب آج ہر ایک خمیازہ — شش جہت میں طرب و جشن کا ہے آوازہ
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

شہر سے دشت تلک روئے زمیں رشک چمن — آب و رنگ آیا ہے پھر تازہ بروئے گلشن
سبز شاداب و شگفتہ ہیں گل و سرو و سمن — گل کے مانند ہوئے خندہ زنان غنچہ دہن
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

اب جہاں دیکھو وہاں جوش مبارکبادی — اور ہر یک بزم میں ہے جشن و نشاط و شادی
ہر مکاں بیچ سر نو سے ہوئی آبادی ! — دل زندانی ہجراں کو ملی آزادی !!
یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

ساز عشرت تو ہر ایک بزم میں موجود ہے اب — جا بجا جشن کا آئین ہے تا لون طرب
کثرت عیش ہے ہر شام و سحر روز و شب — جشن جمشید ہی اس جشن کو پہنچے ہے کب

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

زال دنیا کے تئیں پیر کے جوانی آئی — جلوہ گر کیوں نہ ہو آنکھوں میں بصد زیبائی
بوئے پیراہن دلدار صبا ہے لائی — پیر کنعاں کے بھی آنکھوں کو ملی بینائی

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

شکر صد شکر کہ امید برآئی دلخواہ — شب عشرت سے ہوا ہے بدل اب روز سیاہ
رونق افزا ہوا اس طور سے وہ نور نگاہ — ابر کو چیر کے جس طرح نکل آوے ماہ

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

بسکہ ایمان ہنر کا تھا کساد بازار — کاسہ سر میں اسافل کے بھرا تھا پندار
جنس جوہر کا خریدار نہیں تھا زنہار — شکر ہے اہل ہنر کے ہوئے طالع بیدار

یوسف اب مصر سے آیا ہے جو کنعان کے بیچ
جان آیا ہے گویا قالب بیجان کے بیچ

مخمس (نعت و منقبت)

(۱)

دیکھے ہیں عیاں نبیؐ و علیؓ   جوں مہ و مہر ہاں نبیؐ و علیؓ
پھر جدا سے ہوں کہاں نبیؐ و علیؓ   یک دل و یک زباں نبیؐ و علیؓ
گھر تو اماں نبیؐ و علیؓ؟

انکی نظروں سے کب رہا ہے چھپا   عالم غیب بھی شہود ہوا
شب معراج اٹھ گیا پردا   آنچہ یابد بکنہ ذات خدا
واقف و رازداں نبیؐ و علیؓ

بسکہ یہ دونوں ہیں گے نیک شیم   فرق رکھتے نہیں ذرہ بھی بہم
حشر کے روز ہیں شفیع امم   حکمراں از طریق عدل و کرم
در زمین و زماں نبیؐ و علیؓ

ان کے عارض پہ عنبریں کاکل   دیکھ شرماتے خلد کا سنبل
عندلیبوں نے یہ کیا ہے غل   فی الحقیقت برنگ غنچہ و گل
دو تن و یک رواں نبیؐ و علیؓ

اس طرح ان میں ہے خدا کا ظہور   دونوں آنکھوں میں جسطرح ایک نور
اثنینیت ہے یہاں تمام قصور   اے سخن رس یہیں بیں شعور
کعبۂ قدسیاں نبیؐ و علیؓ

اس قدر ہیں یہ اتحاد و شعار　　جوں بہم موج و آب کا اظہار
ہیں ازل سے ابد تلک درکار　　خضر و الیاس می کنند اقرار
زندہ جاوداں نبیؐ و علیؓ

کون اسکندر و کہاں کا جم!　　ہو گئے ایسے سینکڑوں ہی عدم
یہ عرب کے ہیں شاہ، ماہ عجم　　بسر لوح پر لگا شت قلم
افسر فرقداں نبیؐ و علیؓ

ہیں گے ظاہر میں یہ جدے ہر چند　　پر ہیں باطن میں اتحاد پسند
انکے رتبہ کی عرش پر ہے کمند　　مہر و مہ رابہ ذرہ کی سنجند
نور نہ آسمان نبیؐ و علیؓ

کون سی چیز کا ہے یہاں اخفا　　سارے اسرار ہو گئے افشا
ان سے باہر نہیں ہے علم خدا　　رمز عرش است مابہ ادنیٰ
محرم لا مکاں نبیؐ و علیؓ

ہیں یہ ازبسکہ باعث دو جہاں　　ان سے ظاہر ہوئے ہیں کون و مکاں
انکے محکوم ہیں زمین و زماں　　گفت پروردگار عالمیان
سید انس و جاں نبیؐ و علیؓ

رنگ ہے یہ وہ بو سے دیکھے نشاں　　ہوویں جوں غنچہ و گل بستاں
فرق ان میں نہ ہو کسی سے بیاں　　روشنی بخش محفل دو جہاں
شمع یک دودماں نبیؐ و علیؓ

ایک ہیں ایک یہ بزرگ نہاد　　یہاں ع۱ خیال دوئی بھی بے بنیاد

ع۱۔ ج "یہاں خیال دوئی ہے بے بنیاد"

مطلق اس قید سے ہیں یہ آزاد — سرورِ عنائی گلشنِ ایجاد
بے شک و بے گماں نبیؐ و علیؓ

معجزے ان کے بسکہ ہیں اظہر — ابن جابر کی ہے جہاں کو خبر
رکھ نصیری کے حال پر بھی نظر — رجعتِ شمس ہیں و شقِ قمر
بر فلک حکمراں نبیؐ و علیؓ

کوئی ہو شاہ یا کوئی درویش — کوئی صالح ہو یا کوئی بدکیش[۲]
کوئی خوش دل ہو یا کوئی دلریش — در دو عالم بحالِ امتِ خویش
مشفق و مہرباں نبیؐ و علیؓ

خوش ہو ایمان فکر و غم سے نکل — نہ کر اپنے حواس کو مختل
[۱]ہوا تجھ سے گو کہ نیک عمل — در حضورِ خدائے عز و جل
شافعِ عاصیاں نبیؐ و علیؓ

مخمس (۲)

منقبت

مداح تیرا جیا بجا ہے گا خدا مولا علیؓ — نازل تیری ہی شان میں ہے اتما مولا علیؓ
تو ہے اخی مصطفےٰ اور رہنما مولا علیؓ — دونوں جہاں کے بیچ میں ہے پیشوا مولا علیؓ
بدر الدجیٰ مولا علیؓ شمس الضحیٰ مولا علیؓ

دوبارہ تیرے واسطے شاہا پھرا ہے آفتاب — دوش نبیؐ پر رکھ قدم پٹکا بتوں کو کر خراب
جو کچھ زمین پر حادثہ گزرے سدا یا بوتراب — کرتے ہیں خدمت میں تیری وہ عرض ہر شب دو وقت ہا

۱۔ نہیں کھلا ۲۔ الف "بدکیس"

تابع ہیں تیرے حکم کے ارض و سما مولا علیؓ

قرآن کے آیات ہیں ناطق تیری تفضیل پر چندین احادیث نبیؐ وارد ہیں اس تفضیل پر
قادر ہے تو ہر علم کی توجیہہ پر تاویل پر قدرت ہے تجھکو معنیٔ توریت اور انجیل پر

کس سے ادا ہووے تیری مدح و ثنا مولا علیؓ

ثنا ہا تیری مدح و ثنا ہے بیشتر قرآن میں حاضر ہیں تیرے روز و شب جن و ملک فرمان میں
ثانی تیرا دیکھا نہیں ہرگز کوئی انسان میں کر دے گدا کو بادشہ تیرا کرم یک آن میں

سایہ تیرا ہے بہتر از ظل ہما مولا علیؓ!!

گاڑھا ہے نیزہ آہنی کے تو نے سنگ میں دروازۂ سنگیں سپر لے کر گیا ہے جنگ میں
بدر و حنین و تا احد باشاہ ہر اک جنگ میں تو قاتل کفار ہے یکتا ہے نام و ننگ میں

ہاتف سے تیری شان میں ہے لا فتا مولا علیؓ

تو نے بچایا ہے شہا سلماں کو جا کر شیر سے عمرو سے لے عنتر تلک کٹ گئے تیری شمشیر سے
کافر ہزاروں قتل کر تو نے کیئے ہیں ڈھیر سے کرتا ہوں خدمت میں تیری یہ عرض میں تقدیر سے

آسان کر مشکل میری اب جلد یا مولا علیؓ

افلاس کا جسکے تئیں ایک عمر سے آزار ہے اس کی دوا مغز فلوس اور شربت دینار ہے
کوئی کسو بھی طرح کا شاہا اگر بیمار ہے ! تجھ در کی خاک اسکو ہے بس اکسیر کیا درکار ہے

بیشک ہے تیرا آستانہ دار الشفاء مولا علیؓ

منہ سے کہا ہے آپ کو جب احمد مختار نے ہارون کا رتبہ لیا تب حیدر کرار نے
فرمایا نورِ احمد اس صاحب اسرار نے اور لحمک لحمی کہا اس دین کے سردار نے

من کنت مولا کو سمجھ ہے پیشوا مولا علیؓ

شمس و قمر زہرہ سے لے تا فرقداں یہ بات ہے حسنین و احمد اور علی خیر النساء کی ذات ہے
چلتا اونہوں کے نور میں واجب ہمیں دن رات ہے یہ ہے صراط المستقیم[1] اس میں نہیں آفات ہے
ہے بعد احمد ہادی راہ ھدیٰ مولا علیؓ

بندوں کا تیرے کمتریں بندہ ہوں میں اے بادشاہ جرم[2] و خطا کے بیش سے گرچہ کیا نامہ سیاہ
یا فی الحقیقت سر بسر ہوں غرق دریائے گناہ پر چار موج حشر کے طوفان میں آدیں پناہ
بیشک ہے کشتی نوح کی تیری ولا مولا علیؓ

تجھ آستاں پر مہر و مہ دن رات گھستے ہیں جبیں ایمان صدق جان سے ہے گا غلام کمتریں
تیرے سوا اس کا کوئی کونین میں حامی نہیں ہر ایک دم صبح و مسا یہ ورد ہے یا شاہ دیں
حاجت روا مولا علی مشکل کشا مولا علیؓ

۱۔ صراط مستقیم ۲۔ ج "جرم و خطا کی مشق سے گرچہ کیا نامہ سیاہ"

نہ پاوے رنگ و بوئے گل جہاں میں خار و خس ناصح
نہ پہونچے منصب پروانہ کو ہرگز مگس ناصح
حباب بحر کو دیکھا ہے تو نے ہی تو بس ناصح
دل بے عشق کے دشمن بہ تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا مینائے خالی سے

کیا ایماں سا اقرار ہر مضمون پر آن نے
جھکا یا اپنا سر قوس قزح کے قد بالا نے
خجالت کا عرق لایا ہے منہ پر موج دریا نے
کہی تعریف میں جو بیت تجھ ابرو کی سودا نے
خراج و باج لیتے ہیں وہ دیوان ہلالی سے

مخمس

(۴)

ابر غم ایسا فراواں نہ ہوا تھا سو ہوا
کبھو اس طرح کا باراں نہ ہوا تھا سو ہوا
نا وداں بر سر مژگاں نہ ہوا تھا سو ہوا
اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ سے اے دیدہ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اے صنم حسن ترا بسکہ ہے خورشید پناہ
کلف آلودہ ترے روبرو ہے چہرہ ماہ
چشم و ابرو کی کہوں کیا کہ ہر اک ہی دلخواہ
جس نے دیکھا تری صورت کہا سبحان اللہ
قدرت حق سے نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا

گلشن رخ تو ترا سبز ہوا اب تو زور
دل عشاق کا ہے خال سیاہ کافر حور
حسن کا تیرے پرستاں میں پڑا اب تو شور
خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے کہ مور
رونق ملک سلیماں نہ ہوا تھا سو ہوا

حسن تیرا ہے زبس فتنہ شروع سن سے
ظاہر آشوب ہی ہوتے ہیں ترے باطن سے
یہی سنتا ہوں جہاں بیچ پری وجن سے
قابل شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے
کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

گو کہ تشریف نہ لایا تو مرے مسکن تک　　نفس سرد نہ گذرا تھا کبھو شیون تک
چھینٹ پہونچی نہ کسی اور کے پیرہن تک　　خون دل چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موجزن تا بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

جلوہ گر حسن ترا جب سے ہے محفل کے بیچ　　یہی آتا ہے نظر دیدۂ کامل کے بیچ
مردمک سا ہے بھر انور ہر اک تل کے بیچ　　داغ تجھ عشق کا چمکے ہے مرے دل کے بیچ
ہر ذرے میں درخشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

سن لے ایراں سے اے عاشق صحرا پیما　　تیری وادی کی ہے جاں بخش عجب آب و ہوا
شرق سے غرب تلک میں نے یہ دیکھا ہر جا　　ابر مژگاں کے تصدق سے ترے اے سودا
سبز و خرم جو بیاباں نہ ہوا تھا سو ہوا

مخمس

تری نگاہ کرم مجھ پہ شمع رو معلوم (۵)　　برآوے تجھ سے مرے دل کی آرزو معلوم
لگے لگوں ترے پروانہ طور سو معلوم　　اب اس طرف تری دل گرمی شعلہ خو معلوم
تپاک غیر سے جو ہوں گے ہم سے جو معلوم

روا نہیں ہے تجھے مجھ سے اس قدر اب بیر　　کیا نہ یاد مجھے تو نے ایک روز بخیر
کرے ہے اوروں ہی کے ساتھ نت چمن کی سیر　　بھری ہے دل میں ترے یاں تلک محبت غیر
کہ جا نہیں مرے کھپنے کو پھر تو معلوم

خدا نخواستہ کوئی تری نظر سے گرے　　ترا مزاج پھر اس کی طرف کبھو نہ بھرے
نہ سمجھے ہیں عشاق اس سجن کو مرے　　نہ زر نہ زور نہ طالع نہ رحم دل میں ترے
جو چاہے تجھ سے یہ دل کامیاب ہو معلوم

دیا فلک نے قد یمانہ کو مرے برباد ! کیا نہ ذرہ میرے دل کو ایک دن بھی شاد
پھر اس پہ دیکھو تو یہ جور تازہ ہے ایجاد کہ تو ہیں غیر کے میری وفا کرے ہے یاد
سو غائبانہ کہو اس کے روبرو معلوم

ترا نظیر جہاں میں کوئی نہیں سہ رو جمال زہرہ جبیں مشتری ہلال ابرو
رکھے ہے فرق زمین آسمان مجھ سے تو عبث ہے مہر کی مت اٹھ تلاش بے دار کو
ہے وصل دور ترا میری جستجو معلوم

یہ لٹ دھوئیں کے ہے مانند اس کی سلسلہ دار یہ پیچ و تاب میں رکھے نہ سنبل زار
یہ اس کے رو پر و عنبر کی گرمی بازار خطا ہے زلف کو تیری کہوں اگر مشک تتار
سیاہ فام تو وہ ہے پر ایسی بو معلوم

اگرچہ شعر کے کہنے میں چپ نہیں رہتے کہو جو بات کچھ ایمان کی نہیں سہتے
پھر ہیں ہیں شرم کے پانی میں آخرت بہتے سخن تو یار بھی سودا برا نہیں کہتے
دلے جو چاہیے انداز گفتگو معلوم

مخمس

(۶)

تیرے لیے سو میں ہنر کر گیا　　خرچ فقط زور نہ زر کر گیا
ایک بھی ذرّہ نہ اثر کر گیا　　دل میں ترے جو کوئی گھر کر گیا
سخت مہم تھی کہ وہ سر کر گیا

چشم تو خونخوار ہیں وہ روز و شب　　تس پہ کھینچی تیغ نگہ ہے غضب
جان سے بچتا ہی کوئی واں تو کب　　جا ہی بھڑا اس صف مژگاں سے اب
دل تو بڑا ساہی جگر کر گیا

شہر سے تا دشت میں پھرتا رہا　　اس کی تمنا ہی میں صبح و مسا
کل جو سرِ راہ مجھے مل گیا　　وہم غلط کار نے دل خوش کیا
کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

تجھ سا نہیں آج کوئی دلربا　　لب کا ترے لعل ہے اک بے بہا
کون سی خوبی کی کروں میں ثنا　　فیض ترے وصف بنا گوش کا
اپنے سخن کو تو گہر کر گیا

بسکہ ہوس دختر رز کی بھی تھی　　کون سی خدمت کہ نہیں ہم نے کی
آشنا ایسا نہ ہوا وہ دلی؟　　دیکھ لی ساقی کی بھی دیا دلی
لب نہ ہمارے کبھو تر کر گیا

سنیو یہ اک نقل عجیب و غریب　　جھوٹ نہ میں تجھ سے کہوں اے حبیب
بر سر امداد تھے اس کے نصیب　　رات ملا تھا مجھے تنہا رقیب
یار خدا اس کا ہے میں ڈر کر گیا

چلتے ہی جی کے تھے یہ سب اقربا
بعد کسی کا نہیں کوئی آشنا
اپنی کہیں بیکسی ہم آہ کیا
خاک ہماری پہ بجز نقش پا
کوئی نہ آ خاک بسر کر گیا

کس نے نہ دیکھا ہے جوانی کا سن
عشق بھی ہے انس سے تا بہ جن
یوں جو تو گریاں ہے سدا یار بن
میں نے یہ سودا سے کہا ایک دن
غم ترے کیا سینہ میں گھر کر گیا

تجھ سا نہ دیکھا میں کوئی اے جواں
رات دن آنکھوں سے رہے خون رواں
عشق کی شدت سے ترے الاماں
سن کر کہا جو کوئی آیا سو یاں
بسر بہ انداز دگر کر گیا

خصلت بلبل ہے کہاں زاغ میں
رونق گلزار نہیں راغ میں
خوبی لالہ تو نہیں داغ میں
ایک جو مانند گل اس باغ میں
خرم و خنداں ہو گذر کر گیا

بسکہ ہے مقسوم ہر اک کا جدا
کوئی ہے خوش کوئی ہے غمگیں سدا
ایک جب اس باغ سے یوں گیا
آن کے شبنم کی طرح دوسرا
شام سے رو رو کے سحر کر گیا

اپنی تو ایمان غرض راہ لے
پھیر کسی کو نہ ستا جانے دے
کوئی مرے یا کوئی اب جی رہے
اب تجھے کیا فائدہ اس ذکر سے
ہر کوئی اک طرح بسر کر گیا

مخمس

(۸)

ہم تو واقف ہی نہ تھے عشق کی بیماری سے — اور نہ اس تیرہ شب ہجر کی بیداری سے
یہ کچھ سر و کار نہیں تھا کسی دشواری سے — شکوہ اغیار سے نے یار کی بیزاری سے
جو ہوا ہم پہ سو اس کی گرفتاری سے

بعد اک عمر جو لایا تھا تجھے چرخ کہن — میرے اس کلبہ احزاں میں بصد حیلہ و فن
شمع رو لگ گئی پروانہ صفت تجھ سے لگن — وقت رخصت کے نرے آنسو بھی کے دشمن
تھام تھام اپنے رکھا دل کو میں کس خواری سے

ٹک بھی مژگاں نہ جھپک چشم اگر بینا ہے — کہ نظر سے بھی تنک سیر بیاباں جینا ہے
ساغر گل سے مے رنگ اگر پینا ہے — ہر قدم کوچے بتاں کا رگ مینا ہے
دیکھیو رکھ کے سنبھلے ہوئے ہشیاری سے

مشتری دل سے ہیں کیونکہ نہ ہوں آج زہرہ جبیں — پایہ قدر ترا پہنچا ہے تا عرش بریں
نور سے چہرے کے روشن ہیں ترے دیدے زمیں — شہرہ تجھ حسن کا گر عالم علوی میں نہیں
ہر دم جھانکے ہے کیوں پردہ زنگاری سے

مو سے ہر چند نزاکت میں کمر ہے بہتر — اور بناگوش سے کب آب گہر ہے بہتر
حسن جانسوز سے ہر ترک نظر ہے بہتر — دل یہ کہتا ہے کہ اس لب سے حذر ہے بہتر
گھر اک عالم کا جلا ہے اسی چنگاری سے

تجھ سے یہ عرض ہے ایمان کی آغوش پاملن — ہے گا رندی کے سزاوار جوانی کا سن
بس زیادہ نہ خرابات کا اب ہو ساکن — واہ قائم نہ تری آنکھ جھپکی اک دن
ابر روتا ہے سدا خوف سیہ کاری سے

مخمس

(۹)

تا چند مری جان دل آزار رہو گے
ہر بات پہ کھینچے ہوئے تلوار رہو گے
خونخوار و جفا کار و ستمگار رہو گے
عاشق کے کسی روز بھی غمخوار رہو گے
یا یوں ہی سدا بر سر انکار رہو گے

یہ گرم نگہ قہر ہے جل جاؤں گا پیارے
کیا آنکھ دکھانے سے نہ گھبراؤں گا پیارے
جیتا ہوں کوئی روز تو بلاؤں گا پیارے
پر سامنے ہرگز نہ کبھو آؤں گا پیارے
گر یوں ہی مری شکل سے بیزار رہو گے

خورشید جب آنکھوں میں تمہاری ہوا ذرہ
کیا چیز ہیں پھر سامنے پروین و مجرہ
اس حسن و جوانی پہ یہ اللہ رے غرہ
کیوں کر نہ رکھو گے سر عشاق پہ ارہ
جب شانہ کش طرۂ طرار رہو گے

کوچہ میں تڑپتے ہیں کئی آہ دل افگار
اور کھینچتے ہیں نالہ جانکاہ ہر اک بار
ان کے بھی کبھو ہوکے تدارک لئے غمخوار
یا آئینہ خانے ہی سے رکھو گے سروکار
کاکل ہی کے پیچوں میں گرفتار رہو گے

مجھکو تو ملاقات کی تم سے ضرورت
دن رات ہے منظور مجھے نیک مہورت
پر میری طرف سے تمہیں اتنی ہے کدورت
غرفے سے نہ دکھلاؤ گے اک روز بھی صورت
ہر چند کہ دیوار بہ دیوار رہو گے

پروا نہیں ہم کو بھی جو کرتے نہیں تم بات
اور یوں ہی اگر ہم سے ہے انکار ملاقات
لیکن پس دیوار ہے اور ہم ہیں ہر اک رات
آجائے گی اس ہاتھ کسو دن تو کوئی گھات
تا چند بھلا دیکھیں خبردار رہو گے

ہر چند مرے یاں سے خفا ہو کے سدھارے　　اغیار خوشامد تو لگے کرنے ہیں سارے
پر چار ہی دن میں یہ مزے لوٹ تمہارے　　جب کوئی بھی ٹک جا کہیں دینے کا پیارے
تب میرے ہی گھر آن کے ناچار رہو گے

اے جان تمہارا تو گیا ہے کدھر اب ہوش　　رہتا ہے کسو پر بھی جوانی کا سدا جوش
یہ یاد کے قابل ہے نہ کیجے گا فراموش　　فریاد پہ بلبل کے رکھو گے تم اگر گوش
تو لاکھ برس بے غیرت گلزار رہو گے

ہر چند کہ جوں سرو ہو در اصل سرافراز　　اور جوہر ذاتی ہے تمہیں دلبری و ناز
پر فتنۂ دوراں کا نرالا ہے کچھ انداز　　خوبوں میں زمانے کے تو ہو جاؤ گے ممتاز
دو چار برس ہم سے اگر یار رہو گے

ہر چند چمن میں تو ہیں خورشید سے نادر!　　پر اس کی نظر میں تمہیں ہو زیب دہ صدر
در پے ہے اسے رشک سے صیاد کے سو غدر　　بلبل کی گلو! ہو گی اسی روز تمہیں قدر
جب باغ سے آ کر سر بازار رہو گے

اے غنچۂ عشاق کہو ہوش کدھر ہے　　اس آہ میں کیا فائدہ جس میں نہ اثر ہے
ہر اشک کے ہمراہ رواں لخت جگر ہے　　کچھ حال یہ اپنے بھی کبھو تم کو نظر ہے
آنکھوں سے بھلا کب تئیں خونبار رہو گے

یہ وہ ہیں جفاکار و دل آزار و ستمگر　　شمشیر سے بیداد کی کاٹے ہیں کئی سر
گمراہ ہیں اتنے کہ خدا کا بھی نہیں ڈر　　تم یار و جلاتے تو ہو دل اپنا بتوں پر
لاچار ہو پھر آپ ہی من مار رہو گے

ہے گرم مجھے تب سے یہ اخلاص تو جب تب　　رہتی ہے مری جان ہر اک آن ہی بر لب
موقوف یہ مرا در جدائی ہو تمہیں جب　　پا لیں یہ مری شمع کے مانند کسو شب
تا صبح اگر شام سے بیدار رہو گے

وہ چشم کہ ہے فرقۂ عشاق کی آفت — شاطر نے کہیں میں نہ دیا کھل مروت
اور اس کے تصور سے نہیں ہاتک نہیں فرصت — اے حسرت دل کاہے کو پھر چاہا ہو گی ہمت
اس نرگس فتاں کے بیمار رہو گے

اے ساکن فردوس عبث تم کو ہے پندار — ایسے تو ہزاروں یہاں دلچسپ ہیں گلزار
اس بات کا واللہ کہ شاہد نہیں درکار — دیکھو گے تم اک بار اگر کوچۂ دلدار
حیران ہی جوں صورت دیوار رہو گے

وہ احسن تقویم سزاوار تبارک — دیوانہ بنے دیکھ ملک جسکو یکایک
یہ بات تو ہے صاف نہیں اس میں ہے کچھ شک — پروا ہے کہاں حسن کو ایمان کی جب تک
آئینہ صفت طالب دیدار رہو گے

مخمس

[۴]

بیزار رات دن ہیں ہر چند اپنے جی سے — ہم بھی اگر جہاں میں ہیں ہیں قسم آدمی سے
تو کس طرح خفا ہوں اب حرف واجبی سے — واقف جو ہم نہیں ہیں اس بزم میں کسی سے
ہیں کیا غریب بیٹھے چپ چاپ اجنبی سے

تم بھی تو جانتے ہو میں بھی تو ایک ہونگا — کب مانتا ہوں پیارے جب تک مزے نہ لونگا
بس چپ رہو نہیں تو کچھ اور میں کہونگا — کہتے ہو نیند آگئی ہاں کیوں نہ سونے دونگا
حد کرم تو ایسی کیا خوب جی ابھی سے[1]

۱۔ حد کرم تو ایسی ۔ بے وزن

کدھر گئی تمہاری اے جان چل بلاہٹ　　وہ دھوم دھام شوخی وہ چہل اچپلاہٹ
ہر بات ہر ادا میں وہ ایک نئی لگاوٹ　　کیا منہ بنا رہا ہے ہو اللہ رے رکاوٹ
گویا کہ آشنائی کا ہے نہ تھی ہنسی سے

شاید کسی سے پیارے دل تیرا لڑ گیا ہے　　تیر نگاہ اس کا سینہ میں گڑ گیا ہے
ایک بات جو ناحق تو ہم سے اڑ گیا ہے؟　　کیا قحط خوبرویاں عالم میں پڑ گیا ہے
گتھ جائینگے ابھی ہم اک اور ہی پری سے

سچ پوچھ تیری پیارے وہ شوخ ہے نکیلی　　ہرگز نہیں پہنچی کوئی پری چھبیلی
نرگس سے تا بہ سوسن صورت ہے نیلی پیلی　　مہندی کی ٹٹیوں کی آڑ ہے سخت سیلی
اور خوں ٹپک رہا ہے لالہ کی ہر کلی سے

ہر چند دشت میں ہیں اکثر پہاڑ خاصے　　باہم کسی جگہ پر ہیں سبز تاڑ خاصے
میدان بھی کئی ہیں گرچہ اجاڑ خاصے　　اس بات کے لئے چمن کے جھاڑ خاصے؛
ستھری بڑے مزے کی پاکیزہ اچھی جی سے

ایمان سے ہمیشہ آگاہ تجھکو رکھے　　دولت سے دو جہاں کی دلخواہ تجھکو رکھے
آرام و عافیت سے ہر ماہ تجھکو رکھے　　تو اور شئی ہے انشاء اللہ تجھکو رکھے
مسرور و شاد و فرحاں ہر دم ہنسی خوشی سے

قطعہ

شمع محفل نے ایک رات کہا .. دیکھ پروانے کو بہ سوز و گداز
وہ جو ہے عندلیب عاشق گل .. آہ و نالہ سے ہے سدا دمساز
چپ ہی چپ تو جو دے ہے جان عزیز .. ہم پر اب تک کھلا نہیں یہ راز

سن کے پروانہ نے پڑھا ایماںؔ .. آہ یہ شعر سعدیؔ شیراز

عاشقان کشتگاں معشوق اند
بر نیاید ز کشتگاں آواز

قطعہ

اے فخرِ جہاں صاحبِ احسان و کرم فرخندہ تجھے ہووے یہ عیدِ نوروز
عالم تجھے دیتا ہے مبارکبادی ! ایماںؔ بھی ہوتا ہے سعادت اندوز
مسند پہ وزارت کے بعز حیدر ! جیوں شمع تری ذات رہے بزم افروز[1]

٥

زمین و آسماں جب تئیں رہویں ہم جم مہ و مہر جب تک فلک سے ہو باہم
شب قدر و نوروز ہر روز و ہر شب تجھے عیش اس طرح نت نت ہو جم جم[2]

متفرق اشعار و فردیات

مل نہ کبھو رقیب سے تجھ سے کہا بھلا کہا ○ میرا سخن نہیں غلط اگر کہا بجا کہا

کاہے کو جا کے باغ کو دیکھوں ○ سینہ کے اپنے داغ کو دیکھوں

دیکھا نہیں مدت سے اس یارِ سخن داں کو ○ اس سروِ خراماں کو اس غنچۂ خنداں کو

قامت تیرا پہلے سے اگر سروِ سہی ہے ○ پر باغ کو تجھ حسن کی اب آرزو بھی ہے

چمن میں بہار آئی خبر ہے سو نو سے ○ رگِ گل ہوا سنبل رخ گل کے پرتو سے

[1-2] "گلدستۂ فصاحت" (قلمی)

ضمیمہ

غزلیں

[۱]

نہ رکھ تو دل ستمگاں سے ذرا غبار اے شیخ[1]
کہ یہ گروہ جہاں میں ہے خاکسار اے شیخ

سوائے شاہد و ساقی نہیں کچھ اور وہاں
نہ جا تو مجلس رنداں میں زینہار اے شیخ

ہمارا منکا تو پھرتا ہے تار زلف کے بیچ
تو اپنے دانہ تسبیح کا کر شمار اے شیخ

کچھ ایسی - - - تو ٹھیرے کہ جلد آ پہنچے
کسی کا مجھ کو ہے اس وقت انتظار اے شیخ

ہزار طرح کی سنتا ہوں - - - اس کے
نہیں ہے دل پہ مرا ٹک بھی اختیار اے شیخ

یہ شیخی جبہ و دستار کی رکھے تہہ کر
پری رخوں سے جو تو ہووے روبکار اے شیخ

جو کوئی یار کے دل کو مری طرف پھیرے
اوسیکی بات کر دیں تو اعتبار اے شیخ ؟

[illegible] ایمان (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

ہمارے واسطے ہی رحمت الٰہی ہے
اگرچہ ہم ہیں سراپا گناہ گار اے شیخ
طواف دل کا ہے ایماں کی قسم اولیٰ
نہ جا . . . . پہ ہو کعبہ کو سوار اے شیخ

[۲]

کیونکر نہ گرے خاک پہ اب آبروے شیر[۲]
مہتاب نے بہائی ہے گلیوں میں جوے شیر
گلرو سے کیا مجال اے شبنم ہو روبرو
غنچہ کے منہ سے آتی ہے اب تک بھی بوے شیر
اے سرو نازرات کو یا شوب کو تیری
مہتاب سر پہ لاوے ہے اپنے سبوے شیر
مجلس سے یوں ہوا ہے بدر روسیہ رقیب
جسطرح سے نکال کے پھینکے ہیں موے شیر
ایماں ایک بھی نہیں مخلوق بے طمع
گہوارہ میں ہے طفل کو ہی جستجوے شیر

[۳]

مجھکو تو اس قدر ہے وہ دل دار کی ہوس | بلبل کو جس طرح سے ہو گلزار کی ہوس
دل کو تو اپنے زنگ و کدورت سے پاک کر | رکھ آئینہ کی شکل میں دیدار کی ہوس

۲/ دیوان ایماں (قلمی) ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد مخطوطہ ۵۸۷

مژگاں برنگ پنجۂ مرجاں ہیں مرکّل
کیا جانے کیا ہے دیدۂ خوں بار کی ہوس

دیوانہ کفر و دیں سے نہیں آشنا مجھے
تسبیح کا خیال نہ زنار کی ہوس

جوں شانہ موشگاف ہوں عمر دراز سے
پیوند جاں ہے زلف کی ہر تار کی ہوس

تربہ شہید جان کے پی بیٹھ سر بکف ؟
بازار عشق میں جو ہو پیار کی ہوس

جوں ماہ رو رہو مرے گھر ہر ایک شب
ایماںؔ ہے دولت بیدار کی ہوس

[۴]

پہنچے ہے وصف لب کو کوئی یاں سخن تراش
لاوے اگر ہزار عقیق یمن تراش

وہ جانتا ہے کاکل مشکیں کی قدر کو
آتا ہے جو کہ نافۂ غزال ختن تراش

زرتار ہو لباس میں در کار ماہ رو
خورشید کی بھی آوا بھی ہیں کرن تراش

انجام کار سوجھتا ہے پھر تجھے عبث ؟
اتنا بھی بے ستوں کو نہ آئے کوہکن تراش ؟

تیشہ نہ سر پہ مار تو اپنے ہاتھ سے
شیریں کا نقش کھینچ نہ سنگ کہن تراش

ایماںؔ کچھ فقط نہیں آتی ہے اب نظر
تس بیں . . . گل نسترن تراش

[۵]

گل روبہ لالہ زار نہیں کہ رہا ہے باغ
سوزش ہزار داغ کی اب سہہ رہا ہے باغ

جب تب میں دیکھتا ہوں گلے یار ہیں ترے
تجھ پر اسے گلعذار پنٹ تہہ رہا ہے باغ

یہ آب جو رواں نہیں اسے رشک نوبہار
شرمندہ تیرے حسن سے جو بہہ رہا ہے باغ

عالم کے بیچ غنچۂ گل کی نہیں ہے قدر
تجھ حسن کے زمانے میں اب تہہ رہا ہے باغ

۲۶۔ ۱۳۱ دیوان ایماں (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

سوسن نہیں یہ کرنے کو جوہر ترے نثار — خنجر کشیدہ ہاتھ میں لے کہہ رہا ہے باغ
آیا تھا کون سیر چمن کو اے عندلیب — ہر صبحدم در پئے ۔ ۔ رہا ہے باغ
ایماں مجھ سے بولا کہ اس شاہ حسن کے
تشریف روز لانے سے ہی لاگ رہا ہے باغ

[۶]

دیکھ اور رنگ چمن پر خسرو گل کا دماغ — کیوں نہ ہووے تازہ وتر اب تو بلبل کا دماغ [۴]
خواب میں دیکھا ہے کس مہ رو کی زلف مشکبار — ہو گیا یکسر پریشاں اب جو سنبل کا دماغ
دخت رز پر ناز مت کر بگرائی پیر مغاں؟ — خوشنما چشم پری رویاں میں ہے مل کا دماغ
بزم سے شیشہ دلوں کے بول تک بلبل پری — مت کہیں ہووے پریشاں شور قلقل کا دماغ
یار نے سر میں رکھا ہے باندھ گیسوئے دراز
کب نہ پہنچے عالم بالا پہ کاکل کا دماغ

[۷]

نہ پاوے کوئی اس سے داد مطلق — کہ سنتا ہی نہیں فریاد مطلق [۵]
مقید اور ہیں اب بندگی پر — دیا خدمت مری برباد و مطلق
نہ لکھے حرف اس پر اس پر۔۔ — نہ ہووے جس کو استعداد مطلق
رگ جوش محبت سے قسم ہے — خبر رکھتا نہیں فصاد مطلق
خرابے سے جہاں کے بیچ ہے ایماں — نہیں آگاہ تھا شدّاد مطلق

---

۴ تا ۵ ۔ دیوان ایماں (قلمی)، کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد مخطوطہ ۴۵۵

[۸]

بوئے نخوت سے ہے معمور سرِ گل بلبل
حق نے بخشا ہے اسے تاجِ زرِ گل بلبل[6]

مختلط ہونے سے شبنم کے نہ کر شور و فغاں
عینِ عصمت ہے وہ دامانِ ترِ گل بلبل

مثلِ الماس تھا ہر قطرۂ شبنم از بس
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اب جگرِ گل بلبل

رزق تا لیوے کوئی روز کہ ہے فصلِ بہار؟
پھر خزاں میں یہ کہاں کر و فرِ گل بلبل

سر اٹھا دیکھے ہے ہر سرو چمن سے پیہم
جب سے لائی ہے صبا نے خبرِ گل بلبل

رحم و انصاف اسے جب کہ خدا داد نہ ہو
کیوں کہ فریاد سنے گوش گرِ گل بلبل

تو بھی ایمان چل ساتھ چمن میں جلدی
جلوہ فرما ہے شہِ بخت ورِ گل بلبل

[۹]

سوسن سے اب ملا کے ہر اک جا سے لال گل
گلچیں نے صحنِ باغ میں کاٹا ہے ڈال گل

ہر صبح تر سے شوق میں شبنم سے کر وضو
غنچہ کی لے کتاب کو دیکھے ہے فال گل

آخر کو تیری زلف ... نے کی اس کو تار تار
دیکھا تھا صبح اٹھتے ہی سنبل کے بال گل

گلشن میں زرد رنگ نے باندھا ہے اب سماں
بلبل جو ناچتی ہے تو دیتا ہے تال گل

جاوے اگر تو باغ میں اے رشکِ نو بہار
غنچہ کی طرح سر کو رکھے زیرِ بال گل

کیونکر خزاں سے چلتے ہی جھڑ کے تمام برگ
آخر کو ہار ہار کے پایا ملال گل

ایمان عندلیب سے کہہ دے بہار میں
دو چار دن ہیں دیکھ ہے خواب و خیال گل

۶؎ دیوانِ ایمان (قلمی) کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد مخطوطہ ۱۵۵

[۱۰]

جدا ہوتے ہیں تجھ سے اسلیے اے جان ملتے ہیں
اگر باقی ہے کوئی دن زندگی پھر آن ملتے ہیں [۸]

برنگ بوے گل ہمکو نہ دے برباد اے پیارے
جہاں میں جاں نثاروں سے کہیں انسان ملتے ہیں

ہیں ہے سبزہ خط چہرہ گلرنگ پر اس کے
سیاہ حسن کو رخصت کے اب کے پان ملتے ہیں

جو تو ہے پاس نیں پیارے تو دوزخ کے برابر ہے
اگر باغ جناں میں حور اور غلمان ملتے ہیں

صبا کے ساتھ چل ایماں تو بھی ملک جاناں کو
ہزاروں راہ میں گلزار اور بستان ملتے ہیں

[۱۱]

ساقی مجھے نہ رکھ جدا اب خمار میں
بلبل سیاہ مست پھرے ہے بہار میں [۹]

مر جاوں تو بلا سیتے پہنچوں قدم تلک
فولاد کے اگرچہ تو ہووے حصار میں -

دل لوٹتا ہے شاد ہوا آتی ہے جس گھڑی
جھنکار گھنگروؤں کی شب انتظار میں

ڈھونڈا نسیم ہو کے نعطا و ختن کے بیچ
پایا نہ بوے زلف کو مشک تتار میں

ایماں جو اس کے دانتوں کی دیکھا ہوں آب و تاب
ویسی چمک کہاں ہے دُر آبدار میں

[۱۲]

سپر کے اوٹ میں شمشیر ظالم یوں چمکتی ہے
کہ جیسے کالے بادل میں کبھو بجلی دمکتی ہے [۱۰]

خدا اب کرے یارو کہ پیارا آ ملے آجی
ہماری آنکھ سیدھی کئی دنوں سیتے پھڑکتی ہے

بہ آب گریہ تیسر تیل کے تیں اور چھڑکے ہے
پڑی ہوی تن بدن میں آتش ہجراں دہکتی ہے

میاں چل باغ میں اب تو بسنتی پہن کر کپڑے
ادھر کو مور پھولا ہے ادھر کوئل کہکتی ہے

صنم کی زلف مشکیں کی عجب مہکار ہے ایماں
کہ جیسوں شبو کی بو گلشن میں راتوں کو مہکتی ہے

۸، ۹، ۱۰ بیاض نمبر ۶ کتب خانۂ سالار جنگ

[۱۳]

خدا کے واسطے بلبل کو مت ستا صیاد   چمن میں --- وہی پاک --- صیاد[۱]

ہیں تیرے دام میں ------ پہنچے   ہے بے زبانوں کی فریاد کو خدا صیاد ؟

پلنگ و آہو کو یکجا سے کیا جھلا تا ہے   ہزار آفریں شاباش مرحبا صیاد

تو اپنے رزق تو اک شت پر نہیں ملتا ؟   اگرچہ دام پہنچتا ہے جا بجا صیاد !!

گلے سے نکلے ہے نخچیر کی صدا ہر دم   کہ نیم جان تڑپتا نہ چھوڑ جا صیاد !!

کبھو تو آپ بھی ہو جائے شیر کا لقمہ   اگرچہ دشت میں پھرتا ہے یار ہا صیاد

بڑا یہ شور ہے ایمان مرغ دل ہی تک   کہ صبح دیوے ہے کل سب کا خوں بہا صیاد

ایک دن میں نے کہا ایمان سے   اے میاں یہ کونسی دانائی ہے

جان دینا ایسے کافر کے لئے   دیکھ تو بارے یہ کیا رسوائی ہے

رات جب تو بزم سے اٹھ کر چلا   بول اٹھا جانے بھی دو سودائی ہے

٭

مژدہ اے --- تمکو ہوا گلزار سرخ[۱]   دامن صحرا از مردگوں ہے اور کہسار سرخ

یہ غلط ہیگا کہ لالی ہے حنا کی ذات میں   گلبدن کے ہاتھ میں آ کر ہوا زنگار سرخ

خوں کے پیاسے ہیں یہ سارے سرکشاں   تب تو ہوئی منصور کے لوہو سے ... سرخ

---

[۱] دیوان ایمان (قلمی) ادارہ ادبیات اردو مخطوطہ نمبر ۵۸۷

مثلث

اے غنچہ دہن گل خو سش چشم ہلال ابرو — شمشاد قد و دلجو پر پیچ سیہ گیسو ۱؎

باتیں ہیں تری جادو آشفتہ نہ کر مجھ کو

اے شوخ نگہ اچپل، ماتھے پہ لگا صندل — جب چشم میں دے کاجل مکھڑے کے ترے بلبل

جاتا ہے ہر اک بلبل زلفوں کا ترے ہر سو

اے دلبر جانانہ اب چھوڑ کے کاشانہ — جاتا ہے یہ دیوانہ گردش میں ہے پیمانہ

کہتا ہے یہ مستانہ، ہمراہ مرے چل تو

جب باندھ کے تو دامن، ہوتا ہے جو صید افگن — تجھ کو اے مہ روشن، خوش چشم گل گلشن

دیکھے ہے اٹھا گردن صحرا کا ہر اک آہو

وہ غنچہ دہن اٹھ کر گلشن سے گیا جب گھر — شمشاد ہوا مضطر لے یاس کی خاکستر

قمری نے اڑا سر پر پھرتے ہیں سدا کوکو

لے صبح سے تا شب تک، بیمار ترا کب تک — پہنچا ہوں فغاں رب تک جاں آن رہا لب تک

عالم کے حکیم اب تک، کرتے ہیں دوا دارو

اے چشم گہر ریزاں، تعلیم دیا نیساں — کہتا ہے یہی ایماں، یہ ابر ہے یا مژگاں

یوں مجھ پہ ہے یہ طوفاں، تھمتے ہی نہیں آنسو

○

۱؎ بیاض ۶۷ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

پہلے مصرعوں کا اشاریہ

غزلیں

۲ ۔ قصائد

۳ مثنویاں

۴۔ نامۂ منظوم

رباعیاں

۲۵۔ اس ماہ جبیں کا بسکہ روشن ہے جمال ״
۲۶۔ وہ سیمیں تن فرنگ کا غنچہ دہن ״
۲۷۔ گلریز شب برات ترے گھر آئے ״
۲۸۔ جوں گل یہ چاک جیب بینا ہے عبث ۱۰ھ
۲۹۔ ہے تجھکو جوانی کی ترقی اے یار ״
۳۰۔ اپنے ہی طرف سے کی جدائی تو نے ״
۳۱۔ ہو عاشق صادق نہ خبر کا محتاج ״
۳۲۔ عاشق تو رکھے ہے وصل دلدار امید ״
۳۳۔ پاتا ہے وہی نشاط اور عیش حبیب ״
۳۴۔ چھوٹے اخلاص بہ زبانی کب تک ״
۳۵۔ اقبال تجھے ہے بزم افروزی کر ۱۱ھ
۳۶۔ ہو عشق کے ہمسر نہ کبھو حرص و ہوس ״
۳۷۔ قصہ خسرو کا بارہا ہم نے سنا ״
۳۸۔ خسرو کی نہ شیریں سے چلی کچھ تدبیر ״
۳۹۔ سو بار اگر روٹھ گیا ہے تجھ سے ״
۴۰۔ آتا ہے وقت مہربانی جانی ״
۴۱۔ ٹک آنکھ لگی شب کو روتے روتے ۱۹ھ
۴۲۔ کرتی تھی وہی سلوک اکثر لیلیٰ ״
۴۳۔ آنے کی جو گلبدن کے پائی آہٹ ״
۴۴۔ کل پائے گا کیوں ہی یہاں ہیں ظالم ״
۴۵۔ ہولے گا کو کرے ہے آج ساقی سروا ״

۴۶۔ کسریٰ سے ہے بس نسب قرینی تجھکو ״
۴۷۔ تو وہ ہے چراغ دودمان کسریٰ ״
۴۸۔ ماتم ہیں شہید کربلا کے واللہ ۲۰ھ
۴۹۔ اس بزم میں ہے تو بہ شاہ شہاں ״
۵۰۔ اس بزم میں جیوں شمع فقط رو رہا ہے ״
۵۱۔ ہے مجلس ماتم شہید اکبر ״
۵۲۔ ماتم میں حسین کے جو روویں احباب ״
۵۳۔ امت بہ شفاعت کا ہے احسان حسین
۵۴۔ ہے مجلس ماتم و عزائے حسین
۵۵۔ کچھ نہیں کا اس غم سے گریباں نہیں چاک ״
۵۶۔ اب غم سے حسین کے جگر پانی ہے ״
۵۷۔ عشرہ کے دنوں میں آج ہیگا مشکل ״
۵۸۔ ہے رام کنور بسکہ شیریں آواز ״
۵۹۔ اے ساقی بزم عیش و عشرت بنیاد ״
۶۰۔ مطلوب ہے وہ شراب اے اہل شعور ״
۶۱۔ وعدہ جو کیا ہے سو شتابی بھیجو ״
۶۲۔ پھر ایسا ہی بھیجو اک دل کا شیشہ ۲۲ھ
۶۳۔ جب سے کہ گیا ہے وہ صنوبر بالا ״
۶۴۔ از بسکہ رقیب سے نپٹ ڈرتا ہوں ״
۶۵۔ ہر دم ہو شہنشاہ کو مولا کی مدد
۶۶۔ تو وہ ہے امیر اعظم و بندہ نواز

ضمیمہ ع (۳)

[۱]

جس کے ہم عاشق وہ جاناں اور ہے ۔ سیر کا اپنی گلستاں اور ہے
ناخدا سے آشنا ہرگز نہیں ۔ اپنی کشتی کا نگہباں اور ہے
جو ہیں بسملِ خنجرِ تسلیم کے ۔ ان کو ہر دم عیدِ قرباں اور ہے
دیکھیو ہونا نہیں برخود غلط ۔ دل میں تیرے کوئی پنہاں اور ہے
کب مسیحا سے ہمیں ہے التجا ۔ درد کا اپنے تو درماں اور ہے
دو جہاں دیوانہ جس کے حسن کا ۔ وہ ہمارا ماہِ کنعاں اور ہے
حشر برپا جس کی ہو رفتار سے ۔ وہ غرض سروِ خراماں اور ہے
... سربازار راہِ عشق میں ۔ ان کی جولانی کا میداں اور ہے

دیر سے مطلب نہ کعبہ سے غرض
عاشقوں کا دین و ایماں اور ہے

[۲]

سالہا گزرے کہ یہ چرخ کہیں پھرتا ہے ۔ ... بے مہر ادھر عہد شکن پھرتا ہے
فوجِ خوباں میں وہ یوں شاہ امن پھرتا ہے ۔ ساتھ لے جس طرح خورشید کرن پھرتا ہے
سیرِ گلشن سے مرا دل نہیں کھلتا بلبل ! ۔ مری آنکھوں میں وہی غنچہ دہن پھرتا ہے
نہیں لالہ کے تماشے کو وہ آیا خوں ریز ! ۔ دیکھتا اپنے شہیدوں کا بہ ان پھرتا ہے
شیشہ ہی منہ کو لگا دے کہ نہیں فرصتِ عیش ۔ گردشِ جام میں یہ رنگ چمن پھرتا ہے
صحنِ گلشن میں خراماں ہے عجب بادِ بہار ۔ جیسا میداں میں گلگون یمن پھرتا ہے
اس کے سایہ سے ہوا یان ... ۔ شبِ مہتاب میں جب سیم بدن پھرتا ہے

[۳]

کبھو دوانہ نہ پری رو جو سن صدائے رباب اچھلے
ہر ایک شیشہ سے میکدہ میں بھی جوش کھا کر شراب اچھلے
کنار دریا پہ سرو قامت اگر تو ہووے تو ہے قیامت
غریق بحر فنا نہیں ہے عجب کہ مثل حباب اچھلے
نہادے آ کر جو حوض میں تو کبھو اے گلرو نہیں تعجب
ہر ایک فوارہ میں سے وہیں بجائے پانی گلاب اچھلے
یہ چرغ کج رو عجب طرح کی کرے ہے ہر بار ہم پہ شوخی
کہ جیسا گھوڑا سوار ہونیکے وقت... رکاب اچھلے
غزل تو ایسی کہا ہے ایمان... رنگیں و وجد افزا
نہیں تعجب ہے جو سنے سو بغل ہیں دل داب داب اچھلے

کتابیات

1- مخطوطات

۱۔ ایمان۔ شیر محمد خاں ایمان۔ دیوان ایمان م ر نمبر ۶۸۷ اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری حیدرآباد

۲۔ 〃 〃 کلیات ایمان 〃 ۸۹ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۳۔ 〃 〃 دیوان ایمان 〃 ۶۸۹ 〃

۴۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۵۔ 〃 〃 〃 〃 ۳۹ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

۶۔ 〃 〃 گلدستہ گفتار 〃 ۳۳۵ اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری حیدرآباد

۷۔ 〃 〃 〃 ۱۸۲ 〃

۸۔ 〃 〃 〃 〃 ۱۳ 〃

۹۔ 〃 〃 〃 〃 ۴,۵ ۶ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

۱۰۔ 〃 〃 〃 — کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

۱۱۔ ایمان۔ شیر محمد خاں ایمان۔ سردار نامہ م ر نمبر ۱۳۰ اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری حیدرآباد

۱۲۔ بیان۔ خواجہ احسان الدین خاں۔ دیوان بیان 〃 ۴۰۱ 〃

۱۳۔ تجلی۔ شاہ تجلی علی۔ مجموعہ فصاحت 〃 ۲۸۴ 〃

۱۴۔ 〃 〃 〃 خزینہ سخن 〃 ۱۶۱۹ 〃

۱۵۔ 〃 〃 〃 مجموعہ فصاحت 〃 ۱۶۹ کتب خانہ سالارجنگ حیدرآباد

۱۶۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ۹۳۰ اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد

۱۷۔ 〃 〃 〃 تزک آصفیہ 〃 ۳۶۸ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۱۸۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ۵۲۶ اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری حیدرآباد

۱۹۔ تمنا میر اسد علی خاں کلیات تمنا 〃 ۱۴۸۴ 〃

۲۰۔ شاہ کمال۔ مجمع الانتخاب 〃 ۶/۱ کتب خانہ سالارجنگ حیدرآباد

۲۱۔ ضیغم تذکرہ ضیغم 〃 ۶۹۶ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۲۲۔ قیس۔ محمد صدیق قیس۔ دیوان قیس۔ م رنمبر ۱۱۲۹ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

۲۔ مطبوعات

۱۔ اردو میں قصیدہ نگاری ابو محمد سحر نسیم بکڈپو لکھنؤ ۱۹۷۹ء

۲۔ اردو مثنوی کا ارتقا پروفیسر سروری ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۶۸ء

۳۔ اردو کی ادبی تاریخ 〃 جمال پریس دہلی ۱۹۸۱ء

۴۔ ارباب نثر اردو پروفیسر سید محمد - -

۵۔ اردو غزل ڈاکٹر یوسف حسین خاں اعظم گڑھ ۱۹۷۳ء

۶۔ اردو غزل ڈاکٹر کامل قریشی دہلی اردو اکیڈمی دہلی ۱۹۸۷ء

۷۔ اردو میں قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ ڈاکٹر محمود الٰہی مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۲ء

۸ ـ ارسطو جاہ	عبدالمجید صدیقی	مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن	۱۹۳۹ء
۹ ـ ارمغان عرفانی (جلد اول)	شیخ یعقوب علی عرفانی	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن	۱۹۳۶ء
۱۰ ـ آصفجاہ ثانی	میر محمود علی	"	۱۹۳۸ء
۱۱ ـ ایمان سخن	مولوی سید محمود صاحب مرحوم	شمس المطابع پریس نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن	۱۹۳۷ء
۱۲ ـ بوستان سخن	میر ابوالقاسم	مخطوطہ	۱۹۰۰
۱۳ ـ تاریخ دکن (عہد حالیہ)	ڈاکٹر یوسف حسین خاں	دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	۱۹۴۴
۱۴ ـ تاریخ ادب اردو (جلد دوم)	ڈاکٹر جمیل جالبی حصہ دوم	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	
۱۵ ـ تاریخ نظام اردو	خان عبدالرحیم	حیدرآباد	۱۳۱۱ھ
۱۶ ـ تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر زور	اعظم پریس حیدرآباد	۱۹۴۰ء
۱۷ ـ تذکرہ شعرائے اورنگ آباد	سردار علی خاں	شمس الاسلام پریس حیدرآباد	۱۳۴۵ھ
۱۹ ـ تاریخ دکن	عبدالمجید صدیقی	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد	۱۹۴۰ء
۲۰ ـ تنقیدی زاویے	ڈاکٹر عبادت بریلوی	ـــ	ـــ
۲۱ ـ تنقیدی پیرائے	ڈاکٹر عنوان چشتی	دہلی	۱۹۶۹ء
۲۲ ـ تذکرہ مجموعہ الانتخاب	شاہ کمال الدین	مخطوطہ	۱۲۱۶ھ
۲۳ ـ تزک آصفیہ	شاہ تجلی علی تجلی	"	۱۰۸۰
۲۴ ـ جشن عثمانی (جلد اول)	محمد فاضل	تاج پریس حیدرآباد دکن	

۲۵۔ حدیقۃ العالم (جلد دوم) میر ابوالقاسم المخاطب مطبع سیدی حیدرآباد دکن ۱۳۰۹
به میر عالم

۲۶۔ داستان ادب حیدرآباد ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور طارق برقی پریس حیدرآباد دکن ۱۹۵۱

۲۷۔ دربار آصف غلام صمدانی خاں گوہر افضل المطابع حیدرآباد دکن
(صرف ٹائیٹل)

۲۸۔ دکن میں اردو نصیر الدین ہاشمی مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۶ء

۲۹۔ دکنی ادب کی تاریخ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور میٹرو آفسٹ پریس دہلی ۱۹۵۸

۳۰۔ عہد ارسطو جاہ ڈاکٹر لئیق صلاح حیدرآباد ۱۹۸۶ء

۳۱۔ گلزار آصفیہ غلام حسین خاں در مطبع محمدی طبع شد

۳۲۔ محبوب الزمن عبدالجبار خاں صوفی مطبع رحمانی حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ
(حصہ اول) ملکاپوری

۳۳۔ مرزا علی لطف حیات ڈاکٹر اکبر علی بیگ حیدرآباد ۱۹۷۹ء
اور کارنامے

۳۴۔ مقدمۂ تاریخ دکن عبدالمجید صدیقی اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن ۱۹۴۰ء

۳۵۔ مرقع سخن (جلد اول) ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور " ۱۹۳۵

۳۶۔ مرقع سخن (جلد دوم) " "

۳۷۔ یورپ دکنی مخطوطات نصیر الدین ہاشمی

۳۔ مقالین

۱۔ اشفاق حسین۔ شیر محمد خاں ایمان۔ مرقع سخن (جلد دوم) ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔ ۱۹۳۵

۲۔ پروفیسر سروری۔ شاہ تجلی علی تجلی " " "

۳۔ محمد قمر یافعی۔ بادۂ کہن۔ مجلہ مکتبہ "اپریل۔ مئی ۱۹۲۸ء۔ حیدرآباد۔